

گلیاتِ جگر

جگر مراد آبادی

urdukutabkhanapk.blogspot

کلیاتِ ہجر

ہجر مراد آبادی

تحقیق و ترتیب

نواز چوہدری



اردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

فہرست

125	غزلیں	5	جگر صاحب (از رشید احمد صدیقی)
156	پارہ ہائے جگر	18	جگر مراد آبادی (از مالک رام)
160	تخیلات جگر (دو ردوم)	37	تری یاد کا عالم (از رشید احمد صدیقی)
160	غزلیں	53	میر اکلام میری نظر میں (از جگر مراد آبادی)
176	جگر پارے	57	آتش گل
180	جذبات جگر (دو رسوم)	59	غزلیں
180	غزلیں	105	نظمیں
199	پارہ ہائے جگر	107	افشاں
201	واردات جگر (دو چہارم)	108	تجدید ملاقات
201	غزلیں	109	یاد
275	پارہ ہائے جگر	110	سراپا
281	نظمیں	111	قسط بنگال
281	مبارک باد صحت یابی	111	پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے
281	ایک شاعر کا پیغام	112	آج کل
281	انتقال نواب سعید الملک	113	گاندھی جی کی یاد میں
282	عید	113	آوازیں
282	رباعی	116	گذر جا!
283	دیہاتی گاندھی	117	نوائے وقت!
283	یوم آزادی	118	زمانے کا آقا، غلام زمانہ
285	تکیہ	118	دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر!
286	ساتی سے خطاب	119	اعلان جمہوریت
287	نذر غالب	120	ساتی سے خطاب
288		123	شعلہ طور
		125	نغمات جگر (دو راؤل)

326	متفرقات	289
327	شعلہ طور	289
339	لمعات طور	291
339	یادایام	292
340	؟؟؟	293
340	گاندھی	293
340	سہرا نمبر 1	293
340	سہرا نمبر 2	294
341	شکستِ توبہ	296
342	بادۂ شیراز	297
343	آتشِ گل	298
344	غالبِ مرحوم	300
345	قطعہ	301
349	آتشِ گل کے بعد (غزلیات)	302
363	قندِ پاری	303
364	نعت شریف	304
364	خصوصیاتِ محمدیہ	305
364	عہدِ رسالت تا خلافتِ راشدہ	306
364	عہدِ حاضر	307
364	معراج	308
365	شمعہ از حقیقتِ معراج	308
365	قطعہ و مقطع	308
365	حقیقت و مجاز	319
366	قطعہ (مجاز و محاکات)	319
366	قطعہ	323
366	کلامِ تازہ	324

گیت

شاعر کا خطاب

غزل

درِ جگر

لمعاتِ طور

شکستِ توبہ

غمِ انتظار

تصویر و تصور

زکسِ مستانہ

یادایام

محبوب کی صدا!

نغمہ اسلام

ہلالِ عید

برخوش نگاہ کن

تخمیس بر غزلِ اردو

تخمیس بر غزلِ فارسی

مثنوی عرفانِ خودی

واسوخت در غزل

میرے لئے

رباعی

بادۂ شیراز

غزلیات

سراپا

خطاب بہ مسلم

غیر مطبوعہ کلام

دارِ جگر

جگر صاحب

(رشید احمد صدیقی)

جگر صاحب ان چار سرآمد اردو شعراء میں تہارہ گئے تھے جن کو بیسویں صدی کے ایوان غزل گوئی کے چار ستون کہا جاتا ہے۔ یعنی حضرت فانی، اصغر، جگر اور حسرت۔ کیسے مستحکم یہ ستون ہیں، جن پر جدید غزل کی خوبصورت عمارت قائم ہے۔ باوجود ان تہلکوں اور زلزلوں کے جو اسے پیش آتے رہے۔ جگر صاحب اپنی سیرت و شخصیت کے اعتبار سے اپنے کلام سے بھی زیادہ دلاویز اور قابل احترام تھے۔

بالکل یاد نہیں آتا جگر صاحب سے پہلے پہل کب، کہاں اور کیسے ملاقات ہوئی۔ ممکن ہے الہ آباد میں ہوئی ہو جہاں اصغر صاحب مرحوم ہندوستانی اکیڈمی (یو۔ پی) میں صیغہ اردو کے مشیر ادبی تھے۔ کسی کام سے الہ آباد جانا ہوتا تو میرا قیام اصغر صاحب کے یہاں ہوتا۔ یہ زمانہ اور اس کے بعد کا کافی زمانہ ایسا تھا جب جگر صاحب پر شراب کا کافی تسلط تھا۔ رفتہ رفتہ مجھ سے اتنی راہ و رسم ہو گئی کہ جگر صاحب جب کبھی علی گڑھ تشریف لاتے تو میرے یہاں ٹھہرتے۔ یہاں تک کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بڑے عزیز اور محترم دوست بن گئے۔

الہ آباد میں اصغر صاحب کے سامنے اس طرح خاموش مودب اور آنکھیں نیچی کئے ہوئے بیٹھتے کہ ان سے گفتگو بھی کی جاتی تو ہاں، نہیں میں مشکل سے جواب دیتے اور پھر سر جھکا لیتے۔ اصغر صاحب مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ ایسے خوش ہوتے جیسے ان کا رواں رزاں مسکرانے لگا ہو۔ ان کے اس طرح خوش ہونے سے مجھ پر آسودگی اور غنوک کی ایسی کیفیت طاری ہوتی جیسے میں ان تمام لوگوں کا قصور معاف کرنے لگا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ ظلم و زیادتی کی تھی۔

کبھی کبھی وہیں جگر صاحب مل جاتے۔ انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ خود نہ آئے ہوں

بلکہ کسی نے پہنچا دیا ہو۔ اور اس کے منتظر ہوں کہ موقع ملے تو پھر اپنی مہم پر چلے جائیں۔ ان کے مولجہ میں اصغر صاحب مجھ سے تفصیل سے گفتگو نہ کرتے۔ میں بھی کوئی ذکر نہ پھیڑتا۔ ہم دونوں بیٹھے ہوتے تو جگر صاحب اٹھ کر چلے جاتے۔

اصغر صاحب، جگر صاحب کو زیادہ خاموش یا اکتایا ہوا تو کبھی کبھی مسکرا کر ان کو یہ فقرہ سنا دیتے۔ ”چاہے جہاں پھر، لوٹ کر یہیں آنا پڑے گا۔“ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر ہنسنا بولنا شروع کرتے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا۔ ”اصغر صاحب! کہاں آنا پڑے گا بیچارے آتو جاتے ہیں۔“ اصغر صاحب میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی آنکھیں ان سے زیادہ مسکراتی تھیں۔ پھر بولے۔ ”ابھی کہاں آتے ہیں؟ ابھی تو لائے جاتے ہیں۔“ ایک دفعہ الہ آباد پہنچا تو اصغر صاحب کی ہاں جگر صاحب پھر اسی حال میں ملے۔ کھانے کا وقت آیا تو میں اور اصغر صاحب کھانے کے کمرے کی طرف چلے۔ جگر صاحب نے شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔ اصغر صاحب اس دن کچھ بدحظ سے معلوم ہوتے تھے۔ چلتے چلتے کھڑے ہو گئے اور جگر صاحب کو مخاطب کر کے بولے۔ ”یہ سب تمہارے شعر نہیں سنتے تمہارا گوشت کھاتے ہیں۔“ اصغر صاحب کی آزر دگی پر کسی قدر برہمی کا رنگ چھانے لگا تھا۔

میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔ اصغر صاحب کھانے کی طرف متوجہ ہوئے تو میں نے کہا۔ ”اصغر صاحب! آپ تو لکھنؤی شاعری کے تشبیہ استعاروں کے کبھی شیدائی نہ تھے، یہ گوشت کا کیا قصہ ہے؟“ کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ کچھ خشگیں لیکن زیادہ حزیں لہجے میں بولے۔ ”رشید صاحب! آپ کو کیا معلوم ایسے ایسے بے رحم لوگ بھی ہیں جو ان کو جہاں چاہتے ہیں پکڑ لیتے ہیں، اور یہ جو یہ اسپرٹ ہوتی ہے نہ، وہ پلا پلا کر ان سے شعر سنتے ہیں اور جب یہ ادھ مرے ہو جاتے ہیں تو یکے پر لاد پھاند کر یہاں پہنچا دیتے ہیں۔“ میں نے دیکھا کہ اصغر صاحب بے کیف ہو گئے ہیں اور کھانے سے بھی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ میں نے پوچھا۔ ”آپ نماز تو پڑھتے ہیں؟“ بولے۔ ”ہاں۔“ میں نے کہا۔ ”..... صاحب تو آپ کو صاحب کشف و کرامات بھی بتاتے ہیں۔“ بولے۔ ”جی! تو پھر؟“ میں نے عرض کیا۔ ”..... صاحب نے آپ کا ایک شعر سن کر آپ کو مستجاب الدعوات بھی قرار دیا تھا۔“ بولے۔ ”آپ بھی تو کچھ کہئے؟“ میں نے کہا۔ ”آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ جگر صاحب کا گوشت کھانے والے و بخیئرین ہو جائیں۔“ اصغر صاحب ہنس پڑے اور ہم دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانا کھلانے پر جو ملازم مامور تھے اس سے پوچھتے جاتے تھے یہ کھانا یا وہ کھانا جگر صاحب کے لئے رکھ دیا ہے یا نہیں۔ اس سے اطمینان نہیں ہوتا تھا تو ڈونگے اور پلیٹ سے نکال کر علیحدہ پلیٹوں میں رکھتے جاتے اور کہتے جاتے۔ ”یہ سب جگر صاحب کے لئے رہے۔ بغیر کھانا کھائے ان کو باہر نہ جانے دینا۔“

میرے گھر کا ہر چھوٹا بڑا جگر صاحب کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ یونیورسٹی اور شہر میں بھی جگر صاحب محبوب اور مقبول تھے۔ اس زمانہ میں بھی شراب کا بڑا زور تھا۔ اکثر غافل اور بدست شہر سے لائے جاتے۔ یونیورسٹی کے اندر کوئی نہ کوئی طالب علم مل جاتا تو ان کو میرے ہاں لاتا۔ میں گھر پر نہ موجود ہوتا تو وہ کمرے میں پہنچا کر دیکھ بھال میں مصروف ہو جاتا۔

یہ طالب علم جگر صاحب کی نرسنگ اس طور پر کرتے جیسے کوئی اپنے باپ یا بھائی کی خدمت کر رہا ہو، یا کوئی نرس سرسام میں مبتلا مریض کی نرسنگ کرتی ہو۔ اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب جگر صاحب اور یہ طالب علم دونوں اپنی اپنی جگہ پر ان بانکوں سے کم نہ تھے جن کے قصے تاریخوں اور داستانوں میں ہم پڑھتے آئے ہیں۔

میں آ جاتا تو طالب علم چلے جاتے اور معلوم نہیں کیوں اور کیسے جگر صاحب خاموش اور مودب ہو جاتے۔ لیکن ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا جیسے رہ رہ کے سمندر کی تہ سے کوئی طاقت در موج ابل کر باہر آنے والی ہو۔ لیکن سطح کے قریب پہنچ کر یک بیک زور ختم کر کے واپس چلی جاتی ہو۔

یہ باتیں میں اس لئے نہیں بیان کر رہا ہوں کہ اس میں میری بڑائی نکلتی ہے۔ میری یہ نیت ہوتی تو میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اس بھونڈے طریقے سے ان کی نمائش کرتا۔ جگر صاحب سے مجھے یہی شکایت تھی کہ وہ میرے سامنے مودب کیوں ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایسے آدمی سے ملنے میں بڑی الجھن ہوتی ہے جو مجھے ہر وقت گارڈ آف آزدیتا رہے۔ اور اس سے بھی کچھ کم کوفت اس وقت نہیں ہوتی، جب کوئی شخص میرے سامنے مجھ سے زیادہ مخربانے کی کوشش کرتا ہے۔

جگر صاحب اپنے حلقہ کے لوگوں میں بیٹھے ہوتے تھے، تو بہت خوش اور بے تکلف ہوتے تھے۔ ایسے میں جگر صاحب کے پاس جانے سے پرہیز کرتا تھا۔ لیکن اتفاق یا ضرورت سے نیچے جاؤں تو وہ اس طرح خاموش اور سنجیدہ ہو جاتے، جیسے مکتب کے چھوٹے بچے ہنس بول یا اودھم مچا رہے ہوں اور دفعتاً مولوی صاحب نمودار ہو جائیں۔

جگر صاحب مجھ سے یقیناً بہتر انسان تھے۔ وہ مجھ سے مساوات برتیں میری عیادت کریں، مجھ سے خدمت لیں، مجھ سے جھگڑیں یا مذاق کریں، یہ ساری باتیں سمجھ میں آتی تھیں۔ لیکن وہ مجھے حرمین شریفین قسم کا مولوی یا کسی اردو اخبار کا آبرو باختہ ایڈیٹر، یا برطانوی عہد کا تھانیدار سمجھیں، یہ میرے لئے ڈوب مرنے کی بات تو تھی ہی، خود جگر صاحب کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں تھی۔

میرا خیال ہے کہ ان کے ہاں میرا جو رکھ رکھاؤ تھا، غالباً اس تعلق سے تھا جو مجھے اصغر صاحب سے یا اصغر صاحب کو مجھ سے تھا۔ اس طرح کی باتوں کا جگر صاحب بڑا لحاظ کرتے تھے۔ وضع داری شریفوں کی پرانی کمزوری ہے۔

ایک دفعہ خبر آئی کہ جگر صاحب شراب سے تائب ہو گئے ہیں۔ یقین نہ آیا کہ ایسا ہوا ہوگا۔ سمجھتا تھا کہ آج نہیں کل یہ خبر آئے گی کہ پھر سے شروع کر دی۔ بری عادتیں اس آسانی سے نہیں چھوڑتیں جس آسانی سے اچھی عادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ سوچتا تھا کہ جب میں اپنی معمولی بری عادتیں چھوڑنے پر قادر نہیں ہوں تو جگر صاحب شراب کیسے چھوڑ دیں گے۔ وہ اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جس طرح شاید جوش گریہ میں غالب کا دل ڈوبی ہوئی اسامی تھا۔ جگر صاحب شراب سے کیوں اور کیسے تائب ہوئے؟ اس کا مجھے علم نہیں۔ اس بارے میں ان سے کبھی ذکر نہیں آیا۔ اتنا البتہ جانتا ہوں کہ ان پر شراب کا کتنا ہی غلبہ کیوں نہ ہوتا ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوتی جسے متبذل کہہ سکیں۔ ان کی زبان سے سخت کلمات نہیں نکلتے تھے۔ وہ کبھی لوٹے پوٹے، دند بچاتے نہیں پائے گئے۔ مجھے تو اکثر محسوس ہوا جیسے کیف و سرخوشی بخشنے کے بجائے شراب ان کو انتہائی درد و کرب میں مبتلا کر دیتی ہو۔ ان پر تھوڑی شراب بھی بہت اثر کرتی تھی۔

ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے اعضاء بڑے ذکی الحس تھے اور تھوڑی سی تحریک بھی بہت ہو جاتی ہو۔ شاعری میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ جیسے خیال یا جذبہ برقی رو بن کر ان کے جسم و جان کو جھنجھناتا ہو۔ کچھ دنوں سے ان کے کلام میں یہ بات بظاہر کم ہو گئی تھی۔ لیکن غور کرنے پر محسوس ہوتا تھا کہ جو بات کہی گئی ہے اس میں تاثرات کی شدت ہے، لیکن ان کو پیش کیا گیا ہے زیادہ مدہم آواز اور انداز میں۔

جگر صاحب کی شاعری میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اصلاً وہ دوری و مہجوری کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کی رفتار اور سمت کا مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ فراق کے شاعر ہیں، وصال کے نہیں۔ ان کا محبوب سے رشتہ کا انداز Centrifugal (مرکز گریز) ہے۔ یہی سبب ہے کہ جگر صاحب کی شاعری میں محبوب کی عفت میں کوئی خلل نہیں نظر آتا۔ اور ان کا کلام اس آلودگی اور بے راہ روی سے پاک ہے جو ہماری شاعری اور سوسائٹی میں نظر آتی ہے۔ میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ جو شاعر ذہن و فکر کے اعتبار سے محبوب سے قریب اور جسم و جان کے اعتبار سے دور سے دور ہو وہ اس شاعر سے بالعموم بہتر اور برتر ہوگا جس کی پوزیشن اس کے برعکس ہو۔ جگر کے نقاد کو یہ نکتہ مد نظر رکھنا چاہئے۔

شراب چھوڑنے کے بعد جگر صاحب طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ یہ زمانہ ان پر بڑا سخت گزرا۔ صحت خراب ہو گئی، طرح طرح کی ذمہ داریوں نے آگھیرا۔ مالی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ جگر صاحب نے جس پامروی سے ان مصیبتوں کو جھیلا، وہ جگر صاحب کا رزمیہ ہے۔ کتنے اور کیسے ”روز ابرو شب ماہتاب“ آئے ہوں گے اور جگر صاحب پر سے گزر گئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔“

جگر صاحب بڑی مذہبی آدمی تھے۔ مذہبی لوگوں کے بارے میں میرا تجربہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ میں نے اکثر ایسے لوگوں کو مذہب میں مبتلا پایا جن میں خاصی اخلاقی کمزوریاں ملتی ہیں۔ یہ لوگ خدا کو اس منطق سے قائل کرتے رہتے ہیں۔ ”میں جتنی شادیاں کرتا اور طلاق دیتا ہوں اتنی ہی زائد رکعتیں نماز کی بھی تو پڑھ لیتا ہوں۔“ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح امریکہ ہر چیز کی قیمت ڈالر میں وصول کرتا ہے، اللہ تعالیٰ..... ان کے گناہوں کا کفارہ نقول میں قبول کر لیتا ہے۔

مذہب بڑی سخت اور قابل قدر آزمائش ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کا مذہب۔ جس طرح کے مذہبی لوگ میرے پیش نظر ہیں وہ اس درجہ کے بیوقوف ہوتے ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جب وہ اپنے ارد گرد کے معمولی لوگوں کو دھوکہ نہیں دے سکتے تو وہ خدا کو کیونکر دھوکہ دیں گے جس کی صفات کا ان کو علم ہے۔ یقین ہو یا نہ ہو، ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ خدا نے اپنے سارے اختیارات ان بندوں کو ہمیشہ کے لئے منتقل کر دیئے ہیں جن کا وہ حق مارتے رہتے ہیں۔ ایسے معاملات میں وہ خدا کے ہاں جتنی عرضیاں بھیجتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو پڑھے بغیر عدالت مجاز کو واپس کر دیتا ہے۔

ان میں بعض ایسے معصوم بھی ملیں گے جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ خدا کو نہ سہی ان کے فرشتوں کو ہی دھوکہ دے کر کار براری کر لیں جو ان کا اعمالنامہ مرتب کرنے کے لئے کاندھوں پر بٹھا دیئے گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آخرت میں پٹواری کے اندراجات کی بنا پر مقدمہ جیت لیں گے۔

جگر صاحب ان معنوں میں مذہبی آدمی تھے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ اور انسان کے حقوق کو پہچانتے تھے۔ اور ان کا لحاظ رکھتے تھے کہ جس کا جو حق ہو، اسے پہنچ جائے۔ وہ نفع کے ضرر اور ضرر کے نفع کو جانتے تھے۔ ان میں حیا تھی۔ وہ پرانی چیز کو اپنانے کے درپے نہیں ہوتے تھے۔ ان میں غیرت اور حمیت تھی۔ ظلم اور زیادتی اپنے پر ہو تو جھیل جاتے تھے۔ دوسروں پر ہو تو اس کی حمایت میں اپنے کو خطرے میں ڈال دیتے تھے۔ ان کے یہ جو ہر تقسیم ملک کی ہلاکتوں میں کھلے۔ تفصیل میں طوالت ہے۔

جگر صاحب عالم فاضل نہیں تھے۔ مذہب ہو یا سیاست ہو یا شعر و ادب ہو ان پر ان کی گفتگو منطقیانہ یا فلسفیانہ نہیں ہوتی تھی۔ ان کا احساس جتنا سرلج اور شدید تھا اتنا ان کا مطالعہ وسیع نہیں تھا۔ وہ خود اپنی شاعری کے بارے میں تفصیل سے گفتگو نہیں کر پاتے تھے۔ وہ اپنی شاعری سے باہر نکل کر کسی اور کی شاعری پر غور کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شاید غور کر بھی نہیں سکتے تھے۔ جس کے جذبات تند و تیز ہوں وہ غور کرنے کا مستحمل نہیں ہو سکتا۔ جگر صاحب اقبال کی شاعری کے کچھ ایسے قائل نہیں تھے۔ فانی بھی نہ تھے دونوں کا یہ کہنا ہے کہ شاعری میں فکر و فلسفہ کیسا؟ حالانکہ دونوں، بالخصوص جب جگر جہت و جہاں سے بلند ہوتے ہیں، اقبال کے قریب ہو جاتے ہیں۔ لیکن جگر صاحب شعر و شاعری کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے وسعت اور وزن سے قطع نظر اس میں خلوص کی پاکیزگی اور یقین کی محکمی ملتی تھی۔

میں نے جگر صاحب کو تقریباً ہر حال اور ہر صحت میں دیکھا ہے۔ خوبصورت نوجوان آزاد منش، عورتوں میں ماں بہن بیٹیوں میں عمامہ اور اکابر کی موجودگی میں، طلباء اساتذہ اور دوسرے سنجیدہ اور ثقہ حلقوں میں گفتار و کردار کے اعتبار سے میں نے ان کو کہیں قابل گرفت نہیں پایا۔ عورتوں کی موجودگی میں جگر صاحب عفیف و شفیق نظر آتے تھے۔ ان کی زبان سے کوئی ہلکی بات نہ نکلتی تھی، اور نگاہ کبھی بے باک اور بے محابہ نہ ہوتی تھی۔ عورتوں کی موجودگی سے قطع نظر بے تکلف دوستوں میں میں نے کبھی یہ نہ دیکھا کہ جگر صاحب نے بے خیالی میں تفریحا کوئی ایسا جملہ کہا ہو جس میں عورتوں سے تفریح یا عورتوں کی تضحیک کا پہلو نکلتا ہو۔ کم سے کم میری جان پہچان کا کوئی اردو شاعر ایسا نہیں ہے سوا فانی مرحوم کے، جو اس بارہ خاص میں جگر صاحب کا مقابلہ کر سکے۔

رؤسا اور امراء کے سامنے جگر صاحب حتی الوسع اپنا اور ان کا دونوں کار کھ رکھا و ملحوظ رکھتے تھے۔ لیکن اس طرح کی صحبتوں میں جگر صاحب کی طرف سے میں ہمیشہ منزود رہا۔ اس لئے کہ معمولی آدمیوں کی بدتمیزی وہ بالعموم نظر انداز کر دیتے تھے، لیکن کسی بڑے آدمی سے ذرا بھی کوئی ناوابج حرکت سرزد ہو جاتی تو جگر صاحب بغیر کچھ کہے یا کئے نہ رہتے تھے۔ چاہے اس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بھوپال کے نواب زادہ رشید الظفر صاحب زمانہ طالب علمی سے جگر صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں انہوں نے جگر صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اور کسی طرح کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی کہ وہ کیا کریں، کہاں رہیں۔ اس زمانہ میں والیان ریاست میں سے اکثر یہ چاہتے تھے کہ جگر صاحب ان سے وابستہ ہو جائیں۔

ان میں سے ایک جو بہت بڑی ریاست کے چشم و چراغ تھے، اس کے درپے ہوئے کہ جگر صاحب جس معاوضہ اور شرط پر چاہیں اس کے متوسلین میں شامل ہو جائیں۔ طرح طرح کے ڈورے ڈالے گئے۔ جگر صاحب کی مالی حالت خراب تھی بھوپال کے وظیفہ سے بسراوقات ہوتی تھی۔ جگر صاحب اس ”آفر“ کو خوش اسلوبی سے ٹالتے رہے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رئیس نے برملا اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ جگر صاحب نے بات ٹالنی چاہی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اصرار بڑھا اور اصرار میں رنگ امارت کا بھی جھلکا۔ جگر صاحب بے قابو ہو گئے، بولے، ”جناب آپ مجھے داموں خریدنا چاہتے ہیں۔ میں تو رشید الظفر کے ہاتھوں بک چکا ہوں“

حاضرین سنائے میں آگئے اور جگر صاحب گھر آ گئے۔

جگر صاحب میں مروت اور وضع داری بہت تھی۔ جس سے رسم و راہ ہو جائے اس کے لئے وہ تمام آداب برتتے جو شریفوں میں قدیم سے چلے آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بڑے دھوکے کھائے، اور نقصان اٹھائے۔ جگر صاحب کا شمار کھاتے پیتے لوگوں میں نہیں تھا۔ مدتوں بڑی تنگی ترشی

سے بسر ہوئی۔ خرچ آمدنی سے بہت زیادہ تھا، لیکن انہوں نے اپنی تنگدستی کا اظہار کبھی کسی سے نہیں کیا۔ مہمان کا خیر مقدم اس طرح کرتے جیسے ان کے گھر خیر و برکت کا نزول ہو رہا ہو۔ تکریم و تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتے۔ کپڑے اچھے پہنتے، سامان قیمتی رکھتے، جس کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی مانگ لیتا، یا چرا لیتا، ورنہ خود کہیں کھو آتے۔

جگر صاحب جب کبھی میرے ہاں آئے، میں نے یہ سوال کیا۔ ”جگر صاحب سفر میں کیا کھو آئے؟“ اور تقریباً ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں چھوڑ آئے ہیں۔ ایک دفعہ مشاعرے میں جو کچھ ملا تھا اسے جیب میں رکھ لیا۔ جن کے ہاں ٹھہرے تھے انہوں نے جگر صاحب کو دیکھ بھال کے لئے اپنے کسی عزیز کو مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے جگر صاحب کی بڑی خدمت کی، ہر وقت موجود رہتے، اور اظہار عقیدت کرتے۔ جگر صاحب کو غافل سمجھ کر انہوں نے سارے روپے نکال لئے۔ جگر صاحب کہتے تھے کہ وہ یہ سب دیکھ رہے تھے، لیکن چپ رہے۔ میں نے پوچھا۔ ”یہ کیوں؟“ بولے۔ ”یہ واقعہ ایسے وقت رونما ہوا جب میں جائے قیام سے رخصت ہو کر اسٹیشن آ رہا تھا۔ بہت سے لوگ موجود تھے۔ کچھ اچھا معلوم نہ ہوا کہ وہاں اس چوری کا اعلان کروں، اور کسی شریف آدمی کو رسوا کروں۔“

جگر صاحب جس کے مہمان ہوتے تھے اس پر بہت کچھ اپنا ہی صرف کرتے تھے۔ میں نے غصہ میں ان کو آپے سے باہر ہوتے نہ دیکھا۔ حکم چلاتے نہ پایا۔ اپنی بڑائی کبھی ان کی زبان پر نہ آئی۔ دوسروں کے عیب انہوں نے کبھی نہیں ڈھونڈے، نہ کبھی ان کی تشہیر کی۔ ایسے لوگ کم ہیں جو اپنی بڑائی جتانے کے لئے ایسا نہ کرتے ہوں۔ جگر صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ عام شعراء کی مانند اس تاک میں نہیں رہتے تھے کہ کوئی غریب اور شریف مل جائے تو اسے اپنے اشعار سنانا کر ادھ مرا کر دیں۔

جگر نے بھی غزل کے اسی بدنام کوچہ میں پرورش پائی تھی۔ داغ کی شاگردی نے انہیں ستے نشے کا مزہ بھی چکھایا تھا اور محض زبان کے لطف و بیان کے چٹخارے سے بھی آشنا کر دیا تھا۔ مگر جگر کی عظمت یہی تھی کہ انہوں نے اس کوچہ میں قیام نہیں کیا۔ وہ داغ کے شاگرد تھے مگر داغ نہ بن سکے۔ وہ اصغر کے مداح اور عقیدت مند تھے، مگر اصغر نہ بن سکے۔ کیونکہ ان کے اندر ایک لذت پرست کا دل تھا، اور نہ ایک صوفی کا۔ وہ تو ایک ایسے سرمست اور سرشار انسان کا دل لے کر آئے تھے، جس کے پاس صرف ایک دولت تھی، خلوص کی دولت۔ اور صرف ایک قوت تھی، محبت کی قوت۔

مجھے جگر کی شاعری کی جن خصوصیات نے متاثر کیا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شاعری ذات کا پر تو ہے، سخن کا پردہ نہیں۔ یہاں صرف ان احساسات اور جذبات کی جھلک ملتی ہے جنہوں نے شاعر کو بے چین کیا ہے مضطرب رکھا ہے۔ یہاں وہ مضامین نظم ہوئے ہیں، جنہوں نے زبردستی شاعر کو مجبور کر کے اپنے کو نظم کیا ہے۔ یہ آسان بات نہیں۔ اس کے لئے زبردست

جرات اور ہمت کی ضرورت ہے جو ہر مصلحت کو ٹھکرا کر آگے بڑھ سکے۔ دوسروں سے خلوص برتنا آسان ہے، اپنے سے خلوص برتنا بہت مشکل ہے۔ جگر کی سب سے بڑی جیت یہی ہے کہ انہوں نے اپنے فن پر کبھی مصلحت کا نقاب نہیں ڈالا۔

جگر نے شراب اور شباب کی شاعری کی ہے۔ اور ان کی زندگی کے یہ گوشے بھی کسی کی نظروں سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ شراب کو انہوں نے اپنایا، اور اس دھڑلے سے پی کہ شاید ہی اتنی سستی اور اتنی زیادہ شراب ہندوستان کی کسی زبان کے شاعر نے پی ہو۔ جب سب کو جگر کے شعر مارے ڈال رہے تھے، اس وقت جگر کو شراب مارے ڈال رہی تھی۔ شاہد و شباب سے ان کے ربط و ضبط بھی چھپے نہیں ہیں، اور انہوں نے اپنی رندی اور اپنے عشق دونوں کو پاک اور بے لاگ رکھا۔ ایسا رند پارسا اور ایسا پاکیزہ مشرب شاہد باز شاید ہی اردو ادب نے کبھی پیدا کیا ہو۔ لہذا جگر کی غزل میں خمریات کا ذکر جگ بیتی نہیں، آپ بیتی کا حکم رکھتا ہے۔ عشق اور واردات قلبیہ شاعری ہی نہیں تھی، زندگی تھی۔ اس میں حقیقی تجربہ کار رنگ بھرا گیا تھا، اور وہ ذاتی کیف و درد اور سوز و نشاط کی آواز بن گئی تھی۔

شراب و شباب جگر کے ہاں آلودگی پر ختم نہیں ہوئے۔ داغ سے جولذتیت اور حیات کا مزہ انہیں ملا تھا، اسے اصغر کے تصوف نے نکھار کر آلودگی سے پاک کر دیا تھا۔ ان کے ہاں عشق، وصال کے مزہ کا نام نہ رہا، ہجر کا کیف بن گیا۔ جگر کی شاعری محبوب کو پانے سے زیادہ جذبہ عشق سے عشق کرنے کی شاعری ہے۔ وہ جذبہ عشق جو محبوب سے ملنا نہیں، البتہ اس سے ملنے کی تمنا میں مستقل تڑپا رہا ہے۔ اور یہ تڑپ، یہ خلش، یہ غم وہ کلید ہے، جو کائنات کے بھید کھولتی چلی جاتی ہے۔ جو یہ بتاتی ہے کہ اصل بصیرت ذات میں گم ہو جانے میں نہیں ہے، بلکہ نشاط سے آگے بڑھ کر غم دو جہاں کے زہر کو شوکی طرح پی کر کائنات کے وجود کے دائمی کرب کا ہم راز ہو جانے میں ہے۔ انسان دوستی، عالمگیر ہمدردی اور اخوت کے مبارک جذبے غم سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ غم محبوب کا حسین اور بیش بہا عطیہ ہے۔

ہجر سے شاد ، وصل سے ناشاد

کیا طبیعت جگر نے پائی ہے

اک شاہد معنی و صورت سے ملنے کی تمنا سب کو ہے

ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں

غم کہ ہے زینہ صفات و ذات

غم نہیں ہے تو آرزو، نہ حیات

یہاں محبوب کا کوئی کم معیار تصور نہیں ہو سکتا۔ جگر کا محبوب نہ شاہد بازاری ہے اور نہ بے رحم جلاو۔ بلکہ دراصل وہ عاشق کی تکمیل ذات کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ خود بھی شاعر ہی کی طرح درد و کیف

سے آشنا ہے۔ وہ بھی شاعر کی ذات کی سرمستی اور ولہانہ پن میں شریک ہے۔
 ہاں ہاں، مجھے کیا کام مری شدت غم سے
 ہاں ہاں، نہیں مجھ کو ترے دامن کی ہوا یاد
 ملتا جلتا ہے مزاج حسن ہی سے رنگ عشق
 شمع گر بے باک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے
 جسے خود بھی عشق کی دولت عزیز ہے، اور جو عشق کے دل کی بات کو لفظ و معنی کے اشاروں کے
 بغیر بوجھ سکتا ہے۔

ابھی ہے دل کو مقام سپردگی سے گریز
 اک اور بھی سہی گیسوئے غمیں میں شکن
 بیٹھے ہیں بزم دوست میں، گم شدگان حسن دوست
 عشق ہے اور طلب نہیں، نغمہ ہے اور صدا نہیں
 اور اسی لئے حسن کا درجہ ان کے ہاں پرستش کا نہیں، رفاقت کا ہے۔ مگر وہ رفاقت جو پاکیزہ
 ہے۔ جو اس قدر مقدس ہے کہ میر کے لفظوں میں۔

دور بیٹھا غبار میر اس سے
 عشق بن یہ ادب نہیں آتا
 کی مصداق ہے۔ اس پاکیزگی کا ذکر جگر سے ان الفاظ میں کیا ہے۔
 وہ ہزار دامن جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے
 جسے خاک پا تری چھو گئی، وہ برا بھی ہو، تو برا نہیں!
 مری طبیعت کو حسن فطرت سے ربط باطن نہ جانے کیا ہے
 مری نگاہیں کبھی نہ انھیں طہارت چشم تر سے پہلے
 غم انسانی زندگی کی بصیرت کی کلید ہے، اور غم محبت کا فیضان ہے۔ لہذا جگر کے نزدیک محبت ہی
 زندگی کا آدرش ہے، اور اسی مرکز پر انسانی سماج کی تشکیل ہونی چاہئے۔
 میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اسی لئے وہ ایک انسانی سماج کا تصور کرتے ہیں، جس میں افراد اور قومیں خود غرضی اور تعصب
 کے بجائے محبت، راست کرداری اور خلوص کو نظام حیات قرار دے سکیں۔ ان کے نزدیک اصلی علم و
 عرفان یہی ہے اور اگر تہذیب کے ساری ملمع اور علم و سائنس کی ساری ترقی کے باوجود انسان کی داخلی
 زندگی میں انقلاب نہ پیدا ہو سکا اور وہ خود غرضی، لالچ، تعصب اور تنگ دلی سے باہر نہ نکل سکا، تو ان

کے نزدیک انسانیت کی ترقی بے کار ہے۔
دل میں اگر نہیں، تو کہیں روشنی نہیں تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے مگر

کہاں سے بڑھ کے پہنچے ہیں، کہاں تک عمل و فن ساقی!

مگر آسودہ انساں کا نہ تن ساقی، نہ من ساقی

گھٹ گئے انساں، بڑھ گئے سائے جہل خرد نے دن یہ دکھائے

جگر کے نزدیک انسان کی راست کرداری اور جرات مندانہ خلوص اس کی سب سے اہم خصوصیات ہیں۔ اور اسی لئے جب انہیں اپنے وطن میں راست کرداری، جرات مندانہ خلوص اور وسعت نظری کی کمی نظر آتی ہے تو وہ مصلحت پرستی کے بغیر پورے خلوص اور کرب کے ساتھ اس پر تنقید کرتے ہیں۔ گاندھی جی کے بہت سے مرثیے لکھے گئے۔ مگر جگر کی چھوٹی سی نظم ان سب پر بھاری ہے، کیونکہ اس میں وہ گاندھی جی کے سیاسی کردار سے زیادہ ان کے خلوص، ان کے پیغام محبت اور راست کردار پر زور دیتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ جمہوریت کا صحیح معیار فرد ہے۔ جو تہذیب بہتر افراد کو جنم دے سکتی ہے، وہی معیاری تہذیب کہلانے کی مستحق ہے۔ جگر ان معنوں میں اپنے دور کے ہندوستان اور اپنے دور کی مہذب دنیا سے نا آسودہ ہیں۔ وہ انہیں مادی آسودگی اور ظاہری چمک دمک کے سامان دیتی ہے۔ مگر انسان کی باطنی آسودگی اس کی راست کرداری کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ انسان کی مادی ترقی اور اس کے زوال کا یہی تضاد ہے، جسے کردار کے بحران سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ دن بدن زیادہ آسائش پسند، زیادہ متمول اور زیادہ طاقتور ہوتا جا رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کی خود غرضی اور مصلحت پرستی، اس کی تنگ نظری اور تعصب بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ جگر اس عظیم نفسیاتی اور ذہنی بحران پر سخت تنقید کرتے ہیں۔

جگر اپنے دور سے مطمئن نہیں ہیں، مگر وہ مایوس بھی نہیں ہیں۔ جگر کی شاعری فرد کے لئے سوزِ یقیں کا پیغام دیتی ہے۔ وہ ماحول کی تاریکی سے تھک کر بیٹھ جانے والوں میں نہیں ہیں۔ خود اپنے سوزِ باطن سے غیر فانی شمع جلانے والوں میں سے ہیں۔

خود اپنے ہی سوزِ باطن سے، نکال اک شمع غیر فانی

چراغِ دیر و حرم تو اے دل، جلا کریں گے بجھا کریں گے

ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل

قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمر

قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا

ہم اپنی کیوں طرز فکر چھوڑیں، ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں
کہ انقلابات نو بہ نو تو ہوا کئے ہیں، ہوا کریں گے
اپنی اپنی وسعت فکر و یقین کی بات ہے
جس نے جو عالم بنا ڈالا، وہ اس کا ہو گیا

زیست بسر کی نہ سہاروں کی ساتھ جان فدا اس پہ کہ جس نے جگر
جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے یہ مصرعہ کاش! نقش ہر درد و دیوار ہو جائے
سکوں تلاش نہ کر، اے دل سکوں دشمن! ہر ایک لحظہ ہے در پیش کار زار حیات
پرائی آگ میں جلنا ہے کار مردانہ خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع، جلنے دو

جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے ہیں
دل خواباں میں چبھتا ہے انہیں کا بانگین ساقی!
ہم کو مٹا سکے، یہ زمانہ میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانہ سے ہم نہیں

یہاں جگر ایک ایسے شاعر کے روپ میں نظر آتے ہیں، جسے فرد کی طاقتوں پر بے پناہ اعتماد
ہے۔ جسے انسان کی عظمت اور اس کے باطنی متاع بے بہا کا احساس ہے۔

ہر چند کائنات دو عالم میں اے جگر
انساں ہی ایک چیز ہے، انساں مگر کہاں

اور ان کی شاعری یہاں ایک ایسی منزل پر پہنچ گئی ہے جہاں وہ ستائش نہیں بنتی، سوز یقین اور
جوش عمل کی پیغامبر بن جاتی ہے۔ اور غزل میں یہ آہنگ سمو لینا جگر کے علاوہ اس دور کے بہت کم
شعراء کے ہاں ملتا ہے۔

ان خیالات کے بارے میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ خیالات جگر کے ذاتی خلوص
سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں نہ تقلید کا رنگ ہے اور نہ کسی مخصوص کتب خیال یا پارٹی میں ہونے کی وجہ
سے ان کو اپنایا گیا ہے۔ ان پر جگر کی شخصیت کی چھاپ ہے۔ یہ جگر کی ذات کے ریشہ ریشہ کی پکار ہیں،
اور ان میں ان کا خلوص مصلحت کو شیوں، گروہ بندیوں اور کٹر نظریہ پرستیوں کو لاکر کر حقیقت کی نجی
دریافت کے درجہ تک پہنچتا ہے۔

کہنے کو اہل علم کی کوئی کمی نہیں
لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں؟

جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن بیٹھے ہم ہر بزم میں، لیکن

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان خیالات کو جگر نے جذبہ کی شکل میں ڈھال کر شعریت بخش دی ہے۔ شاعر کی حدود احساسات کے لطیف ترین ارتعاشات سے شروع ہوتی ہیں، اور خیال تک پہنچتی ہیں۔ عظیم شاعری محض احساسات کی شاعری نہیں ہوتی۔ وہ خیالات کو جذبہ کی قوت اور رنگینی بخش دیتی ہے، اور اسے شعریت کے پیکر میں ڈھال دیتی ہے۔ جگر ان گنے چنے شعراء میں سے ہیں، جنہوں نے جس خیال کو نظم کیا ہے اسے جذبہ کی رنگینی اور شعریت کا حسن بخش دیا ہے۔ ان کے ہاں خیال کی عظمت نہ سہی، مگر اس کا حسن اور اس کی صداقت ضرور ہے۔ ان کا مقام ہمارے عظیم ترین شعراء کی صنف میں نہ سہی، مگر کامیاب اور رنگین شعراء کی صف اول میں ضرور ہے۔

غالباً داغ جگر اور شعلہ طور کے کلام کے پیش نظر جگر کی غزل گوئی کے بارے میں یہ رائے عام طور پر ظاہر کی جاتی ہے کہ ان کی غزل گوئی اساتذہ کی کامیاب تقلید ہے۔ اس میں شراب و شباب کی پرکھ سر مستیاں ہیں اور اسے سماجی تنقید یا فکری تعمق سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن آتش گل کے دور کی شاعری کے بارے میں یہ رائے یقیناً نامناسب ہے۔ یہاں جگر کی قوت تغزل اس قدر پر تاثیر ہے کہ وہ خیال کے براہ راست اظہار کے باوجود شعریت اور تغزل کے انداز کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چند نظموں کی استثناء کے بعد جگر کی شاید ہی کسی غزل کو اس کیف سے خالی قرار دیا جاسکے گا۔

جگر کی ایک اور اہم خصوصیت ان کی شاعری کا سنگیت ہے۔ نیگور کے ایک ڈرامہ میں ایک کردار نے کہا تھا، ہمارے الفاظ بولتے نہیں، گاتے ہیں۔ جگر کے الفاظ بھی بولتے نہیں، گاتے ہیں۔ جگر کسی ذاتی اہتمام یا درد و بست کے بغیر شعر کی اندرونی موسیقی قائم رکھتے ہیں۔ لفظوں کے انتخاب، ان کے معنوں کے ربط، ان کی جھنکار اور صوتی تاثیر پر ان کی نظر اس قدر گہری ہے کہ گویا موزوں ترین الفاظ بلا کسی کاوش کے ان کے قلم سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ شعریت اور موسیقی جگر کی شخصیت کا جزو معلوم ہوتی ہے۔ ان کے اشعار میں وہ جھنکار ہے جس میں صنعت گری کا شائبہ معلوم نہیں ہوتا۔ انداز بیان کا وہ سادہ نگہواروپ ہے جو روح کو وجد میں لاتا ہے اور شاعری کو موسیقی کے کیف و مستی سے مالا مال کر دیتا ہے۔ جگر نے انداز بیان کے مختلف انداز اختیار کئے ہیں اور ہر جگہ ان کی ندرت ادا، والہانہ پن، بے ساختگی اور سادگی سے معمور شعریت سے بھرپور آہنگ ایک نیا عالم پیدا کر دیتا ہے۔

خرو حقیقت چالاک و چست و مست خرام
جنوں صداقت بے باک و مصلحت دشمن
ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہ سحر فن
جھکے اگر تو بت کدہ، اٹھے اگر تو بت شکن
کہاں کے لالہ و گل، کیا بہار تو بہ شکن

کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراثیموں کے چمن
 وہی زمیں، وہی زماں، وہی مکین، وہی مکاں
 مگر سرور یک دلی، مگر نشاط انجمن!
 کہاں پہلوئے خورشید جہاں تاب
 کہاں اک نازنین دوشیزہ شبنم
 زندگی فرش قدم بن کے بچھی جاتی ہے
 اے جنوں اور بھی اک لغزش مستانہ سہی
 اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں
 ترا ایماں نہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی
 زلف و مژہ کے سائے سائے راہ جنوں آسان ہوئی ہے
 بنتا جائے بگڑتا جائے کار زمانہ جتنا جتنا
 نہ آئے گی بہار اب کے برس کیا لہو آتا نہیں کھنچ کر مژہ تک
 یک لحظہ خوشی کا جب انجام نظر آیا
 شبنم کو ہنسی آئی، دل غنچوں کا بھر آیا
 شعر و نغمہ رنگ و نکبت، جام و صہبا ہو گیا
 زندگی سے حسن نکلا اور رسوا ہو گیا
 عشق ہے کار شیشہ و آہن عشق ہے پیارے، کھیل نہیں ہے
 غرض جگر غزل شاعرانہ وراثت کا ایک اہم سرمایہ ہے۔ جگر کی سرمستی، ان کا خلوص، ان کی
 جرات اور راست کرداری، ان کی شعریت اور تغزل کی توانائی، یہ سب ایسے جوہر ہیں، جن سے کیف و
 بصیرت حاصل کی جاتی رہے گی۔ علی سکندر اب اس دنیا میں نہیں، لیکن جگر مراد آبادی کی آواز ایک
 مدت تک سوز یقین اور نور بصیرت بخشی رہے گی۔
 جگر نے کہا تھا۔

جان کر منجملہ خاصان سے خانہ مجھے!
 مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

جگر مراد آبادی

(مالک رام)

آزادی سے قبل جس زمانے میں ہندوستان کی مرکزی حکومت کے دفتر شملے میں جایا کرتے تھے، یہاں کی ”بزم ادب“ ہر سال اچھے بڑے پیمانے پر ایک مشاعرے کا انتظام کیا کرتی تھی۔ اس بزم کے کرتا دھرتا بیشتر سرکاری ملازم تھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کے دماغ دفتری مسلوں کی خشکی اور پیوست سے ماؤف اور بیکار ہو جاتے، تو یہ اسے شعروخن کی رنگینی سے تازگی بخشنے کی کوشش کرتے تھے۔ ماشاء اللہ خود بزم کے اراکین میں شاعروں کی کمی نہیں تھی، لیکن مشاعرے کو موقر اور واقع بنانے کے لئے ہر سال باہر سے بھی دو چار نامی اور مشہور اساتذہ کو دعوت دی جاتی تھی۔ اتفاق سے ۱۹۳۶ء کے مشاعرے کے موقع پر میں شملے میں تھا۔ مشاعرہ ستمبر کے آخری اتوار کے دن ہوا تھا۔ اس سے پہلے دن سہ پہر کے وقت میں اور جلیل قدوائی اور بدر الدین صاحب لوئر بازار کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں چوڑا میدان میں ایک صاحب رکشا پر آتے ہوئے مل گئے۔ ہمیں دیکھ کر انہوں نے رکشا رکوائی اور بڑھ کے جلیل صاحب سے بڑے تپاک سے بغل گیر ہو گئے۔ جلیل نے میرا تعارف کرایا۔ معلوم ہوا کہ آپ جگر مراد آبادی ہیں اور خصوصی دعوت پر مشاعرے میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ شعلہ طور کے ساتھ محمد اویاما کی بنائی ہوئی جو تصویر (یہ تصویر اویاما مرحوم کا شاہکار ہے، بلکہ بہت حد تک ان کی عام شہرت اسی کی مرہون منت ہے۔ اس سے متعلق ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

ہمارے ایک دوست تھے، حمید عرفانی، انہیں بھی تصویر کشی سے بہت دلچسپی تھی۔ انہوں نے اویاما کی اس تصویر کی نقل تیار کی اور ایسی عمدہ کہ باید و شاید۔ اس پر انہوں نے خود جگر سے ان کا ایک فارسی شعر لکھوایا اور دستخط لئے۔ جب میں نے یہ تصویر ان کے وہاں دیکھی، تو میری نیت خراب ہو

گئی۔ اب مجھے ٹھیک سایا نہیں کہ انہوں نے میرا شوق دیکھ کے خود ہی اسے میرے حوالے کر دیا، یا میں نے ہی کچھ حیلہ بہانہ کر کے یہ ان سے ہتھیالی، بہر حال تصویر میرے قبضے میں آگئی۔ ۱۹۳۹ء میں اپنے کتاب خانے کے ساتھ میں اسے اپنے عزیز دوست ملک احمد حسن مرحوم (اڈیٹر دور جدید) کے پاس چھوڑ آیا۔ لطیفہ یہ ہوا کہ جب احمد حسن نے اسے دیکھا تو پوچھا، کیوں بھائی، واقعی یہ جگر صاحب کو ٹھیک تشبیہ ہے۔ میں نے کہا: واہ صاحب! یہ آپ نے کیا کہا! اصل تو یہ تصویر ہے، جگر صاحب تو اسے دیکھ کر بنائے گئے ہیں۔ یعنی یہ اصل ہے اور جگر صاحب نقل۔ پس یہ سوال تو ہو سکتا ہے کہ کیا جگر اس تصویر کے مطابق ہیں یا نہیں، لیکن آپ یہ نہیں پوچھ سکتے کہ یہ تصویر جگر کی ہے یا نہیں۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ افسوس، کہ میرے قیمتی کتاب خانے کے ساتھ یہ تصویر بھی لاہور کے ۱۹۵۳ء کے فسادات کی نذر ہو گئی۔

رہا کھکانہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہن کو

بعد کو میری ملاقات خود ادویا سے بھی ہوئی، بلکہ انہوں نے میری تصویر بھی بنائی تھی۔ تو خیر، ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ یہ آپ کا جاپانی نام ادویا کیونکر رکھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ میری ولادت ۱۹۰۵ء میں روس اور جاپان کی جنگ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں جاپان نے روس کو شکست دی تھی، میرے والد کو اس سے بڑی خوشی تھی کہ ایک ایشیائی مٹھی بھر کے ملک نے روس کے سے دیو زاد یورپی ملک کو شکست دی ہے۔ اس جنگ میں جاپانی بحری بیڑے کا امیر البحر اور یاما، نامی تھا۔ والد نے میرا نام اسی کے نام پر محمد ادویا رکھ دیا۔

چھپی ہے، بالکل وہی ناک نقشا؟ لیکن چونکہ اس میں محض خطوط ہیں اس لئے اس سے اصلیت پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ میانہ قد، خاصا سانولا رنگ، چھٹی ناک، چھوٹی چھوٹی نیم وا آنکھیں اور ان میں سرخی کی جھلک، ہونٹوں پر پان کا لاکھا جما ہوا، ترشی ہوئی کھجڑی ڈاڑھی جس میں چاول کم اور دال زیادہ تھی، سر پر لمبے لمبے بے ترتیب پٹے، جو ٹوپی سے باہر نکلے پڑتے تھے، گلے میں سیاہ رنگ کی شیردانی اور نیچے چوڑیدار چست پاجامہ، سر پر سلیٹی رنگ کی بالوں والی اونچی دیوار کی ٹوپی اور پاؤں میں سیاہ رنگ کا پمپ پہنے تھے۔ طبیعت میں حد درجہ بے چینی اور وحشت، حال آنکہ وہ صرف چند منٹ کے لئے رکے، لیکن اس دوران میں بھی انہوں نے جو باتیں کیں، کچھ عجیب، کھڑی اکھڑی سی..... یوں معلوم ہوتا تھا، گویا اپنے سائے سے بھڑک رہے ہوں۔ یہ تھے جگر صاحب!

اگلے دن مشاعرہ گاہ میں پہنچے۔ خدا بخشے منتظمین کو، ان کی خوش انتظامی کے صدقے، یہ دس کی جگہ گیارہ بجے شروع ہوا تھا۔ تاجور تھے، جن سے پہلے کی ملاقات تھی، حسرت موہانی اور روش صدیقی سے پہلی ملاقات یہیں ہوئی۔ حسرت سے میرا تعارف تاجور مرحوم اور جلیل نے کرایا، اور دونوں نے

مبالغے سے کام لیا۔ سائل صاحب دلی سے تشریف لائے تھے۔ مجھے ان کی خدمت میں پہلے سے نیاز حاصل تھا۔ انہوں نے بعض پرانی غزلیں سنائی تھیں۔ زبان کے پہلو سے واقعی ان کا جواب نہیں تھا۔ احسان دانش نے اپنی نظم ”مزدور کی عید“ سنائی تھی۔ حسب معمول انہوں نے پائدار آواز میں ترنم سے پڑھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس کے بعض مقامات ایسے دردناک تھے کہ بے اختیار میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ حسرت نے مشاعرے میں چار غزلیں سنائیں۔ ہر ایک میں غالباً چھ چھ سات سات شعر تھے اور سب تازہ کلام۔ یہ کاغذ کے چند پرزوں پر لکھی تھیں۔ مشاعرہ ختم ہونے پر یہ کاغذ انہوں نے مجھے دے دیئے۔ ان کے پڑھنے کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ ناک میں تو وہ بولتے ہی تھے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ گلے میں کسی خرابی کی وجہ سے آواز اتنی نیچی تھی کہ شاید ہی دور بیٹھے ہوئے کسی شخص کے پلے کچھ پڑا ہو۔ اور پھر انہوں نے شعر کا ہے کہ پڑھے، گھاس کاٹ کے رکھ دی، نظم اور نثر میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔ کوئی اور ہوتا، تو ہلڑ مچ جاتا اور بدتمیز بے فکرے اسے زبردستی بٹھا دیتے۔ لیکن ان کی بزرگی اور شاعرانہ عظمت کے سامنے کسی کو دم مانے کی جرات نہ ہوئی۔ سب ادب کے مارے خاموش بیٹھے رہے۔ ان کے پڑھنے کے وقت ایک لطیفہ بھی ہوا۔

پہلی ہی غزل تھی۔ انہوں نے مطلع پڑھا۔ اگلی صف میں بیٹھے ہوئے ایک بزرگ نے داد دی اور اسے پھر پڑھنے کی فرمائش کی۔ حسرت نے مطلع دوبارہ پڑھ دیا۔ حسن مطلع پڑھا، انہوں نے پھر داد دی اور مکرر پڑھنے کی درخواست کی۔ اب کے حسرت نے ناک کی پھنگی پر آئی ہوئی عینک کے اوپر سے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور شعر پھر پڑھ دیا۔ تیسرے شعر پر ان کے برابر بیٹھے ہوئے صاحب کی جو شامت آئی، انہوں نے یکبارگی ”واہ“ کہہ کے ہاتھ اٹھایا اور ”پھر ارشاد ہو“ کا نعرہ لگایا۔ اب حسرت کا پیاناہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور ”کوئیں ضرورت نہیں“ کہہ کے اگلا شعر پڑھ دیا۔ اس کے بعد کسی کو مکرر کہنے کی جرات نہیں ہوئی۔

جگر صاحب نے بعض پرانی غزلوں کے علاوہ ایک غیر مکمل تازہ غزل کے چند شعر سنائے تھے، جس کا یہ بے پناہ مطلع آج تک میرے حافظے میں محفوظ ہے:-

آ کہ تجھ بن اس طرح، اے دوست! گھبراتا ہوں میں

جیسے ہر شے میں، کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جگر کو پڑھتے سنا۔ انہوں نے بڑے والہانہ انداز میں ترنم سے کلام سنایا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجلس میں سماں بندھ گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں دو ہی ایسے شاعر دیکھے جنہیں سن کے بڑے بڑے ثقہ اور تقدس ماب ڈاڑھی بردار مولویوں تک کو وجد آ گیا۔ ایک حفیظ جالندھری اور دوسرے جگر مراد آبادی۔

میں ۱۹۳۶ء کے جاڑوں میں دلی آ گیا۔ یہاں میں نے ایک مختصر سا مکان قرول باغ میں اجمل خان روڈ پر لے لیا۔ جن لوگوں نے آج سے ۳۵-۴۰ برس پہلے کا قرول باغ نہیں دیکھا اور ان کی نظر میں صرف اس کی موجودہ چہل پہل اور گہنا گہی ہے، وہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس زمانے میں یہاں کیا خاک اڑتی تھی، بلا مبالغہ، اجمل خان روڈ، غالب کی ”سرحد اراک“ معلوم ہوتی تھی۔ اس سڑک پر بھی بس گنتی کے چند مکان تھے، اس کے ایک سرے پر جامعہ ملیہ کے دفتر اور اس کے عملے فعلے کے سکونتی مکان تھے اور دوسرے سرے پر طبیہ کالج کی عمارت۔ کوئی فرلانگ بھر کی دوری پر ”گندہ نالہ“ جو یوں سمجھئے کہ تہذیب و تمدن کی آخری سرحد تھی۔ اس کے اس پار خانہ بدوش رہگڑوں اور باز یگروں کے پھوس کے چھپر اور جھونپڑیاں تھیں، اور یہ واقع ہے کہ لوگ اکا دکا، رات کی تاریکی تو درکنار، دن کی روشنی میں بھی اس علاقے میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہاں دن دھاڑے مسافر لٹ جاتے، بلکہ بعض اوقات قتل تک کی واردات ہو جاتی تھی۔

تو خیر، چونکہ میں کسی ایسی ہی جگہ کی تلاش میں تھا ”جہاں کوئی نہ ہو“ اس لئے میں نے سوچا کہ اس سے بہتر اور کونسا مقام ہوگا، اور مکان اسی اجمل خان روڈ پر لے لیا۔

میں یہاں روزانہ صبح کے وقت ایک صاحب کو تیز تیز مکتبہ جامعہ کی طرف جاتے دیکھتا، گندی رنگ، متوسط قد، دوہرا جسم، گول آفتابی چہرہ، بڑی بڑی شرتی آنکھیں، اونچی چوڑی پیشانی، بھرواں سیاہ ڈاڑھی اور مونچھیں، نیچے علی گڑھ فیشن کا پاجامہ، گلے میں شیروانی اور سر پر گاندھی ٹوپی۔ وہ جب بھی ملے، منہ میں گلوری اور بغل میں پاندان دبائے ہوئے۔ کئی مرتبہ جی میں آئی کہ آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں، ان سے راہ و رسم پیدا کرنا چاہئے۔ یوں بھی پڑوس کا معاملہ ہے، آخر بالکل الگ تھلگ رہ کے تو زندگی کے دن کٹنے سے رہے۔ لیکن میری فطری کم آمیزی ہمیشہ مانع آئی۔ جرات پڑی کہ خود اپنا تعارف کرا دوں۔ آخر، خدا معلوم کیسے، خود انہیں خیال آیا۔ ایک دن آئے سامنے آتے ہوئے ہماری مڈ بھیڑ ہو گئی۔ رک گئے، علیک سلیک ہوئی، پوچھا، آپ یہاں نئے آئے ہیں، کوئی تکلیف تو نہیں۔ معلوم ہوا ان کا نام ہے محمود علی خان (جامعی) تھے، جنہوں نے ہمارے ہاں سو شعروں کی جدت یا بدعت شروع کی۔ میرے سوشلر، غالب کے سوشلر، مومن کے سوشلر..... غرض اس طرح انہوں نے نئے پرانے شاعروں کے کوئی دس پندرہ کتابچے شائع کئے تھے۔ اس کے بعد یار لوگ اسے لے اڑے۔ جس نے دیکھا کہ پورا دیوان چھپنا مشکل ہے، کون اسے چھاپے گا اور کون پڑھے گا، اس نے اپنا تعارف کرانے کے لئے یہ کم خرچ بالا نشین نسخہ استعمال کیا اور اپنے سو شعر چھپوا کے دوستوں میں تقسیم کر دیئے، تاکہ سندرہیں۔ یوں چھپنے کی ہوس بھی پوری ہو گئی اور سستے بھی چھوٹے۔ چنانچہ باز کے سوشلر، گلہری کے سوشلر اور نہ جانے کس کس کے سوشلر چھپ چکے

ہیں۔ لیکن محمود صاحب نے اس کے علاوہ متعدد انگریزی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ چونکہ انہیں انگریزی اور اردو دونوں پر پوری قدرت حاصل تھی اور آدمی ٹھہرنے بے حد سختی، اس لئے وہ ترجمے میں ہمیشہ کامیاب رہے۔

غرض اس کے بعد ان سے تعلقات بہت گہرے اور مخلصانہ ہو گئے۔

ایک دن شام کے وقت ان کا آدمی آیا کہ ”خان صاحب“ بلاتے ہیں۔ میں پہنچا، تو دیکھا کہ جگر صاحب تشریف فرما ہیں۔ محمود صاحب کو معلوم نہیں تھا کہ میں ان سے شملے میں مل چکا ہوں۔ جگر صاحب اور محمود صاحب کے بہت پرانے مراسم تھے، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر محمود اور جلیل قدوائی نہ ہوتے تو غالباً ان کا کلام کبھی شائع ہی نہیں ہو سکتا تھا اور اگر ہوتا بھی، تو کم از کم اس کی یہ ضخامت نہ ہوتی۔ جگر جس طرح کے لالہ بالی اور بے پروا شخص تھے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ انہوں نے کبھی باقاعدگی سے اپنا کلام، ایک جگہ جمع نہیں کیا۔ وہ تو خوش قسمتی سے ان دونوں صاحبوں نے شروع سے حفاظت کا اہتمام کیا، ورنہ خدا معلوم کس قدر ضائع ہو گیا ہوتا۔ چنانچہ جیسا کہ شعلہ طور کے دیباچے میں جگر نے اعتراف کیا ہے، انہی دونوں کی بیاضوں سے یہ دیوان مرتب ہوا تھا۔

جگر صاحب یہاں کوئی دس بارہ دن رہے اور اس کے بعد اگلے برس کے دوران میں بھی جب میرا قیام قرول باغ ہی میں تھا، اکثر یہاں آتے رہے۔ ان ایام میں مجھے اچھی طرح قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور رفتہ رفتہ ہمارے آپس کے تعلقات بہت دوستانہ اور عزیزانہ ہو گئے۔

وہ اس زمانے میں پیتے تھے اور بے حساب! اور ستم بالائے ستم کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ جوش بھی پیتے تھے، لیکن ان کا یہ اصول ہے، جس سے انہوں نے کبھی انحراف نہیں کیا کہ وہ دن میں ہر گز نہیں پیئیں گے۔ صرف مغرب کے وقت، وہ بھی دو تین جام۔ اگر کبھی خاص دوست احباب کا مجمع ہوا، تو ایک آدھ زیادہ سہی۔ اختر شیرانی اور مجاز نے بھی کبھی کسی کی پروا نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبل از وقت چل بے۔ جگر کا بھی یہی حال تھا۔ ایک تو جب مل گئی، اور دوسرے جتنی چاہا پی لی۔ پھر اس کا بھی خیال نہیں کہ کس قسم کی ہے۔ اچھی یا بری، بس شراب ہو۔ وہ تو خدا نے اپنے فضل و کرم سے انہیں توبہ کی توفیق دے دی کہ انہوں نے اسے ترک کر دیا، ورنہ جو حشر ان کا ہوا ہوتا، ظاہر ہے۔ تاہم آخر عمر میں ان کی صحت جو اتنی خراب رہتی تھی، تو اس کی اصل وجہ یہی اوائل عمر کی نامراد شراب نوشی اور دوسری بداعتدالیاں تھیں۔

ایک دن سر شام پینے بیٹھے اور تھوڑی تھوڑی مقدار میں نصف بوتل کے قریب پی گئے۔ آدمی رات کے بعد کہنے لگے، چلو! جوش کے ہاں چلیں (جو ہیں قرولی باغ میں تھوڑے فاصلے پر رہتے تھے) ہم نے بہت کہا کہ وہ سوچکے ہوں گے، اب اس وقت اتنی رات گئے انہیں دق کرنا ٹھیک نہیں ہو

گا۔ لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ ہمارے کہنے پر بگڑ گئے۔ آخر سب نے عافیت اسی میں دیکھی کہ جس طرح یہ کہتے ہیں، اسی طرح کیا جائے۔ چنانچہ آگے آگے جگر اور انہیں سہارا دینے کو محمود صاحب اور ان کے پیچھے ہم چھ سات آدمی، جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے۔ سردیوں کی ڈھلتی رات اور اس زمانے کا قریب باغ، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسا ہوکا عالم ہوگا۔ وہ تو خیر گزری کہ پولیس کا سپاہی راستے میں نہیں مل گیا، ورنہ یقیناً وہ خیال کرتا کہ یہ مشنڈے شراب پی کر کہیں واردات کو جا رہے ہیں، یا کم از کم آوارہ گرد ضروری ہیں اور ہمیں جوش کے مکان کے بجائے تھانے پہنچا دیتا۔ اب ایک لطیفہ ہوا۔ جگر صاحب چند قدم چلیں، اور سڑک کے پیچوں بیچ کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع کر دیں۔ اس پر کتوں اور سوروں نے (جن کے اس زمانے میں یہاں بڑی کثرت تھی) ادھر ادھر سے نکل کر بھونکنے اور چیخنا اور بھاگنا شروع کر دیا۔ اس پر ہم سب بلطائف اٹھل انہیں آگے چلنے کی ترغیب دیتے۔ قصہ کوتاہ، خدا خدا کر کے وہ تین چار سو گز کا فاصلہ کوئی آدھ پون گھنٹے میں طے ہوا اور ہم لدے پھندے جوش کے مکان کے بیرونی برآمدے میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچتے ہی جگر نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ہڑ بڑا کے آواز آئی: ”کون؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”جگر۔“ ”کون؟“ ارے، ایک مرتبہ جو کہا ہے، جگر، دروازہ کھولو۔“ ”بھائی ہم سو رہے ہیں، صبح کے وقت آنا۔“ ”سو رہے ہیں! آئے بڑے سونے والے۔ ارے ہم، ہم یہاں سردی میں باہر کھڑے ہیں اور تم سوئے پڑے ہو۔ جلد دروازہ کھولو۔ یہ محمود بھی ہمارے ساتھ ہے۔“ اس پر جوش غریب طوعاً و کرہاً اٹھے اور انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے اگلے دن مجھ سے کہا کہ میں دروازہ یوں تھوڑی کھولنے والا تھا۔ لیکن جب جگر نے محمود کا نام لیا، تو میں نے خیال کیا کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے، ورنہ محمود یوں رات کے وقت قطعاً نہ آتے۔ یہ اس لئے کہ محمود صاحب پیتے نہیں تھے اور جوش صاحب کو معلوم تھا کہ وہ سنجیدہ آدمی ہیں۔

دروازے کا کھلنا تھا کہ جگر صاحب لپک کے کمرے میں داخل ہوئے اور اوپر کی گرم چادر پھینک، شراب سے جوش کے لحاف میں گھس گئے، جیسے وہ گھر سے اسی کی تلاش میں یہاں تک آئے ہوں۔ اور کہنے لگے: ”محمود، اب کافی دیر ہو چکی ہے۔ میں یہیں سوؤں گا۔ آپ تشریف لے جائیں۔ میں صبح کے وقت ناشتے کے بعد آ جاؤں گا۔ اچھا، خدا حافظ۔“ جوش بیچارے حیران پریشان کہ یہ بلائے بے درماں کہاں سے نازل ہو گئی! وہ کہتے ہی رہے۔ ”نہیں، جگر صاحب! آپ جائیے محمود صاحب کے ساتھ۔“ لیکن توبہ ہے، یہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ادھر ہم سب کے ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ آخر ہم نے دونوں دوستوں کو آپس میں راز و نیاز کرنے کے لئے شب بخیر کہا اور واپس چلے آئے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ جگر نشے کی حالت میں بالکل حواس کھو بیٹھے ہوں۔ یہی

بہکی باتیں ضرور کرنے لگتے تھے۔ ابھی ایک موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں کہ یک لخت اس سے گریز کر کے کسی دوسرے مضمون پر بات چیت کرنے لگیں گے، حال آنکہ دونوں میں آپس میں قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ سننے والا ہکا بکا ان کے منہ کی طرف دیکھ رہا ہے کہ یا الہی، یہ کیا! ابھی دو منٹ پہلے تو یہ غزل کی حمایت میں دلائل بیان کر رہے تھے اور اب عینک کے تالوں کی پہچان اور ان کی مختلف قسموں پر تقریر فرمانے لگے ہیں، لیکن ان کی بلا سے، بات اصل یہ ہے کہ ان کا دماغ بیک وقت مختلف موضوعات کی جولانگہ بنا رہتا تھا۔ اب اس دنگل میں کسی خاص وقت جس موضوع کا غلبہ ہو گیا، زبان پر اس کی بات آ گئی۔ لیکن وہ ذہنی کشمکش برابر جاری رہتی۔ پھر اگر پہلے موضوع کی بات چیت کے دوران میں، کسی دوسرے مضمون کا پلا بھاری ہو گیا، تو چت ہو جائے گا اور وہ بے اختیار اسے چھوڑ کر دوسرے سے متعلق باتیں کرنے لگتے۔ سامع کو اس سے حیرت ہو، تو ہوا کرے، ان کے لئے یہ بالکل قدرتی اور معمولی اسلوب گفتگو تھا۔ اور یہ بات سرخوشی کے عالم ہی سے مخصوص نہیں تھی، وہ ہوش کے وقت بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

بہر حال وہی تباہی بکنا یا گالی دینا کبھی ان کا شعار نہیں رہا۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں ان کا مزاج دینی تھا۔ اصغر گوٹادی مرحوم سے انہیں خاص عقیدت رہی۔ بلکہ وہ ان کے ہم زلف بھی تھے۔ اصغر جس پائے کے انسان تھے، ان کا ہر ایک ملنے والا اس کا معترف ہے۔ اصغر کی طرح جگر بھی حضرت شاہ عبدالغنی منگھوری سے بیعت تھے۔ یہی سبب ہے کہ لاکھ بے عملی بلکہ بد عملی کے باوجود، اسی طور پر ان کی روح کبھی ان آلائشوں سے ملوث نہیں ہونے پائی۔ انہوں نے فسق و فجور میں بھی لذت محسوس نہیں کی۔ جو کچھ سرزد ہوا، اضطرابی طور پر۔ وہ ہوش کی حالت میں ہمیشہ پشیمان ہوتے اور ندامت محسوس کرتے اور اس سے باز رہنے کے منصوبے باندھتے۔ لیکن چونکہ کثرت شراب نوشی سے قوت ارادی حد درجہ کمزور ہو چکی تھی، اس لئے اس عزم میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اس میں بہت حد تک قصور ان لوگوں کا بھی ہے، جو ان کے ارد گرد رہا کرتے تھے۔ یہ اصحاب اپنے آپ کو ان کا بڑا دوست اور خیر خواہ کہتے تھے، وہ دراصل ان کے دشمن تھے۔ جگر صاحب کہیں جاتے، تو یہ حواری خود صاحب خانہ سے فرمائش کر کے بوتل منگوا لیتے، اور جام بھر کے جگر صاحب کے آگے رکھ دیتے۔ اب وہ بیچارے کیا کرتے! اگر کسی شخص کی اصلاح منظور ہو، تو سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اسے آزمائش میں نہ ڈالا جائے، تاکہ بتدریج اس کی قوت ارادی عود کر آئے اور رفتہ رفتہ اتنی مضبوط ہو جائے کہ وہ خود آزمائش کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن اگر آپ قدم قدم پر اس کا امتحان کرنے لگیں، اس کے چاروں طرف اس کی لغزش کے ساز و سامان جمع کر دیں اور پھر اس سے کہیں کہ ہم چاہتے ہیں، آپ اس بری علت سے نجات حاصل کر لیں، تو یہ خیال خام ہے:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازی گوئی کہ دامن ترمن، ہشیار باش!

اگر اس غریب میں ان آلودگیوں سے دامن جھٹک کر الگ ہو جانے کی قوت ہوتی، تو وہ ان
حالوں پہنچتا ہی کیوں!

ان کی قوت ارادی کے فقدان پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ جس طرح وہ اپنے آپ کوئی فیصلہ نہیں کر
سکتے تھے، اسی طرح کسی کی دل شکنی بھی ان سے محال تھی۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ ایک دن خاصی رات
گئے ان کی ڈاڑھ میں سخت درد ہونے لگا۔ اس وقت جو چھوٹا موٹا گھریلو علاج ممکن تھا، کیا گیا، لیکن اس
سے کوئی افادہ نہیں ہوا۔ رات انہوں نے بہت بے چینی سے کاٹی۔ اگلی صبح ان کی جو شامت آئے، مختصر
ساناشتہ کر کے اکیلے طبیہ کالج چلے گئے کہ وہاں کسی حکیم صاحب سے دکھا کے دوا لے آئیں۔ وہاں جو
پہنچے، تو لڑکوں نے پہچان لیا۔ اب کیا تھا، وہ انہیں گھیر گھار کے کالج کے ہال میں لے گئے اور دو گھنٹے
تک ان سے کلام سنتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علاج تو خیر کیا ہوتا، جب یہ وہاں سے لوٹے ہیں تو ان کی
مظلوم صورت دیکھنے کے قابل تھی۔ نہ صرف دانت کا درد بدستور موجود تھا، بلکہ اس پر درد سر کا اضافہ ہو
چکا تھا۔ گئے تھے روزے بخشوانے، نماز گلے پڑی۔ میں نے پوچھا کہ آخر آپ نے یہ کیوں کیا، انکار
کر دیا ہوتا۔ تو رونی صورت بنا کے کہنے لگے، بھائی، میں کیا کرتا، وہ طالب علم اتنی محبت سے اصرار کر
رہے تھے، کہ مجھ میں انکار کی ہمت نہ رہی۔

بات سے بات یاد آتی ہے۔

جگر صاحب کے ساتھ زندگی بھر ہمیشہ کوئی نہ کوئی شخص رہا۔ سفر ہو یا حضر، انہیں کسی بھروسے کے
آدمی کی ضرورت ہوتی، جو ان کے روزمرہ کے معاملات کی نگرانی کر سکے، ان کی ضروریات کا خیال
رکھے، روپے پیسے کا حساب رکھے۔ اس کی وجہ یہ کہ ان کے مزاج میں سکون اور اطمینان نہیں تھا، بات
جلد بھول جاتے، انتظامی صلاحیت شروع میں شاید کچھ رہی ہو، بعد کو وہ بھی مفقود ہو گئی۔ اس لئے اگر
دیکھ بھال کے لئے کوئی چوکس آدمی ان کے ساتھ نہ رہتا تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ اب اگر یہ آدمی مخلص
اور درد مند اور بے غرض دوست ہوا، تو اس سے انہیں بے حد آرام ملتا، اور کوئی نقصان بھی نہ ہوتا۔ لیکن
بعض اوقات آدمی کے انتخاب میں غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کا حادثہ ایک مرتبہ پیش آیا۔ یہ
صاحب مستعد تو بہت تھے، لیکن تھے چور۔ آج یہ چیز غائب کر دی، کل وہ۔ جگر کے دوستوں نے انہیں
بہت متنبہ کیا کہ وہ آدمی اعتماد کے قابل نہیں، لیکن انہوں نے کسی کی بات پر کان نہ دھرا۔ آخر نوبت
یہاں تک پہنچی کہ اور تو اور، جگر صاحب کو بھی ان کی کارگزاریوں کا یقین آ گیا۔ کوئی اور ہوتا، تو اس کے
بعد انہیں ایک لمحہ بھی اپنے ساتھ رکھنا گوارا نہ کرتا۔ لیکن اس کے باوجود کہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ

کس قماش کے بزرگ ہیں، وہ ان سے معذرت کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔ ایک دن جگر غسل خانے جانے والے تھے۔ چاہتے تھے کہ کلائی کی گھڑی اتار کر باہر بیٹھنے کے کمرے میں رکھ جائیں۔ لیکن وہ ذات شریف موجود تھے۔ جگر کو پورا یقین تھا کہ گھڑی ان کی غیر حاضری میں غائب ہو جائے گی۔ اب یہ تذبذب میں کہ کریں، تو کیا! گھڑی کو غسل خانے کے اندر لے جائیں سکتے اور باہر چھوڑ جانے میں جو خطرہ ہے، وہ سامنے موجود ہے۔ آخر جب مزید انتظار کرنا ناممکن ہو گیا، تو جھنجلا کے گھڑی ان صاحب کے ہاتھ دے کر کہا، اچھا، تو یہ بھی آپ لے لیجئے، اور خود غسل خانے میں داخل ہو گئے۔

میں سمجھتا ہوں، اگر پیٹ پالنے کی مجبوری نہ ہوتی یا بعض دوسرے ذمے داریاں ان کے سر پر نہ ہوتیں، تو وہ کبھی کوئی کام نہ کرتے۔ ان کی ہستی کا خیر جن اجزاء سے اٹھایا گیا تھا، ان میں کاہلی اور سستی کچھ ضرورت سے زیادہ مقدار میں پڑ گئی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا، کہ جہاں تک شعر کا تعلق ہے، وہ واقعی روح القدس کے شاگرد تھے، لیکن جہاں دنیا کا کوئی معاملہ آیا، وہ بالکل کودن تھے۔ وہ ہفتوں اور مہینوں کبھی تنکا اٹھا کے نہیں توڑتے تھے۔ اس پر ایک بات یاد آگئی۔

۱۹۳۲ء میں جگر صاحب بھوپال گئے۔ محمود صاحب ان دنوں وہیں ٹیکسٹائل کمشنر کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ گرمی اور برسات کے کوئی چھ مہینے ان کے پاس ٹھہرے۔ شہر کے اکثر صاحب ذوق حضرات روزانہ شام کو اپنے اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر محمود کے مکان پر جمع ہوتے اور جگر صاحب کی صحبت کا لطف اٹھاتے۔ ادبی گپ اور لطیفہ بازی ہوتی، شعر و شاعری کا دور چلتا اور بالعموم یہ پر لطف اجتماع رات کے نو بجے سے لے کر صبح کے دو دو تین تین بجے تک رہتے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دو ایک دن کی بات تو تھی نہیں، روزانہ پانچ پانچ چھ گھنٹے تک تمام آداب و مکلفات کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے رہنا، ہفتوں سے کم نہیں تھا، بالخصوص جب کہ ان میں بعض اصحاب اچھے خاصے سن رسیدہ تھے۔ کسی بے فکرے کو سوچھی کہ ایک ایسی انجمن بنائی جائے، جس میں ادب آداب کے سب قیود اٹھا دیئے جائیں، تاکہ سب احباب آزادی اور بے تکلفی سے اپنا وقت گزار سکیں۔ سب نے اس تجویز پر صاد کیا۔

انجمن کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ آج کل دنیا میں جتنی بے چینی ہے، اس کی علت غائی سرعت رفتار ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ پرانے زمانے میں لوگ بالعموم پیدل جاتے آتے تھے، تو سب طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ شروع میں سواری کا رواج صرف معذوروں اور بیماروں کے لئے تھا۔ اس کے بعد ان چیزوں کا غلط استعمال ہونے لگا۔ اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ان غریبوں کو تو کوئی پوچھتا تک نہیں اور ہر طرح سے چاق چوبند اور ہٹے کٹے لوگ گاڑیوں اور موٹروں اور ہوائی جہازوں میں اڑے پھرتے ہیں۔ اس برق رفتاری نے دنیا میں جنگ و جدال اور ہلاکت و تباہی

آسان کر دی ہے، کیونکہ جب یہ سرایع سامان نقل و حرکت معرض وجود میں نہیں آئے تھے، جنگ شاذ و نادر ہی ہوتی تھی، اور اگر کار قضا کہیں ہو بھی گئی تو اس کی تباہ کاری کا میدان بہت محدود رہتا تھا۔ چونکہ فوج، سامان جنگ، اسلحہ، رسد وغیرہ کی حمل و نقل میں بڑی دشواریاں تھیں، اس لئے اگر ملکوں میں آپ میں کوئی اختلاف پیدا بھی ہو جاتا، تو وہ ان مشکلات کے پیش نظر حتی الوسع بات بڑھانے سے اجتناب کرتے اور ایک دوسرے سے مصالحتانہ گفتگو کر کے فیصلہ کر لیتے تھے۔ جنگ صرف اس وقت ہوتی، جب اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا۔ پھر چونکہ مسافت طے کرنے میں لامحالہ کافی وقت لگتا تھا، اس لئے حملہ آور فوج کے منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے دوسرا ملک بھی کم و بیش تیار ہو جاتا۔ یوں فریقین کی طاقت یکساں ہو جانے سے کسی ملک کو خاص نقصان نہ رہتا اور صلح صفائی پر خاتمہ ہو جاتا۔

لیکن اب کیا ہے؟ فاصلے کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہی۔ صبح کا ناشتہ دلی میں کیا، تو ہوائی جہاز میں بیٹھ کے دوپہر کا کھانا قاہرہ میں، اور رات کا لندن میں کھاؤ۔ اسی طرح لڑائی بھی آسان ہو گئی ہے۔ ابھی الٹی میٹم دیا اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد غنیم کے ملک پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس سے بڑی تباہی آتی ہے۔ شہر اور بستیاں پل بھر میں ویران ہو جاتی ہیں۔ بیگناہ اور ناکردہ کار لوگ گونا گوں مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ سارا عذاب ہم پر اس سرعت رفتار کی بدولت نازل ہوا ہے۔ جب تک دنیا کا ہلی جیسی نعمت خداوندی کی قدر کرتی رہی، سب کی زندگی عیش و عشرت اور آرام و آسائش سے معمور تھی۔ جب لوگوں نے کفران نعمت کیا، تو بے چینی اور پریشانی کا شکار ہو گئے۔ اب بنی نوع انسان کو کامل ہلاکت سے بچانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اسے کابلی جیسی نعمت الہی کی طرف واپس بلایا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امن پسند لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ سکون اور کابلی کی تبلیغ کریں تاکہ مخلوق خدا سرعت رفتار کے ہاتھوں لائی ہوئی مصیبت سے نجات پاسکے۔

جب اس اصول پر سب کا اتفاق ہو گیا، تو چند ”امن پسند باشندگان بھوپال“ نے یہ اقدام کیا کہ ایک ”انجمن الکھلاء“ (فعلاء کے وزن پر کابل کی جمع کہلاء) کی بنیاد رکھی اور باقی دنیا کے امن پسندوں کو دعوت دی کہ وہ بھی ہر جگہ اسی طرح کی انجمنیں قائم کر کے اس مقصد اعلیٰ کے حصول میں تعاون کریں۔ بھوپال کی صدر انجمن کا دفتر (دارالکھلاء) محمود صاحب کے سکونتی مکان کا وہی کمرہ قرار پایا، جہاں جگر مقیم تھے۔ فرش پر پوال کی خاصی موٹی تہ اور اس پر ایک دبیز گدا ڈال دیا گیا تھا، جس پر سفید براق چاندنی بچھی رہتی تھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انجمن میں داخلہ آسان تھا اور ہما شام سب اس کے رکن بن گئے تھے، بلکہ اگر کوئی شخص رکنیت کی درخواست کرتا، تو انجمن کے ”عظیم الشان مقاصد“ پر ایمان اور ان کے مطابق عمل کرنے کی خواہش اور قابلیت معلوم کرنے کے لئے اس کی کابلی کا امتحان لیا جاتا۔ اگر وہ اس

امتحان میں پورا اترتا، تو اسے بطور رکن قبول کر لیا جاتا۔ داخلے کی فیس ایک تکیہ تھی۔ جس دن کوئی شخص رکن مقرر ہو جاتا، وہ گھر سے ایک تکیہ لے کر آتا اور اسے ”دارالکھلاء“ میں ڈال دیتا۔

انجمن کے صرف چار عہدیدار تھے۔ جناب جگر، صدر، یہ ”صدرالکھلاء“ تھے۔ نائب صدر حسرت لکھنوی تھے۔ انہیں ”نائب الکھلاء“ کہتے تھے۔ ان حضرات کو صدر اور نائب صدر اس لئے نہیں چنا گیا تھا کہ وہ بہت اچھے شاعر تھے، بلکہ انہوں نے اپنی غیر معمولی ”کاہلانہ“ صلاحیتوں سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اس اعزاز کے بجا طور پر مستحق ہیں اور اس عہدے کی کڑی ذمہ داریاں سرانجام دینے کے پوری طرح اہل ہیں۔ تیسرا عہدہ ”ناظم الکھلاء“ میں ہر طرح کا انتظام کریں، اجلاس کے لئے مطلوبہ اشیاء فراہم کریں، روزانہ کاروائی کا پروگرام بنائیں وغیرہ۔ چوتھے ”نقیب الکھلاء“ کہلائے جنہیں آپ سارجنٹ ایٹ آرمز (Seargent At Arms) کہہ سکتے ہیں۔ اس عہدے پر جناب غلام حسنین عزم بناری فائز تھے۔ ان کا فرض تھا کہ یہ صدر انجمن کے مختلف احکام بلند آواز سے حاضرین تک پہنچایا کریں۔ چونکہ وہ بڑے لمبے تڑنگے اور بلند آواز تھے، اس لئے یہ عہدہ جلیلہ ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ ان عہدہ داروں کے علاوہ اکتیس ارکان تھے، جن میں بھوپال کے بعض مشہور اور معزز اصحاب وقت شامل تھے۔ مثلاً میاں محمد مہدی نائب مہتمم تاریخ، سید علی اکبر کاظمی سپرنٹنڈنٹ صحت عامہ و تعلیمات، جناب احمد اللہ خان شاکی سپرنٹنڈنٹ مجلس وضع قوانین، استاد محمد کریم ذکی بھوپالی، فکری بھوپالی، سروش بھوپالی، محمد عبدالباسط بھوپالی، محمد اصغر شعری بھوپالی وغیرہ۔ ایک اور بات کہ ہر ایک رکن کو اس کی کسی ذاتی خصوصیت کی بنا پر خاص خطاب سے سرفراز کیا گیا اور اجلاس میں وہ اسی نام سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ مثلاً محمد مہدی صاحب اپنی بزرگی اور مشفقانہ رویے کی وجہ سے ”ام الکھلاء“ کہلاتے تھے۔ محمد شریف خان فکری کی چونکہ چھوٹی سی مگر نمایاں توند تھی، اس لئے انہیں ”قبتہ الکھلاء“ کا خطاب دیا گیا۔ شاکر علی خان چونکہ دراز قد تھے، اس لئے ”طویل الکھلاء“ کہلائے۔ ایک صاحب کا ناک نقشا خوبصورت اور رنگ بھی سانولا سلونا تھا، یہ ”بلخ الکھلاء“ تھے اور ان کے مقابلے میں ایک دوسرے صاحب اپنے سفید شلجمی رنگ کی وجہ سے ”صحیح الکھلاء“۔ محمد اشرف (ایڈیٹر نئی روشنی، کراچی) چائے میں شکر بہت پیتے تھے، بلکہ داؤ لگے، تو دوسروں کی آنکھ بچا کر ایک آدھ چمچہ یوں بھی منہ میں ڈال لیتے تھے، اس لئے انہیں ”قند الکھلاء“ کا خطاب عطا ہوا۔ پھر چونکہ پورا خطاب زبان سے ادا کرنا بھی کاہلی کے خلاف سمجھا گیا، اس لئے تخفیف کر کے یہ حضرات محض ”صدرل“ ”قتل“ وغیرہ ہو کے رہ گئے۔

انجمن کے اجلاس شام کے نو بجے سے صبح کے تین بجے تک ہوتے تھے۔ ”اجلاس“ اس حالت کا نام تھا کہ اراکین عظام اپنے اپنے تکیے پر سر رکھے خاموش لیٹے ہیں۔ کاہلی کے معنی خواب غفلت کے

نہیں تھے، اس لئے اجلاس کے دوران میں سونا ممنوع تھا۔ اگر اجلاس ہو رہا ہو، تو رکن لیٹ سکتا تھا یا پھر کھڑا ہو سکتا تھا، بیٹھنا سخت ترین جرم تھا، کیونکہ یہ فعل کاہلی کے سراسر منافی تھا۔ اگر کوئی صاحب اس جرم کے مرتکب ہوتے، تو انہیں یہ سزا دی جاتی کہ وہ تمام دوسرے اراکین کی خدمت بجالائیں۔ مثلاً پانی پلانا، پان کھلانا، اگالہ ان اٹھا کر دینا، چلم بھرنا وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کوئی ”کاہل“ اجلاس کے دوران میں ”دارالکھلاء“ میں تشریف لاتے، تو چونکہ بیٹھنا ممنوع تھا اس لئے وہ کھڑے کھڑے جسم تولتے اور دھڑ سے اپنے تئیں پر گر پڑتے۔

روزانہ کاہلی کے عجیب و غریب واقعات پیش آتے تھے۔ ایک دن ”ام الکھلاء“ لینے حقہ پی رہے تھے۔ کسی ”کاہل“ کا ہاتھ جو لگا تو چلم ان کے اوپر الٹ گئی۔ لیکن مجال ہے، جو انہوں نے کسی تشویش کا اظہار کیا ہو۔ بس ایک کروٹ لی، انگارے ان کی چھاتی پر سے نیچے گر گئے اور وہ اسی طرح اطمینان سے لینے رہے۔ لیکن جب ”صدرل“ نے دیکھا کہ اس طرح فرش میں آگ لگ جانے کا خطرہ ہے، تو انہوں نے اجلاس ملتوی کر دیا۔ اس پر لوگ اٹھ دوڑے اور انگارے اٹھا کے بجھادئے گئے۔

اجلاس میں وہ سب کچھ ہو سکتا تھا، جو تفریح کی ذیل میں آتا، بشرطیکہ اس سے کاہلی کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ اور شعر و شاعری تو روزانہ ہوتی تھی۔ چونکہ لینے لینے شعر پڑھنا اور داد دینا مشکل تھا، اس لئے جب شعر کی ترنگ اٹھتی، تو کوئی رکن یہ تجویز پیش کر دیتا کہ اب تھوڑی دیر کے لئے شعر و شاعری کا دور ہو جائے، تو ”صدرل“ اجلاس ملتوی کر دیتے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اب لوگ اٹھ کے بیٹھ سکتے ہیں۔ ماشاء اللہ سب اراکین نھو یا کم از کم خن خن تو تھے ہی، ایک دوسرے سے مقابلے کے جوش میں طبیعت پر خوب زور دے کر شعر کہتے۔ ہر ایک شخص روزانہ اپنا تازہ کلام پیش کرتا۔ یہ فضا جگر صاحب کی شاعرانہ صلاحیتوں کے چمکانے بلکہ ابھارنے میں بھی بہت مفید ثابت ہوئی۔ ان کی بعض مشہور اور بلند پایہ غزلیں اسی ”دارالکھلاء“ کے دور میں کہی گئی تھیں۔ مثلاً حسب ذیل غزلیں اسی زمانے کی یادگار ہیں۔

۱۔ جواب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا۔

۲۔ نظیر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا۔

۳۔ ہجوم تجلی سے معمور ہو کر۔

۴۔ عشق میں لا جواب ہیں ہم لوگ

۵۔ حسن معنی کی قسم، جلوہ صورت کی قسم!

۶۔ دل حریف حال بے حالی نہیں۔

۷۔ غم عاشقی کا صلا چاہتا ہوں۔

۸۔ محبت میں یہ کیا ستم دیکھتے ہیں!

۹۔ جب تک شباب عشق مکمل شباب ہے۔

۱۰۔ سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے۔

۱۱۔ بڑپ کر دل انہیں تڑپا رہا ہے۔

۱۲۔ دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے وغیرہ

بھوپال میں برسات کے موسم میں بارش بہت شدید ہوتی ہے۔ یہاں کا سالانہ اوسط غالباً ۱۵۰ سنی میٹر ہے۔ لیکن اس زمانے میں بھی جب موسلا دھار بارش گھنٹوں رہتی اور گھر سے باہر پاؤں رکھنا محال ہوتا، سب کے سب ”گائل“ وقت کی پوری پابندی سے بلا ناغہ ”دارالکھلاء“ میں جمع ہوتے۔ ادھر نو بجے کے قریب ہوئے کہ ہر ایک پانی میں چوہا آ رہا ہے۔ اب یہ ”ناظمی“ کا فرض تھا کہ گیلے کپڑے اتروائے، اور ان کی جگہ خشک کپڑے مہیا کرے۔

یوں چھ مہینے تک ہر رات تین تین بجے تک کی غیر حاضری سے ان لوگوں کے گھروں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ جو اصحاب متاثر تھے، ان میں سے بعض کی بیویوں نے تو یہ باور کرنے سے انکار کر دیا کہ جگر کوئی شاعر ہے، جس کے پاس یہ حضرت جا کے بیٹھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہونہ ہو، یہ موئی کوئی طوائف ہے، جس کے کوٹھے پر جا کر تم لوگ روزانہ رنگ رلیاں مناتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد اصحاب کو جگر کو ساتھ لے جا کے ان کی طلعت ہی زیبا اپنی بیویوں کو دکھانا پڑی، تاکہ ان کا اطمینان ہو جائے۔

شہر کے لوگ جگر کو دعوتوں میں بلاتے تھے۔ اس سے نہ صرف انہی کا وقت ضائع ہوتا بلکہ ان کی غیر حاضری سے انجمن کی معمولی سرگرمیوں میں بھی بہت کمی، بلکہ بے لطفی ہو جاتی تھی۔ کالوں کو یہ کسی عنوان منظور نہیں تھا۔ اس لئے غور و خوض کے بعد اس کا سد باب یوں کیا گیا کہ انجمن نے یہ قرارداد منظور کی کہ چونکہ دعوتوں سے عام طور پر کابلی کے جذبے کو نقصان پہنچتا ہے، جس کی قربانی کسی صورت گوارا نہیں کی جاسکتی، اس لئے یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ اگر کوئی صاحب ”صدرل“ کو چائے یا کھانے کی دعوت دیں، تو ان کے ساتھ بقیہ سب اراکین کو بھی مدعو کریں۔ یہی نہیں، بلکہ رات کے کھانے کی صورت میں، اس دن رات کا ”اجلاس“ بھی نو سے تین بجے تک میزبان صاحب ہی کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ صرف ان اصحاب کے اکل و شرب کا انتظام کریں، بلکہ ان کے لیٹنے اور اینڈنے کے لئے اپنے مکان کا ایک کمرہ بھی خالی کر دیں۔ بے شک، اس پابندی سے دعوتوں میں بہت کمی ہو گئی، لیکن پھر بھی کبھی کبھی کوئی مچھلا یہ تمام شرائط قبول کر کے دعوت کر ہی دیتا۔

جب رات کے تین بجے اجلاس ختم ہوتا، تو اس سے پہلے بے دودھ کی چائے کا دور چلتا، جو پیالیوں کی بجائے فجانوں میں پی جاتی تھی۔

اس انجمن کا ایک گروپ فوٹو بھی لیا گیا تھا، جو یقیناً اب بھی اکثر ”کابلوں“ کے پاس موجود ہوگا۔

اس انجمن کو درہم برہم ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ جو نیک مقاصد سامنے رکھ کے یہ بنائی گئی تھی، افسوس، وہ تو پورے نہ ہوئے۔ دنیا کی اور بیشمار عمدہ تحریکیں بھی ناکام رہی ہیں اور سچ پوچھئے، تو اس دنیا نے ازل سے نیکیوں کی قدر کہاں کی ہے! اس لئے محض ایک انجمن کا ماتم بیکار ہے۔ لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج بھی کوئی اس طرح کی انجمن یا جماعت قائم ہو، جس کا طرہ امتیاز ”کابلی“ قرار پائے، تو اسے جگر صاحب سے زیادہ فعال صدر میسر نہیں آ سکتا۔ سچ ہے، یہ خدا کی دین ہے۔

اس سعادت بزور بازو نیست

جگر کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ بزرگوں کا وطن دراصل دلی تھا۔ ان کے مورث اعلیٰ مولوی محمد سمیع، شاہجہان کے استاد تھے۔ نہ جانے کس بات پر عتاب شاہی نازل ہوا اور وہ ترک وطن کر کے مراد آباد میں جا مقیم ہوئے۔ جگر کو شاعری گویا ورثے میں ملی۔ دادا حافظ محمد نور شاعر تھے، نور تخلص تھا۔ والد مرحوم مولوی بزرگ علی بھی شاعر تھے، نظر تخلص کرتے اور ناسخ کے شاگرد رشید وزیر لکھنؤی سے مشورہ کرتے تھے۔ خود جگر نے ابتدا میں چندے منشی حیات بخش رسا کو کلام دکھایا، لیکن پھر داغ سے رجوع کیا، جو رسا کے بھی استاد تھے۔ داغ کی وفات (۱۹۰۵ء) کے بعد کچھ دن منشی امیر اللہ تسلیم سے بھی اصلاح لی۔

جگر کی ایک خصوصیت قابل تعریف ہے۔ انہوں نے غزل کے سوائے کچھ نہیں کہا، بلکہ عین ممکن ہے کہ اگر وہ کچھ اور کہتے تو اس میں اس حد تک کامیاب بھی نہ ہوتے۔ چونکہ ان کی افتاد طبع تھی بھی غزل کے مناسب حال، اس لئے ان کا کسی اور سخن پر توجہ کرنا گویا اپنی صلاحیتوں کے غلط استعمال کے مترادف ہوتا۔ ان کا اپنے آپ کو غزل سے مخصوص کر لینا، ان کے لئے بھی اچھا رہا، اور غزل کے لئے بھی۔ اس میں شک نہیں کہ اردو میں غزل اتنی ہی پرانی ہے، جتنی خود یہ زبان۔ بظاہر اب اس میں کوئی جدت اور تازگی ممکن نہیں۔ کیونکہ کونسا وہ مضمون یا موضوع ہے، جسے متقدمین بیان نہ کر گئے ہوں۔ پس اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جگر کا کلام بھی وہی پرانے رنگ کی چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس سے انکار ممکن نہیں کہ ان کا اسلوب اور لب و لہجہ اور کس بل خاص ان کی چیز ہے۔ اور چونکہ زمانے کا مذاق بدل گیا، خود غزل کی ہیئت، زبان اور موضوع بلکہ مقصد تک سے متعلق نئے نئے

تجربے ہونے لگے ہیں۔ اس لئے اب یہ توقع کرنا کہ پھر کوئی جگر کا سا غزل گو شاعر پیدا ہوگا، امید موہوم سے زیادہ نہیں۔

ان کے کلام میں دو مختلف رنگوں کا امتزاج ہے۔ جرات اور داغ کی مادیت بھی ہے اور مومن کی معنویت بھی۔ جگر کا مزاج ان تینوں سے ملتا جلتا ہے۔ جرات اور داغ نے عشق جسمانی کی جو تصویریں اپنے کلام میں پیش کی ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ان کے ہاں کوئی پیچیدگی نہیں، وہی روزمرہ کی باتیں ہیں، جو آئے دن ہم میں سے ہر ایک کے تجربے میں آتی رہتی ہیں۔ جگر نے ان دونوں پر یقیناً ترقی کی ہے، ایسی کہ بسا اوقات پڑھنے والے کا ذہن شعر کی مادیت کا پوری طرح احاطہ بھی نہ کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں ان دونوں کی سی صاف عریانی نہیں، بلکہ وہ اکثر اپنا مدعا ایسا پردے اور مرکب سے بیان کر جاتے ہیں کہ انسان پر اس کی عارضی ہیجانیت اور بیش پا افتادگی تک گراں نہیں گزرتی، اور وہ اس پر خاص توجہ دیئے بغیر آگے گزر جاتے ہے۔

مومن کے ہاں حسن و عشق کی تصویریں زیادہ گہرے رنگ میں ہیں اور ان سے لطف اندوز ہونا ہر کسی کے اختیار میں نہیں۔ ان کے کلام سے پوری طرح لذت یاب ہونے کے لئے لازم ہے کہ نہ صرف قاری کے ذہن کی تربیت ایک خاص فکری ماحول میں ہوئی ہو، بلکہ اس نے ”فسق و فجور“ کا کچھ نظری یا عملی تجربہ بھی کیا ہو۔ مومن نے زمانہ ہجر و وصال کی مختلف وارداتوں اور لاگ اور لگاؤ کی گونا گوں کیفیتوں کا جو نفسیاتی نقشا پیش کیا ہے، اس کا جواب نہیں۔ لیکن چونکہ ان کے ہاں ایک خاص طرح کا لفظی اشکال ہے، اور اس کا تعلق فی الاصل بیشتر ان کے لہجے سے ہے جس سے بات فوراً سمجھ میں نہیں آتی۔ اسی لئے قاری اس کی معنویت تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ حقیقت میں یہی وجہ ہوئی کہ مومن نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ چونکہ جگر نے مدتوں رندی اور ہوسنا کی کے کوچوں کی خاک چھانی تھی، اس لئے وہ ان مضامین کے ادا کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے ہیں، جو مومن کا طرہ امتیاز ہیں۔ نہ صرف یہی، بلکہ ان کے ہاں لفظی اشکال نام کو نہیں۔ ان کی بات فوراً ہر ایک کی سمجھ میں بھی آ جاتی ہے۔

شراب کے مضامین میں جنہیں خمریات کا نام دیا گیا ہے، جیسے کچھ ان کے کلام میں بیان ہوئے ہیں، آپ کو اردو میں بہت کم کسی اور شاعر کے ہاں ملیں گے..... ریاض خیر آبادی کے خمریات مشہور ہیں۔ لوگ داغ کی بھی اس بات میں تعریف کرتے ہیں۔ حالانکہ ایمان کی بات ہے کہ ریاض اور داغ دونوں کے ہاں حد درجہ سطحیت ہے۔ حالانکہ ایمان کی بات یہ ہے کہ ریاض اور داغ دونوں کے ہاں حد درجہ سطحیت ہے۔ میں ان دونوں کی قادر الکلامی کا انکار نہیں کر رہا ہوں۔ دونوں استاد ہیں، اور زبان کی رنگینی اور شوخی میں تو ان کا جواب نہیں۔ لیکن یہاں گفتگو خمریات سے ہے۔ فقرہ چست کر دینا، یا پھبتی

کہہ لینا، اور بات ہے، اور سرخوشی کے عالم میں بھی اپنے اندرونی احساسات اور دلی تاثرات کا بیان الگ چیز ہے۔ وہ کیفیت اور سرور جو صرف ایک رند میکش ہی محسوس کر سکتا ہے، نہ ریاض کے بس کی بات ہے، نہ داغ کی۔ کیونکہ کبھی ایک قطرہ بھی ان دونوں کے حلق سے نیچے نہیں گئی۔ اس پہلو سے جو مزہ جگر اور جوش کے کلام میں ہے، وہ آپ کو اور کہیں نہیں ملے گا۔ غالب بھی شاذ و نادر جب کبھی اس طرح کے مضامین لکھتا ہے، تو ڈوب کر اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ بھی سنی سنائی باتیں نہیں لکھتا، بلکہ ذاتی واردات بیان کرتا ہے۔

بیشک یہ ضروری نہیں کہ انسان جو لذت محسوس کرے، اسے ہمیشہ بیان کر لینے پر بھی قادر ہو۔ کئی لطیف جذبات اور احساسات ایسے ہوتے ہیں کہ زبان ان کے کامل اظہار سے قاصر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کی عجز بیان کی مثالیں شراب پینے والوں کے ہاں بھی مل جائیں گی۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ انسان نے کسی کیفیت کا سرے سے کبھی تجربہ کیا ہی نہ ہو اور وہ اسے کما حقہ بیان کر سکے۔

میں نے بارہا جگر کو شعر کہتے، بلکہ پوری پوری غزل کہتے دیکھا۔ آپ نے وہ داغ کا شعر جتنے کا لطیفہ تو ضرور سنا ہوگا۔ جگر کو کبھی اس طرح تجربہ نہیں ہوا۔ احباب کا مجمع ہے، مجلس جمی ہوئی ہے، لطیفے اور ہنسی مذاق کی گفتگو ہے، فقرے بازی اور گنچ ہو رہی ہے کہ کسی نے کہا: ”جگر صاحب، اس مصرع پر مصرع یا شعر پر شعر تو کہئے۔“ اگر ان کی طبیعت کسی وجہ سے بالکل ہی غیر حاضر نہیں، تو انہیں گرہ لگانے یا شعر کہنے میں کبھی کوئی تکلف نہیں ہوا اور اگر مجمع واقعی معقول لوگوں کا ہوا، تو انہوں نے غزل بھی پوری کر لی۔ انہیں درست مشورہ تک قبول کر لینے میں بھی عذر نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً ان کا ایک شعر ہے:

”عرض غم نہ کر، اُسے دل!“ دیکھ ہم نہ کہتے تھے

رہ گئے وہ اونھ کر کے، سن لیا جواب ان کا!

پہلے مصرع ثانی میں ”اونھ کہہ کر“ تھا۔ ایک دن وہ یہ غزل سنا رہے تھے، تو میں نے ان سے کہا کہ اس کی بجائے ”اونھ کر کے“ بنادیتے۔ کہنے لگے: وجہ؟ میں نے جواب دیا کہ ”اونھ“ کوئی مستقل کلمہ نہیں، جس کے لئے ”کہنا“ کہا جائے، بلکہ یہ ایک آواز ہے۔ اس کے لئے ”کرنا“ ہی مناسب ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس کے بعد جوش سے بھی اس کا ذکر کیا تھا۔ جوش نے میری تائید کی، اس پر انہوں نے ”اونھ“ کر کے بنا دیا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر (شعر اس وقت مجھے یاد نہیں) میرے کہنے پر انہوں نے ”اچھلنا“ کی جگہ ”ابھرنا“ بنا دیا۔ اس ہرزہ گوئی سے خود ستائی مقصود نہیں، بلکہ مدعا یہ ہے کہ باوجود صف اول کا غزل گو اور شاعر ہونے کے ان میں وہ غلط پندار نہیں تھا، جو ہمارے بعض ”اساتذہ“ کا نمایاں شعار ہے۔

میں ۱۹۳۸ء کے اوائل میں دلی سے اور اگلے برس ملک ہی سے باہر چلا گیا اور ایک لمبے عرصے تک باہر رہا۔ ملک کی آزادی اور تقسیم میری غیر حاضری میں عمل میں آئی۔ اس زمانے میں جگر سے براہ راست تعلقات منقطع ہو گئے (یوں بھی وہ خط و کتابت کے زیادہ عادی نہیں تھے) البتہ سنتا رہا کہ اب بفضلہ انہوں نے شراب سے توبہ کر لی، اور بہت محتاط زندگی بسر کر رہے ہیں۔

۱۹۵۲ء کے آغاز میں اچانک مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں منجملہ اور احباب کے محمود صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ کہنے لگے: ”جگر آج کل یہیں کراچی میں ہیں۔“ میں نے کہا: ”چلئے، ان سے ملیں۔ شام کا وقت تھا کہ ہم دونوں ان کی قیام گاہ پر پہنچے۔ زینے پر چڑھتے ہوئے میں نے محمود صاحب سے کہا کہ آپ میرا نام نہ لیجئے گا، دیکھیں، پہچانتے ہیں یا نہیں۔ اوپر پہنچے تو دیکھا کہ جگر صاحب کرسی پر براجمان ہیں اور ارد گرد حسب معمول آٹھ دس آدمی کرسیوں اور مونڈھوں اور تخت پر بیٹھے ہیں۔ بجلی کی روشنی اچھی خاصی تیز تھی۔ محمود صاحب سے علیک سلیک ہوئی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ سر کو کوئی (۳۰) درجے داہنی جانب جھکا کر چند ہیائی آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ پیشانی کے بل کہہ رہے تھے کہ حافظے کے منفی اور مثبت تاریزی سے جمع ہو رہے ہیں۔ بارے، دیر نہیں لگی۔“ ارے، مالک رام ہیں۔“ کہہ کے کھڑے ہو گئے۔ تپاک سے معاف کیا اور پوچھا: ”بھائی، بہت دن کے بعد ملے، کیسے ہو؟“ میں نے کہا: ”صاحب، داد دیتا ہوں آپ کے حافظے کی کہ چودہ پندرہ برس کے بعد یوں آسانی سے پہچان لیا، حال آنکہ وہ عالم اور تھا اور اب اور ہے“ کہنے لگے۔ ”اس میں کسی حد تک آپ بھی معاون ثابت ہوئے۔ آخر انسان کی شخصیت اتنی جاندار تو ہو، اور وہ اتنا پائیدار اثر تو چھوڑ جائے کہ دوسرا شخص چاہے بھی، تو اسے بھلا نہ سکے۔“ چونکہ میں جانتا تھا کہ جگر تملق کے روادار نہیں اور لوگوں کی بیجا مدح ان کا شعار نہیں، اس لئے ان کی اس بات سے مجھے خوشی محسوس ہوئی۔

میں اواخر ۱۹۵۴ء سے مارچ ۱۹۵۸ء تک ہندوستان میں رہا تھا۔ ان تین برسوں میں ان سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی، یہاں دلی میں بھی اور باہر بھی۔ آخری ملاقات ۱۹۵۷ء میں میرٹھ میں حکیم سیف الدین احمد سلمہ کے مکان پر ہوئی۔ اس زمانے میں میرے ایک بزرگ میرٹھ میں مقیم تھے۔ میں ان سے ملنے کو اکثر وہاں جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں دوپہر کے کھانے پر حکیم صاحب کے ہاں مدعو تھا۔ کھانے کے بعد حکیم صاحب اور تسکین قریشی مرحوم اور میں بیٹھے گپ کر رہے تھے کہ جگر صاحب بغیر کسی سابقہ اطلاع کے اچانک پہنچ گئے۔ فرمایا: ”میں ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے بمبئی گیا تھا۔ واپسی کے لئے جب اسٹیشن پہنچا، تو جی میں آئی کہ آپ سے بھی ملتا جاؤں۔“

بالعموم جگر کے یہاں خیال اور عمل بیک وقت ہوتا تھا۔ یعنی کوئی بات ان کے ذہن میں آئی، تو پھر اس پر فوراً بلا توقف عمل کرتے۔ چنانچہ یہاں بھی ہوا۔ حکیم صاحب سے ملنے کے خیال کا آنا تھا

کہ انہوں نے بڑھ کر کھڑکی سے میرٹھ کا ٹکٹ خرید لیا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ حکیم سیف سے ان کے حد درجہ مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے، اور حکیم صاحب بھی ان کی خدمت کر کے دلی مسرت محسوس کرتے تھے۔

وہ میرٹھ میں دو دن ر کے اور وہاں سے گوئڈہ چلے گئے۔ اس کے بعد پھر ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

مارچ ۱۹۵۸ء میں ان پر پہلی مرتبہ دل کا دروہ پڑا۔ وہ اس حملے سے جانبر تو ہو گئے لیکن اس کے بعد ان کا کہیں باہر جانا قطعاً بند ہو گیا، اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہ دورے پڑتے رہے۔ بالآخر اسی ”بیماری دل“ سے وہ ۹ ستمبر ۱۹۶۰ء صبح کے وقت اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے:-

دل کو سکون، روح کو آرام آ گیا

موت آ گئی کہ یار کا پیغام آ گیا

جگر کی شخصیت بڑی پیاری اور دل آویز تھی۔ دل کے صاف، زبان کے کھرے، وہ کسی کے برے میں نہیں تھے۔ میں نے کبھی کسی کی غیبت ان کی زبان سے نہیں سنی۔ صرف یہی نہیں، وہ دوسرے کے صریح نقص کی جگہ بھی اس کی خوبیوں کا بیان کرنے لگتے۔ بلکہ کبھی کبھی وہ دوسرے کے نقص کی ایسی توجیہ کرتے کہ وہ نقص ظاہر میں کم دکھائی دینے لگتا۔ ہمارے ایک شاعر دوست عقیدے کے لحاظ سے دہریے ہیں۔ وہ پوری بیباکی سے جاو بیجا اپنے عقیدے کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے نظم و نثر میں بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک مرتبہ جگر سے ان سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے کہا: ”کاش ان کی زندگی کا کم از کم یہ پہلو ہی درست ہوتا۔“ کہنے لگے: ”بھائی، دلوں کے بھید جاننے والا تو خدا ہے، لیکن جس تحدی اور شدت سے وہ اپنے الحاد کا اظہار کرتے ہیں، اس سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں چور ہے اور وہ واقعی ایسے نہیں۔ آپ جانتے ہیں، بعض طبیعتیں کسی کے سامنے بھی سر جھکانے میں عار محسوس کرتی ہیں۔ کسے باشد، ان کے لئے کسی کی اطاعت قبول کرنا، ہتک کے ہم معنی ہے۔ وہ جدی پٹھان ہیں، اور ان کے باپ دادا کی سرکشی اور شورہ پشتی کے واقعات آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ پس، وہ خدا کی خدائی تسلیم کرنے میں بھی اپنی نوہن سمجھتے ہیں، حال آنکہ دل سے وہ ملحد نہیں۔“

اس بات کو جانے دیجئے کہ ان کی تاویل درست ہے کہ نہیں، بلکہ اصلیت یہ ہے کہ غلط ہے۔

کیونکہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ ان کا استدلال مضبوط نہیں اور وہ صاحب بھی واقعی ملحد ہیں اور اس کے اعلان میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس کے اس قوت سے خود جگر کی سیرت اور کردار کا جو رخ ہمارے سامنے آتا ہے، وہ کتنا دلکش ہے +

اسمائے حسنیٰ میں ستار اور غفار بھی ہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ انسان کا مطمح نظر یہی ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خدائی رنگ میں رنگ لے (ومن احسن من اللہ صبغة) تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان دونوں خدائی صفات کو بھی اپنی زندگی کا جزو بنانے کی کوشش کرے۔ اگر ہم دوسروں کے عیوب کی بجائے ان کی خوبیوں پر نظر رکھیں، تو یہ دنیا کتنی حسین بن جائے۔

بے عیب ذات خدا کی ہے۔ جگر صاحب میں بھی کمزوریاں تھیں، لیکن ان کی خوبیوں کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اور یہ تو ارشاد خداوندی ہے کہ نیکیاں بدیوں کو محو کر دیتی ہیں۔ پس میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی شخص جگر کا دشمن ہو سکتا ہے۔ بلکہ میرا یقین تھا کہ کوئی شخص انہیں جتنا بھی قریب سے دیکھے گا اتنا ہی ان سے محبت کرے گا:

وہ حلم، وہ تواضع، وہ طرز خود فراموشی

خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا

تری یاد کا عالم

(رشید احمد صدیقی)

جگر صاحب وہاں پہنچ گئے جہاں ایک نہ ایک دن ہر اس تنفس کو پہنچنا ہے جو زندگی مرض الموت میں گرفتار ہے۔ اس دنیا میں موت بھی کتنی سستی، یقینی، ہر جگہ ہر وقت آسانی سے مل جانے والی چیز ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہوا، پانی، آگ اور مٹی کی طرح یہ بھی ہر جاندار کے لئے کتنی ضروری ہے۔ فطرت بہت سے معاملات میں کسی نہ کسی شرط پر انسان سے خوش و ناخوش مفاہمت کر لیتی ہے، صرف موت کے مسئلے پر آج تک کسی طرح کی مصالحت پر تیار نہیں ہوئی۔ انسان اور موت کے دیرینہ رشتے و روایات کو دیکھتے ہوئے یہ امر بھی یقینی ہے کہ ارضی سطح پر آئندہ کبھی مفاہمت نہ ہو سکے گی۔ لیکن اگر انسان موت کو تسخیر نہیں کر سکا ہے تو موت کبھی انسان کے ان کارناموں کو نابود دیا ہے نور نہیں کر سکی ہے جو موت سے زیادہ عجیب و عظیم مانے گئے ہیں۔ وہ انسان کو تسخیر بھی کر سکتی ہے۔ جب انسان روز ازل و ابدی ہونے کے ان صفات سے بھی کسی نہ کسی درجے میں متصف ہے جو خدا کے ہیں جن کے طفیل وہ اس سرزمین پر خدا کا نمائندہ اور نائب ہے اور کیا معلوم بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان خدا میں ازلی اور ابدی بھی ہے۔

موت مامور و مجبور ہے۔ وہ کتنا ہی چاہے۔ اپنے کو بدل نہیں سکتی۔ انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ توفیق الہی اور استعداد انسانی کے مطابق اپنے کو بہتر و برتر بنا سکتا ہے۔ لامتناہی حد تک بہتر و برتر! موت کی یہ شکست مسلم ہے۔ اگر ہم اس طرح سوچنے کا حوصلہ کر سکیں تو محسوس ہوگا کہ انسان موت کے ہاتھ میں کھلونا نہیں ہے۔ ہم میں ایسے اکابر گزرے ہیں، آج بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے، جن کے ہاتھ میں موت کی حیثیت کھلونے کی رہی ہے اور رہے گی۔ بڑا انسان اپنی شکست میں زندہ رہتا ہے۔

لیکن اس وقت مرحوم کی وفات سے (کسی عزیز کو پہلی بار مرحوم کہہ کر یاد کرنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے) ان ساتھیوں اور صحبتوں کی کیسی کیسی یاد تازہ ہو رہی ہے جن سے کبھی اپنی، کبھی ان کی، کبھی دوستوں کی زندگیاں خوشی سے معمور اور امنگوں سے لبریز رہا کرتی تھیں۔ کہیں گہری، کہیں ہلکی، یہ یادیں ماضی کے ۳۵، ۳۰ سال کی وسیع دھوپ چھاؤں پر محیط ہیں۔ جگر صاحب کو میں نے ہر حال میں پایا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے بیان کرنے میں مصلحت تامل کرے۔ غفلت میں چاہے وہ بیماری سے ہو چاہے شراب سے، تنگدستی و در ماندگی کا سابقہ ہو یا ثروت و شہوت کا نشہ، انسان کی زبان سے بعض ان غیر مستحسن جذبات اور خیالات کا اظہار ہو ہی جاتا ہے جو اس کے تحت شعور میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جگر صاحب ان تمام مراحل سے ثابت قدم گذرے۔ ادنیٰ لوگوں میں ادنیٰ درجے کی تیز و تند شراب کثرت سے پی کر مدہوش ہو جانا لیکن زبان سے کسی ناسزا کلمے کا نہ نکالنا معمولی بات نہیں ہے۔ جگر صاحب پر تھوڑی سی اور ہلکی شراب پی لینے کا اثر بہت جلد اور معمول سے زیادہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس شخص کے بطون میں کوئی چور دروازہ ہی نہ ہو جس سے کوئی ناروا خیال یا خواہش داخل ہو جائے یا اس طرح کا کوئی خیال یا خواہش پہلے سے جاگزیں ہو تو موقع پا کر باہر نکل آئے۔ یہ صفت کم لوگوں میں ملے گی!

ہندوستان اور دوسرے ممالک کے بڑے شاعر اور فن کاروں کو ہم میں سے بہتوں نے دیکھا ہو گا یا ان کے حالات سنے اور پڑھے ہوں گے باوجود اس کے کہ ان کا کلام مدتوں سے اشتیاق و احترام سے پڑھا سنا اور سراہا جاتا ہے ان میں ایسے بھی ہیں جن کی سیرت و شخصیت جہاں تہاں سے داغدار ہے۔ لیکن ان شعراء اور فن کاروں کی عظیم الشان شخصیت کی منزلت اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے کہ ان کی سیرت کی خامیوں کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔ ہمارے کتنے بڑے شاعروں کی بعض کمزوریوں کو اجاگر کرنے کی کیسی کیسی کوشش کی گئی، اور اب بھی کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی بڑائی میں مطلق فرق نہ آیا۔ البتہ یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ شاعر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے قابو میں چلا گیا یا بعض تقاضوں کے پیش نظر اس نے ان صلاحیتوں کو اپنے قابو میں رکھا۔ بصورت اول وہ ہمدردی کا، بصورت دیگر ستائش کا مستحق ہوتا ہے۔

ان کے مقابلے میں یہاں اپنے ان چار غزل گو یوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اب تک اس صدی میں جدید اردو غزل کی خوبصورت مستحکم اور ایک طور پر کثیر المقاصد، عمارت کے چار عظیم معیار مانے جاتے ہیں۔ یعنی حسرت، اصغر، فانی اور جگر۔ ان کا شعری یا سکونتی تعلق کسی ”دلی صفاہان یا سمرقند“ سے نہیں تھا۔ ذرا دور سے اور بلندی پر جا کر دیکھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ فیضان، سرسید، ان کے رفقاء کرام اور علی گڑھ تحریک کا ہے۔ علی گڑھ نے شعراء ادب کے جغرافیائی دبستان ختم کر دیئے۔

ان چاروں نے نہ تو کوئی مینوفیسٹو شائع کیا، نہ زندگی و ادب کے اسرار و معارف کو الم نشرح کرنے کے لئے کوئی عالمی کانفرنس منعقد کی۔ نہ تشہیر و تبلیغ کا کوئی ادارہ یا محاذ قائم کیا، نہ جلسے جلوس سے کوئی واسطہ رکھا۔ صرف جہاں تہاں مشاعروں میں اپنا کلام سناتے رہے۔ ایسے مشاعروں میں بھی جہاں شعراء اور سامعین دونوں کی آبرو خطرے میں رہتی ہے۔ بایں ہمہ انہوں نے اردو غزل گوئی کی اس طرح تطہیر و توسیع کی اور اس کو ایسا ترفع بخشا اور زندگی و ادب کے صالح تقاضوں کے پیش نظر اس میں توانائی اور دل آویزی پیدا کی کہ اس کے سامنے اردو شاعری کی دوسری اصناف مانند پڑ گئیں۔ یہ کم عجیب بات نہیں ہے کہ یہ شعراء اپنی اعلیٰ تخلیقات سے بھی نہیں بلکہ اعلیٰ سیرت و شخصیت کے اعتبار سے کم و بیش نصف صدی تک باوجود طرح طرح کے موانع کے یکساں طور پر ممتاز و محترم رہے!

غزل کی یہ مقبولیت موسمی، مقامی یا اتفاقی نہ تھی، جیسی فلمی گانوں کی ہوتی ہے جو بالعموم ادنیٰ طبقے کے نوجوانوں، ہر طبقے کی عورتوں اور گلی کوچے میں پھرنے والے کمپرس نادان بچوں یا ان طالب علموں کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں جو خاندان کی روایات سے بے بہرہ، سوسائٹی کی ذمہ داریوں سے نا آشنا ماحول کی خرابیوں کے شکار اور اچھی تعلیم و تعلیم گاہوں کے فیض سے محروم ہوتے ہیں۔ ان چار درویشوں نے سیاست کے سستے نعروں سے بھی اپنی دکان نہیں سجائی تھی لیکن ان کا کلام خواص و عوام کے دلوں میں گھر کر لیتا تھا اور اثر دکھاتا تھا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں جب طبائع پورے طور پر سیاست اور سائنس کی گرفت میں آچکی تھیں اور پرانی قدروں کا احترام برائے نام باقی رہ گیا تھا، جب دور و نزدیک یکساں ہو گئے تھے، غزل کو ایسی آبرو بخشا کہ وہ دوسرے ملکوں کے شعر و ادب کے سامنے اپنا سرا و نچار رکھ سکے اور ہم میں جو صدیوں سے محکوم و منکوب تھے، احساس کمتری نہ پیدا ہونے دے، ان شاعروں کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کا یہ تصرف اس صنف کلام پر تھا جو بہت تنگ و محدود اور بعض حلقوں میں نامسعود سمجھا جانے لگا!

مجھے جگر صاحب کے خاندان کا حال نہیں معلوم، کتنی تعلیم تھی، کس بزرگ کے مرید یا کس سلسلہ طریقت یا مسلک سیاست سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح کی باتوں سے کسی کا علم نہیں۔ جس سے جتنا قریب ہوتا ہوں اتنا ہی اس کے بارے میں ان باتوں کی کھوج لگانے سے پرہیز کرتا ہوں۔ مرحوم کی رحلت سے آج بڑا پرانا گہرا اور مخلصانہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ عمر کی جس منزل پر ہوں وہاں اس طرح کے رشتے ٹوٹتے ہی رہتے ہیں۔ فطرت کا یہی تقاضا ہے، لیکن کیا کروں، فطرت کے اس طرح کے تقاضے تسلیم کرنے سے عاجز و قاصر رہتے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ میرے اس تصور میں اور کتنے بد نصیب شریک ہوں گے؟

مدت حیات کا حساب کتاب سال اور ماہ کے گزرنے سے نہیں کرتے، عزیزوں کی مفارقت

سے بھی کرتے ہیں۔ وہ اٹھائے جاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ زندگی ختم ہوگئی۔ عمر چاہے جہاں تک پہنچے، عمر پانے کو زندہ رہنا نہیں کہتے۔ زندگی اپنی زندگی سے اتنی عبارت نہیں ہوتی جتنی عزیزوں کی زندگی اور خوشی سے ہوتی ہے۔ یہ نہیں تو زندہ رہنا اور نفس کے مطالبے پورے کرتے رہنا ایک مسلسل بے غیرتی اور بڑھتی ہوئی تنہائی اور تاریکی ہے، جس کو نہ چھپا سکتے ہیں، نہ اس سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے حق بجانب بھی نہیں قرار دے سکتے۔

جگر صاحب میرا بہت لحاظ کرتے تھے۔ اصغر گوٹوی مغفور کے علاوہ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کے لئے وہ اتنا اخلاص و احترام ملحوظ رکھتے ہوں جتنا میرے لئے۔ اصغر صاحب سے تو ان کی عقیدت بندگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ شاید ہی وہ کسی اور کے یہاں اس محویت و مسکنت کے عالم میں پائے گئے ہوں جتنا اصغر صاحب کے ”حضور“ میں۔ اصغر صاحب بھی مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ جگر صاحب کی مجھ سے وابستگی یہیں سے شروع ہوئی تھی جس کو آخر وقت تک انہوں نے جس طرح نباہا اس کا خیال کرتا ہوں تو دل عجیب عجیب طرح سے بے قرار ہونے لگتا ہے!

جگر صاحب کے اس خلوص و محبت کو میں نے نباہنے کی برابر کوشش کی، لیکن مرحوم ان غیر معمولی شریف اور فیاض انسانوں میں تھے جن کی مسلسل ”نواز شہائے پیدا و پنہاں“ کا ساتھ دینے سے ہمیشہ قاصر رہا۔ روپے، پیسے مال و متاع سے کوئی سلوک کرے تو اس کا بدلہ ادا کر دینا آسان ہے، لیکن جو شخص (وہ جگر صاحب جیسا شخص) محبت و احترام کی بیکراں نعمتوں سے کسی کو بہرہ مند کرے اور رکھے اور کسی وقت غافل نہ رہے، اس سے کون عہدہ برا ہو سکتا ہے! جگر صاحب کے پاس جو دولت تھی اور جسے وہ مجھ پر بے دریغ صرف کرتے تھے اس سے مبادلہ کے لئے میری ہر دولت ناقابل التفات تھی۔

جگر صاحب کی محبت بھی عجیب محبت تھی۔ ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ میں ان کی مدارات میں کوئی حصہ نہ لوں۔ اس خیال سے کہ مجھے زحمت نہ ہو۔ اس سبب سے ایک طور پر میں جگر صاحب سے اتنا اور اس طرح قریب نہ ہو سکا کہ ان کی ذہنی واردات اور رنج و راحت کے محرکات سے براہ راست اور پورے طور پر واقف ہو سکتا، اس سے شرمندہ ہوں۔ عقیدت و محبت کا پورے طور پر مستحق نہ ہونا، لیکن اس کا مورد رہنا شریف آدمی کے لئے اتنا ہی باعث خلش رہتا ہے جتنا ایک گناہگار کی لئے جو اس اندیشے میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں بے نقاب نہ ہو جائے۔ یاد نہیں آتا انہوں نے اپنی تکالیف یا نجی دشواریوں کا کبھی کسی عنوان مجھ سے تذکرہ کیا ہو۔ شاعروں میں ان کے کلام کو جس خلوص سے سراہا جاتا اور خود ان کی پذیرائی جس عزت و محبت کے ساتھ کی جاتی اس کا ذکر بھی کبھی ان کی زبان پر نہیں آیا۔ ایسے شعراء سے بھی واقف ہوں جن کے کلام سے شاعروں میں دھوم مچ جاتی اور ان کا کلام سننے کے لئے لوگ سراپا شوق و انتظار ہوتے، لیکن فرق یہ ہوتا کہ سامعین جگر صاحب موجودگی سے اور ان

کی دیکھ کر جتنے خوش ہوتے اور فخر کرتے دوسروں کی موجودگی سے نہیں۔ آخر آخر میں معذوریوں کے سبب سے وہ اپنا کلام اچھی طرح سنا بھی نہیں سکتے تھے، جب بھی لوگ خوش ہوتے کہ جگر صاحب نے ان کے لئے مشاعرے میں شرکت کی زحمت گوارا کی۔ انہوں نے جگر صاحب کو دیکھ لیا اور ان کا کلام ان کی زبان سے سن لیا۔ یہ امتیاز اس صدی میں اردو کے شاید کسی غزل گو کو نصیب نہیں ہوا۔

جگر صاحب سے لوگوں کو جیسے مذہبی ارادت و عقیدت ہو۔ میر انیس اور اقبال سے اس طرح کی شیفتگی تو سمجھ میں آتی ہے، جگر صاحب سے اس شغف کو کس چیز پر محمول کروں۔ ان کے یہاں مذہب، سیاست، اخلاق، فلسفہ، تصوف، طنز و ظرافت کسی کو بھی تو دخل نہیں۔ ابتدائی عہد کے کلام سے قطع نظر عشق و عاشقی کا بھی وہ رنگ نہیں ملتا جو عام طبائع کے لئے باعث کشش ہوتا ہے۔ پھر اس کے سوا اور کیا کہوں کہ ان کے کلام ہی میں ”ماورائے سخن ایک بات“ نہ تھی، ان کی شخصیت میں ماورائے شخص بھی ایک بات تھی۔

جگر صاحب بحیثیت مہمان تشریف لاتے تو بیک وقت کتنی خوشگوار باتوں کا احساس ہونے لگتا، گویا کوئی بھولی ہوئی لطیف خوشبو آگئی ہو۔ زندگی کی نعمتیں اچھی، اس کے مصائب گوارا اور آلودگیاں قابل احترام معلوم ہونے لگتیں۔ جگر صاحب کے چاہنے والے دو ایک دن پہلے سے گھر کا چکر لگانے لگتے تھے۔ وہ آجاتے تو دن رات ان کو گھیرے رہتے۔ جگر صاحب کے اس ”حلقے“ یا ”دربار“ میں میں کبھی غل نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے جانتے تھے۔ اس لئے جب ہجوم ختم ہو جاتا تو صرف یہ اطلاع بھجوا دیتے کہ ملاقاتی رخصت ہو گئے۔ میں پہنچتا تو جیسے سر سے پاؤں تک فرط کرم و تشکر سے جگمگانے لگے ہوں۔ بے اختیار کھڑے ہو جاتے۔ اسی بے اختیار سے فوراً بیٹھ جاتے، جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور اس پاس کی چیزیں بے ضرورت ادھر ادھر رکھنے لگتے۔ بیٹھ جاتا تو وہ بھی بیٹھ جاتے اور مسکرانے لگتے جیسے اپنے اس مسکرانے کی شمیم و شبنم کے تحت رواں پر مجھے بٹھا دینا چاہتے ہوں۔

جگر صاحب شکل و صورت کے اچھے نہ تھے، لیکن اس وقت ان کا مسکرانا اور کبھی رہ رہ کر ہنس پڑنا اور جلد ہی کچھ کہنے لگنا تا کہ میں ان کے اس اضطراب و انبساط کو جان نہ سکوں۔ ایسا دل نشین اور قابل فخر و احترام محسوس ہوتا کہ میں اس وقت اس کو کسی تشبیہ و استعارے سے بھی واضح نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اس کو کسی حسین دوشیزہ یا معصوم سے معصوم تندرست بچے کے مسکرانے اور ہنسنے سے بھی تشبیہ دینا نا کافی سمجھتا ہوں۔ جگر صاحب اچھی صورت کے ہوتے تو شاید اتنے اچھے نہ معلوم ہوتے۔ جگر صاحب ہی پر موقوف نہیں کوئی اور بھی ہوتا تو اتنا دلادیز نہ معلوم ہوتا۔ سیرت کا حسن دنیا کے تمام دوسرے حسن سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بات جتنی سچی اور پکی ہے، افسوس ہے کہ اتنی ہی دیر میں اور کبھی کبھی وقت نکل جانے پر اس کا احساس اور یقین ہوتا ہے۔

جگر صاحب جتنے مذہبی آدمی تھے اتنے ہی اخلاقی بھی! ایسا ہونا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسے لوگوں کے لئے جو اصلاً نہیں اصطلاحاً مذہبی ہوتے ہیں۔ ہر مذہبی آدمی اخلاقی آدمی نہیں ہوتا۔ خود غرض یا ناواقف مذہب کو بالعموم اصطلاحی حدود میں مقید رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے اخلاق کو مذہب سے آزاد اور علیحدہ سمجھتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق کو علیحدہ خانوں میں رکھا نہیں جاسکتا۔ اس لئے حقیقتاً اخلاق مذہب سے برآمد ہوا ہے اور اس کا آوردہ و پروردہ ہے۔ اخلاق مذہب کی عملی شکل ہے۔ مذہب سے علیحدہ ہو کر اخلاق پر زور دینا ان لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے جن کی نیت بالعموم بخیر نہیں ہوتی۔ مذہب اخلاق کا محافظ و محتسب ہے اور اخلاق بغیر مذہب، عورت بغیر شوہر ہے!

خود غرض طبائع مذہب کی ہمہ گیر و ہمہ گرفت سے بچنے کے لئے اخلاق کے دائرے میں پناہ لیتی ہیں، جس کی سرحد پھاند کر تہذیب کی قلمرو میں آ جاتے ہیں۔ وہاں سے سیاست کی وادی میں پہنچتے ہیں۔ سیاست سے قومیت اور تجارت کی منزلیں دور نہیں رہ جاتیں۔ یہیں پہنچنا بالعموم ان کا مقصد ہوتا ہے۔ مذہب کے تقاضوں سے بچنے یا مذہب کی بلندی سے اترنے کے لئے جو زینے ہیں ان میں پہلا اخلاق پھر تہذیب، اس کے بعد سیاست قومیت اور تجارت ہیں۔ موخر الذکر تین کا نام مسعود اتحاد آج عالم انسانیت کا سب سے بڑا آشوب ہے!

مذہبی ہونے کا علمی و کتابی تصور واضح کرنے کے لئے خاص طرح کی لیاقت درکار ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ اپنے طور پر پابندی کر پاتا ہو یا نہیں کوئی ایسی بات سننا اور دیکھنا گوارا نہ کر سکے جو خدا اور اس کے رسول کے خلاف کسی کے منہ سے نکلے یا جس سے شعائر اسلام کی سبکی ہوتی ہو۔

بہت دنوں کی بات ہے علی گڑھ میں طالب علمی کا زمانہ تھا۔ احباب کی ایک صحبت میں ہر طرح کی باتیں بے تکلفی سے ہو رہی تھیں۔ ایک دوست موجود تھے جو مسلمان کہلاتے تھے لیکن خدا رسول اور احکام دین کے قائل نہ تھے۔ ایک دوسرے صاحب بھی تھے جو ہم میں اپنی اول جلول حرکتوں اور بھولے پن کے لئے باعث تفریح رہا کرتے تھے۔ گفتگو کے دوران پہلے کی زبان سے مذہب کے بارے میں کچھ استہزائیہ کلمے نکل گئے۔ باؤلا برا فروختہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا تو بہ کرو اور معافی مانگو، نہیں تو تمہاری خیر نہیں! انہوں نے سٹ پٹا کر کہا تم بھی تو اسی طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ کچھ جوش میں آ کر کچھ رو کر باؤلے نے جواب دیا، میری بات اور ہے خدا رسول تو میرے ماں باپ بھائی بہن ہیں۔ میرے جوجی میں آئے گا کہوں گا، تیرا تو ان سے کوئی رشتہ نہیں۔ تو میرے سامنے میرے ماں باپ بہن بھائی کی کیسے توہین کر سکتا ہے۔

جگر صاحب کا علی گڑھ اور الہ آباد کا وہ زمانہ یاد ہے جب وہ زیادہ تر مخمور اور بد حال رہتے تھے،

لیکن دین یا ائمہ دین کے خلاف کوئی فقرہ کان میں پڑ جاتا تو بد مستی کا پورا زور اس پر صرف کر دیتے جس کی زبان سے وہ کلمہ نکلا ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ان پر شراب کے نشے کے بجائے کوئی اور عالم طاری ہو گیا۔ مذہب ان کی نہاد میں تھا جس کا مظاہرہ وہ کبھی کبھی اس طرح کر جاتے کہ بڑی نزاکت کا سامنا ہو جاتا۔ اس سے جگر صاحب نے نقصان اٹھایا ہو یا نہیں وہ لوگ فائدہ اٹھا لیتے تھے جن کی نیوٹوں میں فتور ہوتا۔

کہیں کا سفر کتنا ہی ضرور ہوتا، علی گڑھ سے گزرتے تو وہ ایک دن میرے ساتھ ٹھہرنے کی گنجائش نکال لیتے۔ حج سے واپس آ چکے تھے۔ ایک دن سہ پہر میں چائے پی رہے تھے۔ حسب معمول کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے فرمانے لگے، مدینہ طیبہ میں ایک دن چائے کی پوری پیالی اوپر آرہی لیکن کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اتنا کہہ کر چپ ہو گئے حاضرین میں سے ایک صاحب بول اٹھے، جگر صاحب فکر شعر میں غرق رہے ہوں گے خبر نہ ہوئی ہوگی۔ جگر صاحب نے جواب دیا، کیا کیجئے گا آپ کو اس طرح کی تعبیر کی توفیق ہوئی۔ پھر ہنس پڑے اور بولے، پرانا زمانہ کیا برا تھا جب ہر کس و ناکس کو آزادی نہ تھی، اس کے لئے معتمد اور منتخب ہی لوگ ہوتے تھے۔

جگر صاحب پر بعض زمانہ بڑی سختی کا گزرا ہے۔ مالی دشواریوں کے سبب سے پریشان رہتے تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے کسی اور سے کیا ہو یا نہیں مجھ سے کبھی نہیں کیا۔ یہ بڑی آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے۔ سیرت میں کہیں کوئی خامی رہ جاتی ہے، تو تنگ دستی میں بالضرور اور بڑی شدت سے ابھر آتی ہے۔ معمولی اشخاص کا تو ذکر کیا وہ تو ذرا سے فشار سے بکھرنے لگتے ہیں، اچھے اچھوں کو اس منزل میں ڈگمگاتے دیکھا ہے۔ ایسے زمانے میں بھی جگر صاحب اچھا کھاتے تھے، اچھا پہنتے تھے۔ اچھی طرح خود رہتے تھے، اپنے مہمانوں کو رکھتے تھے۔ کسی پر برا وقت آپڑتا تو اپنے اوپر سختی جھیل کر اس کی مدد کرتے۔ دور ابتلا میں بھی لوگ ان کو طرح طرح سے دھوکہ دیتے اور زیر بار کرتے۔ کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو دوسروں نے اتنا لوٹا کھسوتا ہو جتنا جگر صاحب کو۔ اور ایسے لوگ تو شاید ہی ملیں جو اپنے اس طرح لوٹے کھسوٹے جانے کو خاطر میں نہ لاتے ہوں۔

جگر صاحب کسی کی درخواست کو رد نہیں کر سکتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ درخواست کرنے والا جھوٹا ہے۔ آخر آخر میں تو نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ لوگ مانگنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ جس کا جب جی چاہا جس چیز کو چاہا لے لیا۔ جگر صاحب یہ سب دیکھتے لیکن کسی طرح کا خیال نہ کرتے۔ ایک بار میں نے ذرا تلخ ہو کر پوچھا، جگر صاحب آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ مسکرا کر لہو عجیب معصوم انداز میں فرمانے لگے، کیا کروں، نہ کسی سے انکار کر سکتا ہوں اور نہ اس کو شرمندہ دیکھ سکتا ہوں۔ میں نے ذرا کم شریفانہ انداز میں کہا، اس کے بعد آپ یہ بھی چاہتے ہوں گے کہ میں آپ کی یا

اس کی درازی حیات کی دعا بھی مانگا کروں؟ بڑے مزے سے ہنسے اور جگر صاحب کب نہیں مزے سے ہنستے تھے!

بڑے بادِ ضعیف آدمی تھے۔ جس سے خلوص کے مراسم ہو گئے تمام عمر کے لئے اس پر مہر لگ گئی۔ علی گڑھ میں تین چار گھرانے ایسے تھے جن سے عزیزانہ اور دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ آتے تو چاہے کتنے ہی موانع ہوں ان کے گھر ضرور جاتے۔ وہ جس طرح کی فرمائش کرتے قبول کر لیتے خواہ اس میں ان کو کتنی ہی تکلیف ہوتی۔ جہاں جاتے اہتمام سے جاتے۔ نہادھو کر، کپڑے بدل کر، کبھی تحفے کے طور پر کچھ لے کر۔ مدت دراز سے یہ سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ آخر آخر میں جب صحت خراب رہنے لگی تھی تو میں اس طرح کی دید و بازو سے روکتا۔ ہر طرح کا اہتمام کرنے کے بعد پانوں کی ڈبیا بٹوالے کر کسی کے ہاں جانے کے لئے تیار ہوتے اور اتفاقاً میں نکل آتا تو ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی جیسی کوئی بچہ قصور کرتا ہوا پکڑ لیا جائے۔ منع کرتا تو فوراً مان جاتے وہ بھی اس طرح جیسے واقعی مان گئے ہوں۔ اندر آ جاتا تو تھوڑی دیر بعد اسی اہتمام کے ساتھ اپنی مہم پر روانہ ہو جاتے جیسے بچوں کو کسی کام سے منع کیجئے تو خوش و ناخوش اس وقت تو مان جائیں گے لیکن موقع ملتے ہی وہی کریں گے جو کرنے والے تھے۔ جگر صاحب کا بچوں کا سایہ انداز بڑا پر لطف معلوم ہوتا تھا، بالخصوص اس وقت جبکہ بعد میں بچوں سے بھی زیادہ معصوم یعنی اپنے انداز میں اس کی ٹوٹی پھوٹی معذرت کرتے!

جگر صاحب جانتے تھے کہ بطیب خاطر میں کسی شاعر سے شعر سنانے کی فرمائش نہیں کرتا اور اس بات سے اور زیادہ بد حظ ہوتا ہوں کہ خود شاعر بے تکلف ہو کر یا بادنی اشتعال جس کا مرتکب بھی اکثر وہ خود ہوتا شعر سنانے لگے! اسے آپ میری بد تمیزی پر محمول کریں، یا شاعر کی، یا دونوں کی کوئی زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ بات یہ ہے کہ بعض صوری یا معنوی اعتبار سے (صوری زیادہ معنوی برائے نام) شعر سننے اور داد دینے کے لئے بالعموم میرا انتخاب کیا جاتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ پورا مصرع درکنار اس کا جزو تک اٹھانے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں الفاظ یا اعراب وغیرہ کا الٹ پھیر نہ ہو جائے۔ جب شاعر دوسرا مصرع پڑھتا ہے اور اکثر بار بار اور دیر تک پڑھتا رہتا ہے پہلا بھول چکا ہوتا ہوں، اس لئے پورے شعر کی داد دینے کے لئے طرح طرح کے سامعین کا منہ تکتا پڑتا ہے اور جلد سے جلد فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ان میں سے کون حلوے ماٹھے کی غرض سے آیا ہے، کون میزبان کو ایصالِ ثواب کرنا چاہتا ہے، کون شاعر کو ضرب شدید یا خفیف پہنچانے کا تہیہ کر رہا ہے اور کون مجھ کو محفل سے باہر نکل جانے کا چیلنج دے رہا ہے۔ اس کے بعد کہیں میرا منہ اس قابل ہوتا ہے کہ شاعر کو دکھا سکوں۔ دوسری اور سب سے بڑی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھی میں شعر بے متاثر ایک طرح ہوتا ہوں لیکن داد دوسری طرح دینی پڑتی ہے۔ ساتھ ہی ڈرتا بھی رہتا ہوں کہ اس کشمکش میں کہیں مقدم موخر نہ ہو جائے! چنانچہ جہاں کہیں

اس کا خطرہ ہوتا ہے کہ شاعر اور اس کے کلام دونوں کی کرامات پر سب سے پہلے مجھے ایمان لانا پڑے گا اور اعلان بھی کرنا پڑے گا میں داد دینے والا ساتھ لے جاتا ہوں جس کی مجھے خاصی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ داد دینے والے سے یہ طے رہتا ہے کہ وہ اس طرح داد دے کہ اگر میں دینے لگوں تو کوئی سن نہ پائے یا دینے والا ہوں تو ہمت نہ پڑے۔

غالباً فروری ۱۹۵۹ء کی آخری تاریخیں تھیں۔ ”آتش گل“ پر جگر صاحب کو ساہتیہ اکیڈمی کا انعام ملا تھا۔ جیسا کہ قاعدہ بنا رکھا تھا دلی سے واپسی پر میرے ہاں ٹھہر گئے۔ یہ ان کا علی گڑھ میں آخری قیام تھا۔ صحت کافی گر چکی تھی لیکن طبیعت بشاش تھی۔ معمولات میں زیادہ فرق نہیں آیا تھا۔ دوستوں کی آمد و رفت، مقررہ گھرانوں پر حاضری، طالب علموں سے ملاقات، بچوں سے تفریح بدستور تھی۔ صبح کا وقت تھا، صحن میں دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خلاف معمول مجھے اندر سے بلوا بھیجا۔ آیا تو جگر صاحب کو غیر معمولی طور پر شگفتہ پایا۔ جیسا کہ ان کا قاعدہ تھا مسکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہی سر سے پاؤں تک شوق و شیفگی کا عالم۔ کچھ رکے۔ پھر بے اختیار بول پڑے آج میں نے آپ کو تکلیف دینے کی جرات کر ہی ڈالی۔ میں نے کہا، جگر صاحب، اچھا کیا مجھے بھی تو یہ کہنے کا فخر حاصل ہوا، کہ آپ نے بلا بھیجا۔ خوش ہو گئے۔ میں بیٹھ گیا۔

جگر صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ میری طبیعت کچھ دنوں سے خراب رہنے لگی تھی۔ لیکن انہوں نے آج نہ پہلے کبھی یہ پوچھا کہ میں کیا ہوں، کیا کرتا ہوں، کیا کرنا چاہئے، بچے کہاں ہیں، کیا کرتے ہیں، کس کی شادی ہوئی ہے، کس کی نہیں، کون پاکستان میں ہے، کون ہندوستان میں، کتنے بے روزگار ہیں، کتنے نہیں، مشیت الہی یا حکومت کی پالیسی کیا تھی، جس پر مجھے صبر کرنا چاہئے یا بغاوت، جیسا کہ اس طرح کی باتیں ملاقات کے وقت کے لئے لوگ عموماً حفظ کر رکھتے ہیں۔ وہ صرف یہ دیکھ کر اس طرح خوش ہو جاتے جیسے یہ تمام باتیں پوچھ لیں اور مطمئن ہو گئے اور مجھے مبارکباد دے ڈالی۔

یاد نہیں آتا کہ کون کون سی غزلیں سنائیں۔ اس صبح کو انہوں نے جس درد اور وارفتگی سے اپنا کلام سنایا اس سے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ آج میری تمام عمر کی محبت کا صلہ دینے کی کوشش کر رہے ہوں جس سے بڑا صلہ ان کے پاس دوسرا نہ ہو۔ جیسے سب سے بے تعلق ہو کر میرے لئے اپنے کو اپنے ہی نغمے میں ضم اور ختم کر دینا چاہتے ہوں! سنانا ختم کرتے ہی مسکرا کر اور بات چھیڑ دی۔ جیسے یہ سنانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا اور یہ سب محض اس احتیاط کے پیش نظر کہ اگر اس کا کوئی غمگین اثر مجھ پر ہوا تو جلد سے جلد زائل ہو جائے۔

اس وقت یہ بحث پیش نظر نہیں ہے کہ ہمارے شعراء مشاعروں میں کون سے پڑھتے ہیں تو اچھا

کرتے ہیں یا برا۔ یہاں تو صرف جگر صاحب کے پڑھنے کا سوال ہے۔ بعض اصحاب، مرحوم کے کلام کی تاثیر کو کبھی کبھی ان کی خوش الحانی پر محمول کرنے لگتے ہیں۔ لیکن مجھے ان کی آواز اور پڑھنے کا انداز ہمیشہ ان کے کلام کا جز معلوم ہوئے۔ مرحوم کے کلام اور پڑھنے کے انداز و آواز میں غیر معمولی ہم آہنگی ملتی تھی جیسے

ع بے ب م ظہور بادہ نہیں، بے بادہ فروغ جام نہیں
یاد آتا ہے کہیں میں۔ اس طرح کی بات لکھی ہے کہ اصغر گوٹوی مرحوم کے کلام کو پڑھتا ہوں تو اصغر صاحب سامنے آجاتے ہیں اور اصغر صاحب کا تصور کرتا ہوں تو ان کا کلام یاد آنے لگتا ہے۔ جگر صاحب کا کلام ان کی آواز ہے اور ان کی آواز ان کا کلام! کہیں یوں بھی سنا ہے کہ آواز کلام اور کلام کو ایک ہی مانتے ہیں!

جگر صاحب کے جذبات تیز و تند تھے، اسی اعتبار سے وہ سریع الحس بھی تھے۔ کوئی واردات ہو خارجی یا داخلی، دور ہو یا نزدیک، شخصی ہو یا اجتماعی اسے بہت جلد اور بڑی شدت سے محسوس کرتے تھے۔ یہ بات دوسرے شاعروں میں بھی مل سکتی ہے، لیکن اکثر اس فرق کے ساتھ کہ جذبات کتنے ہی تیز و تند ہوں جگر صاحب کے شریفانہ شاعرانہ تصرف سے وہ اپنی قباحتیں اور کشافیتیں کھودیتے ہیں، زور قائم رہتا ہے اور اثر بڑھ جاتا ہے۔ اعلیٰ اور ادنیٰ شاعر میں اکثر اس طرح بھی امتیاز کرتے ہیں کہ کس کے یہاں کون چیز کیا بن گئی۔ اعلیٰ اسفل میں جا گرایا اسفل کو اعلیٰ کی طرف رہبری ملی۔

شاعر کے ظرف و ذوق کا صحیح اندازہ لگانے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ وہ عورت اور متعلقہ جذبات کا کس طرح اظہار کرتا ہے۔ وہ عورت کو جسم کی لذت کا صرف ایک وسیلہ سمجھتا ہے یا اس کو ایک قدر اعلیٰ اور ایک ذمہ داری بھی مانتا ہے۔ جگر صاحب کے محرکات شعری میں عورت کا عمل دخل کم نہیں ہے، لیکن اتنا ہی عورت کا احترام اور اس سے عشق کا ارتقاع بھی ملتا ہے۔ یوں بھی وہ کسی جذبہ فکر یا خیال کو مرتفع کئے بغیر پیش کرتے۔ شاعری اور شاعر دونوں کی بڑائی اسی میں ہے۔ بعض شاعر ہر طرح کے جذبات و خیالات کو جوں کا توں پیش کر دینا شاعری کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی بھول یا بددیانتی ہے۔

ضمنی یہاں ایک بات کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے شعراء اور افسانہ نگار ایسے ہیں جن کی فنی چابک دستی میں شبہ نہیں، لیکن وہ اپنے جذبات و واردات کو ظاہر کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے اور اس کو اپنی خامی نہیں شاعری کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔ شہوت، غصہ، نفرت، خودنمائی کے جذبات بڑے منہ زور ہوتے ہیں اور کم و بیش ہر انسان میں ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی غلط نہیں ہے کہ حیوان اور انسان میں فرق بھی ہے کہ حیوان ان پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ لیکن انسان ان کو بس

ہی میں نہیں رکھتا بلکہ ان کو بہتر مقاصد اور بہتر مشکل میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ محسوس تو حیوان ہی کی طرح کرتا ہے، لیکن اظہار انسان کی مانند کرتا ہے جو محسوس کرے، اسی کو ظاہر کرے۔ قرین فطرت یقیناً ہے، قرین انسانیت نہیں ہے۔ اپنی خامی کو شاعری کا تقاضا سمجھنا نالائق کی علامت ہے۔ انسان کا انا الحق کہنا ایسا غلط نہیں ہے۔ تلاش معرفت میں بعض فقرا یا صوفیاء پر یہ واردات طاری ہوئے ہیں، لیکن ان واردات اور ان کے اظہار کو دلیل کم نظر و کم ظرفی قرار دے کر کہنے والے کو قتل کر دیا گیا ہے۔

سوا الہام کے جو خدا کی طرف سے صرف اس کے رسول پر نازل ہوتا ہے اور رسول اس کو بخشنے امت کو پہنچا دیتا ہے، کوئی ایسا خیال نہیں ہے جو شاعر کے دل میں آتا ہو اور وہ اس میں حسب ضرورت تصرف کے بغیر ہم تک پہنچا دیتا ہو۔ یہ تمام تر شاعر کے ذوق اور ظرف پر منحصر ہے کہ وہ اس خیال کو کس مقصد سے کس شکل میں ہم تک پہنچاتا ہے۔ اگر وہ سرشت کا اچھا، فن سے واقف، زبان کا رمز شناس ہے، کہنے کا سلیقہ رکھتا ہے اور صحیح موقع محل رکھتا ہے تو اس کی بات موثر مفید اور دیر پا ہوگی۔ اگر اس میں یہ صفات نہیں ہیں تو یہ شاعری نہیں کچھ اور ہوگی جس کو آپ شاعر کی نارسائی یا نالائقی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ شاعر ڈاک خانہ، تار گھر، ریڈیو نہیں ہوتا جو صحف خبر رسانی کا کام انجام دیتے ہیں۔ وہ فنکار اور معلم کی حیثیت سے حسن، صداقت کا داعی ہوتا ہے۔ اردو شاعروں کی فہرست پر نظر ڈالنے اور ہر شاعر کے کلام کی عمر اور انجام کو اس پیمانے سے ناپ لیجئے۔ یوں دنیا میں کوئی نالائق یا نالائقی ایسی نہیں ہے جس کے لئے کوئی سند جواز نہ تصنیف کی جاسکے۔

جگر، اصغر اور فانی ان سرآمد غزل گو یوں میں ہیں جن کا کلام ان مخصوص صحبتوں میں بھی بے تکلف پڑھا اور لطف سے سنا جاسکتا ہے جہاں رند، پارسا، خورد و بزرگ، ماں، بیٹیاں، بہن، بہو، بیوی بیک وقت موجود ہوں اور محفل ثواب کمانے کے مقصد سے نہیں تفریح و انبساط خاطر کے لئے منعقد کی گئی ہو۔ آج اس طرح کی بات کسی شاعر کی بڑائی میں بیان کرنا خود مجھے اپنے کانوں کو اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے اسے مضحکہ خیز بھی سمجھیں تو کیا عجب! ان میں جگر صاحب کو ایک گو نہ اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنے ان ساتھیوں سے زیادہ جذبات کی بعض نزاکتوں کو اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں۔

فانی کا جہان ہی دوسرا ہے۔ ان کے ہاں اس طرح کی دشواریاں پیش نہ آتی ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ وہ سرتاپا الم ہیں لیکن اتنے غمگین شخص نہیں ہیں جتنے غمگین شاعر ہیں۔ غم کا ذکر انہوں نے جس رکھ رکھاؤ سے کیا ہے اس سے غم، غم نہیں رہا ایک انداز فکر، آرٹ یا عبادت بن گیا۔ ان کے ہاں غم کا انداز بین و بکا کا نہیں، عرفان و ایقان کا ہے۔ بڑھی ہوئی داخلیت کے سبب سے کہیں کہیں وہ الفاظ کے الٹ پھیر سے بھی کام لیتے ہیں لیکن یہ شعوری اور شاعرانہ ہوتا ہے اس لئے ذوق پر بار نہیں ہوتا،

اکثر اس کی سیرابی کا باعث ہوتا ہے۔

اصغر کے لہجے میں جیسی شائستگی و شگفتگی، جذبات و افکار کی جوتازگی و تہذیب ملتی ہے، نیز شستہ منتخب اور مترنم الفاظ و ترکیبیں جو مفہوم اور معانی کو زیادہ حسین و دلنشین کر دیتی ہیں، بجائے خود ایسے عوامل ہیں جو غیر صالح خیالات و جذبات کے اظہار کے منافی ہیں۔ اصغر کے یہاں عورت، تصوف، عاشق اور سیاست کا وہ ”روزمرہ اور محاورہ“ نہیں ملے گا جسے عام طور پر دوسرے شعراء کبھی کبھی ”رسم پابندی اوقات“ کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں ان سب کے بڑی دلکش جانی پہچانی، اکثر چونکا دینے والی تصویریں اور تعبیریں ملیں گی! ان پر اور ان کی شاعری پر خود ان کا شعر گواہ ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ باد صبا چمن میں غنچہ و گل کو کس مزے سے چھیڑتی ہے۔ لیکن اس کی پاس دامانی پر حرف نہیں آتا!

معتبر شاعر وہ ہے جو تمام علوم ”سینہ و سفینہ“ کے اسرار و رموز سے کما حقہ واقف ہو یا نہ ہو، اس سے آشنا ہو کہ فلاں خیال، جذبہ یا فکر پر کس علم کا عمل مناسب حال ہوگا۔ مثلاً کسی خاص خیال کو فنون لطیفہ، فلسفہ، تصوف، اخلاقیات، مذہبیات، کیمیا، طبیعیات وغیرہ میں سے کسی علم و فن یا علوم و فنون کے رموز و رعایت کی، و سے سلجھا کر توانائی دے کر اور سنوار کر سامعین تک پہنچایا جائے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ مفید و موثر ہو۔ یہاں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر شاعر علم و فن سے واقف ہو (سب سے زیادہ تو اسے اپنے فرض اور فن سے واقف ہونا چاہئے) کہنا صرف اتنا ہے کہ جو علوم انسان کو فطرت کا راز سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں اپنے اپنے طور پر مدد پہنچاتے ہوں، شاعر کو ان کا علم ہونا چاہئے۔ اس کو شاعر کے ان علوم پر قدرت رکھنے سے تعبیر نہیں کریں گے، نہ اس کا مطالبہ کریں گے بلکہ ان علوم پر اس کا شاعرانہ تصرف قرار دیں گے اقبال اس رمز سے خوب واقف تھے، غزل گوئی میں کبھی حد تک اصغر مجھے ایسے معلوم ہوئے۔

حسرت عشق مجازی کے پہلو اور بے ساختگی کے انداز کو پیش پیش رکھتے ہیں۔ حسرت عشق مجازی کے مزاج داں اور محتسب دونوں تھے۔ اتنی حسین رچی ہوئی جیتی جاگتی خارجیت صف اول ہی کے شعراء میں ملے گی۔ خارجیت کا نباہنا داخلیت کے نباہنے سے زیادہ مشکل اور ذمہ داری کا کام ہے۔ میرے نزدیک خارجیت اور داخلیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کو جانے بغیر دوسرے کا ہو رہنا رسائی یا نااہلی کی دلیل ہے۔ خارجیت کے آداب اور موقع و محل سے بے پروا یا بیگانہ رہ کر داخلیت کا صحیح عرفان نہیں ہو سکتا اور داخلیت کے رموز سے نا آشنا رہ کر خارجیت کا کاروبار کرنا سطحیت اور زلزلہ پن ہے!

جگر صاحب نے حسن و عشق کے علاوہ سیاسی و سماجی حالات و حوادث پر بھی اظہار خیال کیا

ہے۔ سیاسی تاثرات کو شعوری طور پر غزل کے جام و مینا میں ڈھالنے کی سب سے پہلی وہ کامیاب کوشش سہیل نے کی ہے۔ اس میں ان کے پیش نظر وحسرت موہانی ہیں۔ لیکن حسرت کی غزلوں میں سیاسی رنگ اتنا داخلی نہیں ہے، جتنا خارجی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے فکر خن کرتے ہوئے ایک آدھ شعر سیاسی رنگ کے آگے تو ان کو بھی غزل میں ڈال دیا۔ حسرت کی سیاست اور شاعری علیحدہ علیحدہ خیالات میں بنی ہوئی ہیں۔ سیاسی شعور کے چھینٹے مولانا محمد علی جوہر کی غزلوں میں بھی ملتے ہیں۔ سیاسی تنگ نظری اور سیاسی تیرہ دلی کے خلاف دونوں کے کلام میں اجتماع کی ایک زیریں لہر لہتی ہے جو رفتہ رفتہ جگر کے یہاں زیادہ قوی اور نمایاں ہو گئی ہے۔ جگر صاحب نے مستقل نظمیں بھی کہی ہیں اور اپنے تاثرات کا اظہار بڑے درد اور دلیری سے کیا ہے۔ سب و شتم اور شور و فتن سے نہیں، بعض معصوم جس سے انقلابی شاعری مراد لیتے ہیں۔

یہاں اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ حسرت اور سہیل دونوں کے سیاسی مسلک تھے۔ ان کے کلام میں اس کا اثر ملے تو تعجب کی بات نہیں۔ جگر صاحب کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں تھے، کم بے کم جہاں تک مجھے اس کا علم ہے۔ اس لئے جگر صاحب جب کسی (ظلم و زیادتی) پر ملول یا برہم ہو کر کچھ کہتے تو ہر طبقے کے لوگ متاثر ہوتے۔ اس لئے کہ ان کی آواز کو کسی سیاسی یا جماعتی نعرے کی صدائے بازگشت نہیں بلکہ انسانی ضمیر کی پکار سمجھتے تھے اور جگر صاحب نے یقیناً وہ درجہ حاصل کر لیا تھا جہاں ان کی آواز کو یہ حیثیت حاصل تھی!

جگر صاحب کو اعزازی ڈائریکٹریٹ تفویض کرنے کا مسئلہ مسلم یونیورسٹی کے سامنے آیا تو سب سے زیادہ جس خیال نے اس تحریک کو تقویت پہنچائی وہ یہ تھا کہ جگر صاحب اب شاعری کے دبستانوں اور حریفانہ چشمکوں سے بلند اور شخصیت کے اعتبار سے بھی (غیر متنازعہ فیہ) ہو چکے ہیں۔ ان کی شاعری پر کسی طرح کا لیل لگا کر مخصوص و محمود نہیں کیا جاسکتا۔ وہ شاعری کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں شاعری کے ساتھ ساتھ شاعر کی اہمیت و عظمت کو بھی دیکھتے ہیں۔ یہ پیش کش جگر صاحب کو علی گڑھ کی طرف سے آنی بھی چاہئے تھی، اس لئے کہ علی گڑھ نے ہی اردو ادب کے دبستانوں کو ختم کیا تھا اس کو ایک تنگنائے آب سے نکال کر ”زندہ رود“ کا درجہ حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی تھی!

علی گڑھ نے اس طرح جو عزت افریقہ کی تھی اس کا جگر صاحب پر بڑا اثر تھا۔ کنویشن کے موقع پر آنے کے لئے بے قرار تھے۔ ہر خط میں اس کا ذکر کرتے اور ہر شخص سے کہلا بھیجتے۔ لیکن صحت اتنی گر چکی تھی کہ معالجون نے سفر کرنے کی اجازت نہ دی۔ جگر صاحب کو علی گڑھ سے عشق تھا۔ یہاں کی دعوت پر ضرور آتے اور آجاتے تو جیسے علی گڑھ کا گوشہ گوشہ ان کی موجودگی سے زمزمہ سن رہا تھا! جگر صاحب ان رسوم و قیود اور اصرار و انکار کے حدود سے آگے نکل گئے تھے جو ہمارے بعض

شعراء کا وطیرہ بن گیا ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ علی گڑھ بلائے جاتے تو بڑی خوشی سے چلے آتے تا وقتیکہ کوئی سخت معذوری سے سابقہ نہ ہوتا۔ جو کچھ پیش کیا جاتا خوشی سے قبول کر لیتے۔ طلباء ان کا احترام کرتے تھے اور ان کی پذیرائی کو اپنے لئے سرمایہ افتخار جانتے تھے۔ اس لئے ان سے زیادہ سے زیادہ جو بن پڑتا مدد کرتے۔ دوسرے شعراء کے لئے بھی علی گڑھ میں بہت کچھ ہوتا ہے لیکن جس ”جذبہ بے اختیار شوق“ سے جگر صاحب کے لئے ہوتا دوسروں کے لئے نہیں!

جگر صاحب اس پر بھی اصرار نہیں کرتے تھے کہ ان کے پڑھنے کا نمبر سب سے پہلے آئے۔ کس کے بعد آئے یا سب کے بعد آئے۔ جب کہا گیا، جتنا کہا گیا، پڑھ دیا اور اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ پڑھنے سے پہلے بطور قید یا معذرت نہ انکار کرنے نہ افتخار، فرصت کی کمی، صحت کی خرابی، سفر کی صعوبت وغیرہ کا بھی ذکر نہ کرتے جیسا کہ شعر بالعموم کیا کرتے ہیں۔ یہاں کہتے بھی کسی نے نہیں سنا کہ یہ شعر ملاحظہ فرمائیے گایا وہ دوسرے شاعروں کے پڑھنے کے طریقے یا اس کی سچ درج یا اس کے کلام پر نکتہ چینی کا ایک لفظ نہ کہتے، خاموش بیٹھے رہتے۔ آمل پاس والوں سے گفتگو یا ہنسی مذاق کرتے۔ سنجیدگی اور خلوص سے شریفانہ نرم لہجے میں داد دیتے، ہر شاعر کا اکرام ملحوظ رکھتے ایک بار تو ایسا ہوا کہ ایک لڑکے نے مشاعرے میں عہد آیا غلطی سے جگر صاحب کی پرانی کوئی غزل پڑھ دی۔ جگر صاحب پاس بیٹھے تھے۔ کسی طرح کا مطلق اثر نہیں لیا۔ لڑکے کی پیٹھ تھپتھپائی اور شفقت کا اظہار کیا۔ یہ دیکھ کر کسی اور کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ لڑکے سے تعرض کرتا۔ جیسا کہ بیان کر آیا ہوں علی گڑھ کے طلباء خواہ وہ کسی مسلک و مذاق کے ہوں۔ جگر صاحب کو بڑی عزت و محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ امتیاز بہت سے لیڈروں کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ میں نے اکثر محسوس کیا جیسے ان سے مل کر طلباء کی صحت مند صلاحیتیں بیدار ہونے لگی ہوں۔ یوں بھی علی گڑھ کے طلباء میں اچھے اثرات کے قبول کرنے کی استعداد نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا سبب وہ روایت اور وہ فضا ہے جس کے قائم کرنے میں ہماری قوم کے بہترین افراد نے اپنی بہترین صلاحیتیں مدتوں صرف کی ہیں۔ جس طرح طلباء میں ڈسپلن قائم رکھنے کے لئے اچھے اساتذہ، اچھی لائبریری، اچھا ساز و سامان، اچھا کھانا پینا، رہنا سہنا، باغ، سبزہ زار، صحبت اور تفریحیں اور ورزشیں، کھیل کے میدان، ڈائینگ ہال، یونین کلب وغیرہ سود مند ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ اس طرح کا انتظام بھی ہونا چاہئے کہ ہماری وہ گراں نمایہ شخصیتیں جو علی گڑھ سے باہر ہوں، خواہ وہ علم و فضل کے شعبے سے تعلق رکھتی ہوں، مسلم یونیورسٹی کے حدود کے اندر فراغت سے مستقل آباد ہو جائیں اور ہمارے نوجوان طلباء کے سرچشمہ فیض ثابت ہوں۔

ذہن میں کچھ اسی طرح کی باتیں تھیں کہ چند دن ہوئے بعض احباب نے اس کی کوشش شروع کر دی تھی کہ کوئی ایسا انتظام کیا جائے کہ آرام و یکسوئی کی زندگی گزارنے کے لئے جگر صاحب

مستقل طور پہ علی گڑھ آجائیں۔ لیکن یہ کوشش آگے نہ بڑھ سکی اور جگر صاحب ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے!

جلیل القدر معاصر شعراء کی طرح جگر صاحب نے مشاعرے کی منزلت اور آخر دم تک بنایا اور اس روایت کو برقرار رکھا جس کی رو سے مشاعرے کا شعار اعلیٰ تہذیبی اداروں میں ہوتا تھا۔ بعض ارباب سخن کی یہاں مشاعروں میں اسی طرح کے آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے جو مذہبی یا نیم مذہبی محفلوں کے ہوتے۔ ہماری زبان جس رتبے کو پہنچی اور تہذیب کو جو گراں مائیگی نصیب ہوئی، اس میں ان مشاعروں اور ان کے آداب کو بڑا دخل ہے۔ زبان اور تہذیب اسی طرح کی آزمائش سے گزر کر اپنا مقام پیدا کرتی ہیں۔ نوجوان طلباء کا ہجوم خواہ کسی سلسلے میں اکٹھا ہو، ادنیٰ بہانے یا اشارے پر آج جس طرح بے قابو ہو جاتا ہے اور وہ سب کر گزرتا ہے جو کسی اور کے مناسب حال ہو یا نہ ہو، طلباء کے شایان شان ہر گز نہیں ہوتا۔ مشاعروں میں آج سے کم و بیش ۲۵، ۲۰ سال پہلے تک کم از کم علی گڑھ میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ اس میں سامعین کا چاہے جتنا گناہ ہو، ہمارے شعراء کا بھی کچھ کم نہیں۔

بعض شعراء ایک ایسے مشاعرے یا مواقع کے لئے جہاں نوجوان لڑکیاں اور خواتین موجود ہوتی ہیں، ایسی ناپسندیدہ اور بیباک نظمیں لکھ لاتے ہیں جو نوجوانوں کے حیوانی و شہوانی جذبات کو برا بیچتے و بے قابو کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ اسے یہ شعراء اپنا بڑا کارنامہ اور انعام سمجھتے ہیں۔ دیکھا تو یہاں تک گیا ہے کہ مشاعروں میں اس نظم کو سننے کی کوئی فرمائش نہیں کرتا تو یہ شعراء خود نہایت بے غیرتی کے ساتھ اور اتنے ہی بھونڈے پن سے اشارتا اس کی یاد دہانی کرتے ہیں! شاید غالب کی پیروی میں جہاں انہوں نے ”غریب شہر چھٹائے گفتی دارد“ کہا ہے!

جگر صاحب میں بڑی حیا اور غیرت تھی۔ کہیں کسی محفل میں بیٹھے ہوں، ہمیشہ نظر نیچی رکھتے تھے۔ جیسے اس محفل میں نوجوان خواتین اور لڑکیوں کو اپنی ذمہ داری اور امانت سمجھتے ہوں۔ بے تکلف احباب میں بھی بیٹھ کر وہ اس طرح کے فقرے زبان پر نہیں لاتے تھے جن میں عورتوں سے بے راہ روی کے روابط کا اشارہ ملتا ہو، جو خواہ وہ فحری کتنے ہی ”درپردہ“ کہے جاسکتے ہوں۔

ان باتوں کا خیال کرتا ہوں تو جگر صاحب اور ان کے پرانے ساتھی شعراء آج کس حیرت و الم سے یاد آتے ہیں جن کو دیکھ کر اس وقت تو اتنا نہیں، جتنا اب محسوس کرتا ہوں کہ تہذیب و شرافت بھی دنیا میں کتنی بڑی نعمت ہے اس لئے ذمہ داری ہے۔

جگر صاحب شعر کہہ سکتے تھے، اپنے شعر پر مضمون نہیں لکھ سکتے تھے۔ اچھے اور بڑے شعراء بالعموم ایسا نہیں کر پاتے۔ بعض ایسا کر سکتے ہیں لیکن ان کا مضمون ان کے شعر سے اچھا ہوتا ہے اور کبھی کبھی بجائے ان کے دوسروں پر صادق آتا ہے۔ اس لئے وہ خارج از بحث ہیں۔ جگر صاحب سے

جب بھی اس طرح کی بات آئی، بڑے شوق سے بحث میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن گفتگو کچھ اس طرح کی کرنے لگتے تھے جیسے شعر کہنے کے طور طریقوں پر بحث نہ کر رہے ہوں، غزل کی اہمیت سے انکار کرنے والے سے لڑائی مول لینے پر تیار ہوں۔ یہ لڑائی بھی کچھ اس طرح کی ہونے والی ہوتی جیسے اس نیک کام کے لئے حربہ کوئی نہ ہو، حوصلہ بہت ہو ظاہر ہے۔ ایسے نبرد آزما کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

بایں ہمہ ایک جگہ وہ بڑی جرات اور صفائی سے ایک ایسی بات کہہ گئے ہیں جو ہماری اردو شاعری کے اعتبار و امتیاز کو بڑی خوبی سے واضح کرتی ہے۔ شعر یاد نہیں آتا۔ مفہوم یہ ہے شعر میں ”شرقیّت“ نہ ہو تو وہ مغربیت کی نقالی ہے اور کچھ نہیں۔ یہ بات بظاہر مولویوں جیسی معلوم ہوتی ہے، لیکن دراصل یہ ایسی ہے نہیں۔ مشرقیت کیا ہے، کیا نہیں؟ اس سے یہاں بحث نہیں۔ لیکن نئے انداز کے شاعروں کو اس نکتے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسے شخص کا قول ہے جس کے کلام اور شخصیت سے کافی زمانے تک ہم محظوظ و متاثر رہے ہیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب مغربیت اور عقلیت اپنے منتہا پر تھی اور ہمارے فکر و تخیل پر مغرب سے زیادہ مغربیت طاری تھی۔

جگر صاحب نے براہ راست شاید ہی کبھی مجھے خط لکھا ہو۔ بچوں میں سے کسی کو لکھ دیتے، وہ مجھے بتا دیتے۔ جگر صاحب کا انداز بھی ان کی دوسری اداؤں کی طرح کتنا دلکش تھا۔ وفات سے کچھ دن پہلے لڑکوں میں سے ایک کے نام خط آیا۔ قیاس کرتا ہوں کہ مضمون کیا رہا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ شان خط میں بھی وہ رعنائی اور صلابت نہیں رہ گئی تھی جو پہلے تھی۔ جگر صاحب کا خط شکست نہایت پاکیزہ اور پختہ تھا۔ جس پر التفات خاص ہوتی اس کی اپنی کوئی غزل ہاتھ سے لکھ کر دیتے اور مخصوص طغرا میں اپنے دستخط کر دیتے اور تاریخ لکھ دیتے۔ جگر صاحب کو جس حال میں ہمیشہ سے دیکھتا آیا تھا، اس کے بعد ان کی بیماری کے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس خط کا اوپر ذکر کر آیا ہوں اس میں ایک شعر لکھا تھا جو مجھے سنا دیا گیا۔ کہہ نہیں سکتا اوروں نے بھی کہیں سنایا پڑھا ہے یا نہیں شعر یہ تھا۔

کہیں ایثار غم جاتا ہے ضائع

چمن شاداب ہے شبنم نہیں ہے

جگر صاحب کی زندگی اس طرح کی تھی اور ایسی زندگی کم کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

میرا کلام میری نظر میں (جگر مراد آبادی)

جگر نے ”شعلہ طور“ کے پہلے ایڈیشن میں جو ۱۹۳۲ء میں ناجی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا اپنے کلام پر خود اپنے قلم سے اظہار خیال کیا تھا وہ مضمون بطور یادگار شامل کیا جا رہا ہے۔

یہ میں فخر یہ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ انتہائی درد کے ساتھ کہ میری زندگی کا ہر شعبہ سخت پریشان اور کج معج واقع ہوا ہے۔ خدا جانے کس قدر سرمایہ کلام ضائع ہو گیا اور کس قدر اختیار نے فائدہ حاصل کیا۔ شعر و ادب کے متعلق نثر میں متعدد طویل و مختصر مضامین لکھے جو میرے ذاتی تفکر و تدبر کا نتیجہ تھے، افسوس کہ سب ضائع ہو گئے۔

اولاً تو میرے لئے لکھنا ہی مصیبت سے کم نہیں۔ اس پر بار بار کی شدید جگر کاویوں کے نتائج کا اس سے آسانی سے محو ہو جانا خصوصاً میرے لئے کس قدر اندوہناک سانحہ ہو سکتا ہے۔ ارادہ تھا ”شعلہ طور“ پر خود کوئی مقدمہ لکھوں چنانچہ کئی بار لکھا لیکن ہر بار کسی نہ کسی طرح ضائع ہی ہوتا چلا گیا۔ مشیت الہی شاید مجھ سے یہ کام لینا نہیں چاہتی۔ یا کسی آنے والے وقت تک منتظر رکھنا چاہتی ہے۔

انشاء اللہ العزیز ”شعلہ طور“ کی دوسری اشاعت میں اس کی کوپرا کر دیا جائے گا۔

سرسری طور پر اپنے کلام کے متعلق کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں۔

”اغلاط“ سے نہ میں نے اپنے آپ کو بے پروا رکھا ہے اور نہ انہیں کا ہد کہہ رہا ہوں۔ اکثر غلطیوں کا مجھے احساس ہے۔ بعض غلطیاں ایسی بھی ہیں جنہیں میں نے دانستہ اختیار کیا ہے۔ بعض ایسی بھی ہیں کہ وہ اپنی جگہ محاسن ہیں۔

اکثر ایسی بھی ہوں گی جن کا مجھے علم نہیں یا جن کو ناقدانہ نظر سے دیکھ سکتا۔ اس لئے میں خوش

ہوں گا اگر مجھے میری غلطیوں پر متنبہ کر دیا جائے۔

(میرے نظریہ شعری کے اعتبار پر) مشاعرے کی غزلوں میں سے بہت کم ایسی غزلیں ہو سکتی ہیں جن پر صحیح معنوں میں غزل کا اطلاق کیا جاسکے۔ تاہم ہر جگہ آپ میری انفرادیت محسوس کئے بغیر نہیں گزر سکیں گے۔

میری شاعری ”غزل“ ہی تک محدود ہے اور چونکہ حسن و عشق میں میری زندگی ہے۔ اس لئے بعض مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی دوسرے میدان میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کر سکا۔ واقعہ کانپور کی متعلق جو نظم ہے وہ بیشک بالکل بے اختیارانہ طور پر لکھی گئی ہے لیکن اس میں ایک لفظ ایسا آ گیا ہے جس کے مفہوم کی محدودیت پر مجھے اکثر تاسف رہا۔ اور وہ لفظ ”مادر وطن“ ہے۔ میں وطنیت اور قومیت دونوں کی سخت ناپسند کرتا ہوں۔ ناظرین میں کسی کو اللہ اگر توفیق عطا فرمائے تو انہیں میری طرف سے قطعاً اجازت ہے کہ وہ اس کو صحیح کر دیں۔

اکثر سیاسی نظمیں بھی کہی ہیں۔ لیکن احباب کے سخت اصرار پر۔ ممکن ہے کہ ان میں بھی کہیں کہیں اجزائے دل پائے جائیں۔ لیکن میرے لئے وہ سرمایہ ناز نہیں۔ اچھا ہوا کہ ضائع ہو گیا۔ البتہ دو نظمیں جن میں سے ایک نظم ”تلک کی موت“ پر ہے اور دوسری اسکول اسٹرائک کے موقع پر ”بچوں سے خطاب“۔ ان دونوں کے تلف ہونے کا مجھے ضرور صدمہ ہے۔ لیکن تلک کی موت پر جو نظم ہے اس میں بعض تجزیہ کے متعلق محض اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ ”مورخ ادبی“ میرے عقائد مذہبی کو بھی ویسا ہی سمجھنے لگے۔ اس لئے یہ ظاہر کئے دیتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نظم پورے شباب کے عالم میں کہی گئی جبکہ نہ مجھے مذہب کی خبر تھی اور نہ اپنی، اس لئے اس میں بیجا غلو اور بعض شدید قسم کی لغزشیں ہو گئی ہیں۔ میں نے بہت چاہا کہ یہ نظم دستیاب ہو جائے لیکن نہیں ہو سکی۔ اس لئے احتیاطاً اس قدر لکھ دیا گیا۔

اپنی خصوصیات شاعری کے متعلق فی الوقت کسی طویل مضمون نگاری کے لئے آمادہ نہیں۔ صرف کچھ کہنے کے لئے کچھ کہتا ہوں۔

مجھے اپنے شعر و ادب پر سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ میری زندگی اور میری شاعری میں بالکل مطابقت ہے۔ تضاد نہیں۔

نقائی اور استادانہ مشاطی میرے لئے تنگ رہی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ تنگ سمجھتا رہوں گا۔ دوسری خصوصیات کی جانب بہت کم حضرات کی توجہ منعطف ہوئی ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ میں نے (اول کلام کا کچھ زمانہ چھوڑ کر) حسن کی قصائی ہندی یا ایرانی عاشق کی طرح عشق کو ذلیل اور رسوا صورت میں ہر گز پیش نہیں کیا بلکہ حسن ہو یا عشق ان کے حقیقی تاثرات و واردات کو تا امکان صحیح صحیح شاعرانہ انداز بیان کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے۔

محاکات کے اعتبار سے اکثر مقامات آپ کو ایسے ملیں گے کہ مصور کے تمام کمالات ان کی تصویر کشی میں بیکار محض ثابت ہوں گے۔

لفظی و معنوی دونوں حیثیتوں میں آپ کو اکثر و بیشتر مستقل اضافات و اولیات ملیں گے جنہیں بخوف طوالت چھوڑنا ہوں۔ وقت نہیں کہ اس میں زیادہ کچھ لکھا جاسکے۔ ناظرین نکتہ رس خود ہی اندازہ فرمائیں گے۔

ممکن ہے کہ اکثر حضرات اپنے کلام پر اتنی ہی جنبش قلم کو پسند نہ فرمائیں گے لیکن اگر ازراہ انصاف غور فرمائیں گے تو یقیناً مان لیتا پڑے گا کہ شاعر سے زیادہ کسی دوسرے شاعر یا غیر شاعر کو اس کے کلام پر نقد و نظر کا حق نہیں۔ بشرطیکہ احتساب نفس کے ساتھ ہو میں نے جو کچھ لکھا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں انصاف کو مطلق دخل نہیں دیا گیا۔

میری زندگی گونا گوں انقلابات و تغیرات کا مجموعہ ہے جسے پیہم مصائب آلام کی آمیزش نے خدا جانے کیا۔ کیا بنا دیا ہے لیکن میں منہ بنانا کروں بسور نے کو بالطبع سخت ناپسند کرتا ہوں۔ خود میں نے کہا ہے

جاں ہمہ غم ساختم، رقصم بہ عشق
دل ہمہ خوں کردہ، خنداں میردم

پیشک جس طرح جذبات مسرت و انبساط فطرتی عطیات میں، اسی طرح جذبات غم و الم بھی۔ لیکن سچے رونے والے کہاں؟ الفاظ پیشک رونے والے صرف کئے جاتے ہیں لیکن دل ٹٹولے تو درد کا نام بھی نہیں۔

مشاقی کی بدولت الفاظ پر قدرت حاصل ہے، یا جو چاہو اور جس طرح چاہا کہہ دیا۔ زندگی کو شعر سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر سچے رونے والے ہوں بھی تاہم اس قسم کا ”شعر و ادب“ اولاً تو حیات قومی کے لئے ستم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ دویمش کامیاب رونا وہ رونا نہیں جس میں نسائیت و عمومیت پائی جاتی ہے۔ آپ میرے کلام میں بظاہر درد کا عنصر بہت کم پائیں گے۔ لیکن ذرا ٹھہر کر آپ اگر جذبات اور شعر کا جائزہ لیں گی تو ایک بہت ہی نازک سی موج درد ضرور محسوس کریں گے اور جس طرح میری زندگی تازہ بہ تازہ نوبہ نو انقلابات و تغیرات کے ماتحت تبدیل ہوتی گئی۔ بعینہ اسی طرح رنگ کلام بھی تبدیل ہوتا گیا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکا اور حافظہ نے مدد کی ”شعلہ طور“ کو مختلف ادوار میں تقسیم کر دیا۔ تاہم نظر ثانی کا محتاج رہ گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسری اشاعت میں پورا لحاظ رکھا جائے گا۔

”جگر“ مراد آبادی

urdukutabkhanapk.blogspot.com

آتشِ گل

میں اپنے اس مجموعہ کلام کو قائد ملت مولوی بہادر خاں مرحوم
 سابق نواب بہادر یار جنگ کے نام نامی سے منسوب کرنا اپنا اخلاقی
 اور ادبی فرض تصور کرتا ہوں جو سراپا گداز، مجسم اخلاص، فقید المثال
 مقرر، کامیاب مصلح، اپنے وقت کے عظیم المرتبت خطیب اور ایک
 جری انسان تھے۔ جن کے گفتار و کردار میں کوئی تضاد نہ تھا۔
 وہ بیک وقت تمام محاسن شعری کا احاطہ کر لیتے تھے۔ اور اچھے
 شعر سے اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے کہ میں نے اپنی پوری
 زندگی میں ایسا کوئی دوسرا خوش مذاق نہیں دیکھا۔ خدائے رحمان
 ورحیم اُن کی رُوح کو اپنا قُرب خاص عطا فرمائے!

جگر مراد آبادی

عزلیات

urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہر حقیقت کو بانداز تماشا دیکھا خوب دیکھا ترے جلووں کو مگر کیا دیکھا
جستجو میں تری یہ حاصل سودا دیکھا ایک اک ذرہ کا آغوش طلب وا دیکھا
آئینہ خانہ عالم میں کہیں کیا دیکھا تیرے دھوکے میں خود اپنا ہی تماشا دیکھا
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا جو یہ کہہ دے کہ ترا حسن سراپا دیکھا
دل آگاہ میں کیا کہئے جگر، کیا دیکھا لہریں لیتا ہوا اک قطرے میں دریا دیکھا

کوئی شائستہ و شایانِ غم دل نہ ملا!
ہم نے جس بزم میں دیکھا اُسے، تنہا دیکھا



یادش بخیر! جب وہ تصور میں آگیا شعر و شباب و حسن کا دریا بہا گیا
جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آگیا خود بن گیا حسین، دو عالم پہ چھا گیا
جو دل کا راز تھا اُسے کچھ دل ہی پا گیا وہ کر سکے بیاں، نہ ہمیں سے کہا گیا
ناصح فسانہ اپنا ہنسی میں اڑا گیا خوش فکر تھا کہ صاف یہ پہلو بچا گیا
اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا
دل بن گیا نگاہ، نگہ بن گئی زباں آج اک سکوتِ شوق قیامت ہی ڈھا گیا
میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگر!

وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا



کوئی جیتا، کوئی مرتا ہی رہا عشق اپنا کام کرتا ہی رہا
جمعِ خاطر کوئی کرتا ہی رہا دل کا شیرازہ بکھرتا ہی رہا
غم وہ میخانہ، کمی جس میں نہیں دل وہ پیانہ، کہ بھرتا ہی رہا
حسن تو تھک بھی گیا، لیکن یہ عشق کارِ معشوقانہ کرتا ہی رہا
وہ مٹاتے ہی رہے، لیکن یہ دل نقشِ بن بن کر اُبھرتا ہی رہا
دھڑکنیں دل کی سبھی کچھ کہہ گئیں دل کو میں خاموش کرتا ہی رہا

تم نے نظریں پھیر لیں، تو کیا ہوا؟
دل میں اک نشتر اُترتا ہی رہا



گدازِ عشق نہیں کم، جو میں جواں نہ رہا
نہیں کہ دل مرا وقفِ غم نہاں نہ رہا
رہے وہ شوق جو پابندایں و آں نہ رہا!
حجابِ عشق کو، اے دل، بہت غنیمت جان
چمن تو برقِ حوادث سے ہو گیا محفوظ
جنونِ سجدہ کی معراج ہے یہی شاید
وہی ہے آگ، مگر آگ میں دھواں نہ رہا
مگر وہ شیوہ فرسودہ بیاں نہ رہا
خوشا وہ سجدہ جو محدود آستان نہ رہا!
رہے گا کیا، جو یہ پردہ بھی درمیاں نہ رہا؟
مری بلا سے، اگر میرا آشیاں نہ رہا
کہ تیرے در کے سوا کوئی آشیاں نہ رہا
کمالِ قرب بھی شاید ہے عینِ بعدِ جگر!
جہاں جہاں وہ ملے، میں وہاں وہاں نہ رہا

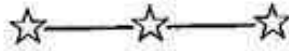


دل کو سکون، روح کو آرام آ گیا
جب کوئی ذکر، گردشِ ایام، آ گیا
غم میں بھی ہے سرور، وہ ہنگام آ گیا
دیوانگی ہو، عقل ہو، اُمید ہو کہ یاس
دل کے معاملات میں ناصح! شکست کیا؟
صیادِ شادماں ہے، مگر یہ تو سوچ لے
دل کو نہ پوچھ معرکہِ حسن و عشق میں
یہ کیا مقامِ عشق ہے، ظالم کہ ان دنوں
احباب مجھ سے قطعِ تعلق کریں جگر
اب آفتابِ زیت لبِ بام آ گیا



شعر و نغمہ، رنگ و نکلت، جام و صہبا ہو گیا
اور بھی آج، اور بھی ہر زخمِ گہرا ہو گیا
اس کو کیا کیجئے، زبانِ شوق کو چپ لگ گئی
اپنی اپنی وسعتِ فکر و یقین کی بات ہے
ہم نے سینے سے لگایا، دل نہ اپنا بن سکا
میں نے جس بُت پر نظر ڈالی جنونِ شوق میں
اُٹھ سکا ہم سے نہ بارِ التفاتِ ناز بھی
وہ چمن میں جس روش سے ہو کے گذرے بے نقاب
زندگی سے حسن نکلا اور رُسوا ہو گیا
بس کر اے چشمِ پشیمائیں، کام اپنا ہو گیا
جب یہ دل شائستہ عرضِ تمنا ہو گیا
جس نے جو عالم بنا ڈالا، وہ اُس کا ہو گیا
مسکرا کر تم نے دیکھا، دل تمہارا ہو گیا
دیکھتا کیا ہوں، وہ تیرا ہی سراپا ہو گیا
مرحبا، وہ جس کو تیرا غم گوارا ہو گیا
دفعتا ہر ایک گل کا رنگ گہرا ہو گیا

شش جہت آئینہ حسنِ حقیقت سے جگر
قیں دیوانہ تھا، محو روئے لیلیٰ ہو گیا



رخصت اے دیرو حرم، دل کا مقام آہی گیا
باش اے گروں کہ وقتِ انتقام آہی گی
تو بہ جس سے کانپتی تھی، وہ مقام آہی گیا
رفتہ رفتہ سامنے حسنِ تمام آہی گیا
آخر آخر اک مقام بے مقام آہی گیا
میں یہ سمجھا، جیسے مجھ تک دورِ جام آہی گیا
ناگہاں آنکھوں کو اشکوں کا سلام آہی گیا
ہو شیار اے عشق، وہ نازک مقام آہی گیا
خود زمانہ بن کے تیغ بے نیام آہی گیا
زندگی کو راسِ دردِ نا تمام آہی گیا
بہکا بہکا سا مگر طرزِ کلام آہی گیا

رو بروئے دوست ہنگام سلام آہی گیا
منتظر کچھ رند تھے جس کے وہ جام آہی گیا
ہر نفس خود بن کے میخانہ بہ جام آہی گیا
اللہ اللہ، یہ مری ترک و طلب کی وسعتیں!
اول اول ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
التفاتِ چشمِ ساقی کی سبک تابی نہ پوچھ
عشق کو تھا کب سے اپنی خشک دامانی کا رنج
ہر نگہ پر بندشیں، ایک اک نفس کی پرش
اہل دنیا اور کفرانِ زمانہ تا کب؟
شوق نے ہر چند صدا تفرقے ڈالے، مگر
صحبتِ رنداں سے واعظ کچھ نہ حاصل کر سکا

بے جگر سونا پڑا تھا مدتوں سے میکدہ
پھر وہ دریا نوش، رندِ تشنہ کام آہی گیا



ہر سانس ہے پیغمبرِ اسرارِ محبت
اچھے نظر آتے نہیں آثارِ محبت
اظہارِ محبت! ارے اظہارِ محبت!
اک یہ بھی ہے اندازِ فسوں کا محبت!
دم لینے دے اے لذتِ آثارِ محبت
اللہ رے، یہ شعلہٗ رخسارِ محبت!
کونین ہے خود عاشیہ بردارِ محبت
ایسا بھی کوئی جذبہٗ سرشارِ محبت
دیکھے ہیں برستے ہوئے انوارِ محبت
چہرے سے تو کھلتے نہیں آثارِ محبت
تو، اور یہ احساسِ گراں بارِ محبت!

سنے میں اگر ہو دلِ بیدارِ محبت
وہ بھی ہوئے جاتے ہیں طرفِ دارِ محبت
ہشیار ہو، اے بے خود و سرشارِ محبت!
تادیر نہ ہو دل بھی خبردارِ محبت
توہینِ نگاہِ کرم یار کہاں تک؟
سب بھونک دیئے خار و خسِ مذہب و ملت
کونین سے کیا اہل محبت کو سروکار؟
جو عرش کی رفعت کو بھی اُس در پہ ٹھکا دے
میں نے انہیں تاریک فضاؤں میں بھی اکثر
ناصح کو ہے کیوں میری محبت سے سروکار؟
میں اور یہ ممکنِ غمِ عشق، ارے توبہ!

اب عرضِ محبت کی جگر کیوں نہیں جرات
وہ سامنے ہیں، گرم ہے بازارِ محبت



غم ہے کیا زینہٴ صفات و ذات
نغمہٴ آرزو و رقصِ حیات!
تو محبت کو لازوال بنا
ہم نے دیکھے ہیں جاگتے ہوئے دل
آرزو ہر نفسِ حیات و مرگ
باتوں باتوں میں آج تو سرِ بزم
آپ جو کچھ کہیں بجا، لیکن
خُسن ہی خُسن، جلوہ ہی جلوہ
عشق وہ تشنہٴ کام ہے کہ جسے
اے کمالِ سخن کے دیوانے
”ماورائے سخن بھی ہے اک بات“



تیرا تصور شب ہمہ شب
دعویٰ شوق اور شکوہ بلب
باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک
آہی گیا اک مستِ شباب
خُسنِ مکمل، جذب و گریز
بیت گئی جو دل پہ نہ پوچھ
ترکِ طلب اور اطمینان
خلوتِ غم بھی بزمِ طرب
شرم! دلِ آرام طلب
تیری طلب یا اپنی طلب
شیشہٴ بدست و نغمہٴ بلب
عشقِ مسلسل، ترک و طلب
ہجر کی شب اور آخرِ شب
دیکھ تو میرا خُسنِ طلب
ہائے وہ دردِ دل کہ جگر
کچھ نہیں کھلتا جس کا سبب

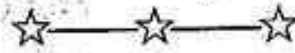


پرائے ہاتھوں چنے کی ہوس کیا؟
مکان و لامکان سے بھی گذر جا
نشین ہی نہیں تو پھر قفس کیا؟
فضائے شوق میں پروازِ خس کیا؟

کرم صیاد کے صدا ہیں، پھر بھی فراغ خاطر اہل قفس کیا؟
 محبت سرفروشی، جاں سے پیاری محبت میں خیال پیش و پس کیا؟
 اجل خود زندگی سے کانپتی ہے اجل کی زندگی پر دسترس کیا؟
 زمانے پر قیامت بن کے چھا جا بنا بیٹھا ہے طوفاں در نفس کیا؟
 قفس سے ہے اگر بیزار بلبل بس تو پھر یہ فغل ترین قفس کیا؟
 لہو آتا نہیں کھنچ کر مودہ تک
 نہ آئے گی بہار آب کے برس کیا؟

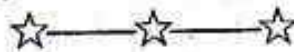


یک لحظہ خوشی کا جب انجام نظر آیا!!
 یہ کون تصور میں ہنگام سحر آیا؟
 خیر اُس کو نظر آیا، شر اُس کو نظر آیا
 اُس بزم سے دل لے کر کیا آج اثر آیا؟
 اُس جانِ تغافل نے پھر یاد کیا شاید
 گلشن کی تباہی پر کیوں رنج کرے کوئی؟
 یہ محفل ہستی بھی کیا محفل ہستی ہے!
 جب کوئی اٹھا پردہ، میں خود ہی نظر آیا



دنیا کے ستم یار، نہ اپنی ہی وفا یاد
 میں شکوہ بلب تھا، مجھے یہ بھی نہ رہا یاد
 چھیڑا تھا جسے پہلے پہل تیری نظر نے
 جب کوئی حسیں ہوتا ہے سرگرم نوازش
 کیا جانے، کیا ہو گیا ارباب جنوں کو
 مدت ہوئی اک حادثہ عشق کو، لیکن
 ہاں ہاں، تجھے کیا کام مری شدتِ غم سے؟
 میں ترک رہ و رسم جنوں کر ہی چکا تھا

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
 کیجئے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد



شہد و ساقی و بہار سے دُور
تخت سے، تاج و تاجدار سے دُور
ہے خزاں اپنی ہر خزاں سے جدا
سُتم و بَورِ آسمان سے الگ
خطرۂ موت اب، نہ فکرِ حیات
پرتوِ حُسن ذات سے نزدیک
اک حقیقت، خیال سے برتر
عشق ہے اُس مقام پر کہ جہاں
حُسن ہے نقصِ اعتبار سے دُور



نغمہ ترا نفسِ نفس، جلوہ ترا نظرِ نظر
بن گئی مستقلِ عذاب، جان خرابِ شوق پر
ترا خلوصِ دلبری، جان نہ ڈال دے اگر
معرفتِ جمال میں، کام نہ آئے بال و پر
باہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستی بشر!
دیکھا ہے اک جہانِ خاص میں نے کبھی جگر
شورشِ درد، الامان! گردشِ دہر، الحذر!
آ، مری جان انتظار، آمرے آفتابِ شوق
عرضِ نیازِ عشق کا چاہیے اور کیا صلہ؟
لاکھ بیانِ دردِ دل، اک وہ تبسمِ حزیں
مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا؟
حُسن سے جو نہ ہو سکا، کر گئی حسن کی اک آہ

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمتِ شب جہاں جہاں
ایک طلوعِ آفتاب، دشت و چمن سحر سحر



حسینِ دل، تبسمِ نگاہِ پیدا کر
جسے ہوئے زمانہ کبھی بچھا نہ سکے
پھر اک لطیف سی خاموش آہ پیدا کر
قدم قدم پہ وہ اک شمعِ راہ پیدا کر

خلوصِ عشق و یقینِ حیات کے ہمراہ جنونِ شوق و فسونِ نگاہ پیدا کر
 رگوں میں بھر کے فروغِ جمالِ اِلّا اللہ نظر میں شعلگی لا اِلّٰہَ پیدا کر
 یہی زمیں ترا مسکن، یہی ترا مدفن
 اسی زمین سے تُو مہر و ماہ پیدا کر!



تری رحمت خطا بخش و خطا پوش مری جُرأت خطا کار و خطا کوش
 ہوا جاتا ہے دل پیاں فراموش کہاں سے، اے جنونِ خانہ بردوش؟
 یہ کہہ کر ہو گیا دیوانہ خاموش سلامِ آخری، اے جنتِ ہوش!
 خبر لے اپنی اے غارت گر ہوش ہوا جاتا ہے تو بھی خود فراموش
 نہ پہنچی آج دامن تک کسی کے بڑا احساں ترا، اے سوزِ خاموش!
 یہ اعجازِ نگاہِ نازِ ساقی! مری ہستی ہمہ مستی، ہمہ ہوش!
 اسی کو بڑھ کے ہوتا ہے قیامت سلامت باکرامت فتنہ ہوش
 ہمیں شکوے تھے کیا کیا اُن سے لیکن
 ہمیں ثابت ہوئے احساں فراموش



وہ احساسِ شوقِ جواں اوّل اوّل وہ اک عالمِ گلفشاں اوّل اوّل
 وہ خود ساختہ اک طلسمِ حتمّا وہ تالیف و تصنیفِ جاں اوّل اوّل
 وہ موہوم سا اک جہانِ محبت وہ مبہم سی اک داستاں اوّل اوّل
 تخیل میں رنگینیاں رفتہ رفتہ تصور میں تصویرِ جاں اوّل اوّل
 وہ اک گلفتِ شادماں تازہ تازہ وہ اک عشرتِ سرگراں اوّل اوّل
 مجسم و تعبیرِ خوابِ محبت! وہ نظارہٴ ناگہاں اوّل اوّل
 وہ اک میکرِ حُسنِ معصوم و سادہ وہ اک جلوۂ بے اماں اوّل اوّل
 تکلم میں بے ربط سا اک تسلسلِ خوشی میں حُسنِ بیاں اوّل اوّل

جگر آہ انجام و آغازِ اُلفت

سکوتِ آخرِ آخر، فغاںِ اوّل اوّل



محبت میں جگر گزرے ہیں ایسے بھی مقامِ اکثر کہ خود لینا پڑا ہے اپنے دل سے انتقامِ اکثر

کہاں حُسنِ تمام یار و تکلیفِ کرم کوشی؟
 مری رندی بھی کیا رندی، مری مستی بھی کیا مستی؟
 بدلتی ہے دُنیا اک نگاہِ ناتمام اکثر
 میری توبہ بھی بن جاتی ہے میخانہِ بجام اکثر
 محبت نے اسے آغوش میں بھی پالیا آخر
 تصویر ہی میں رہتا تھا جو اک محشرِ خرام اکثر
 جگر ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہنگامِ سیہ مستی
 نظر سے چھپ گئے ہیں ساقی و مینا و جام اکثر



اللہ رے اس گلشنِ ایجاد کا عالم!
 اُف رنگِ رُخِ بانیِ بیدار کا عالم!
 جو صید کا عالم، وہی صیاد کا عالم
 جیسے کسی مظلوم کی فریاد کا عالم
 کیا جانئے، کیا ہے دلِ ناشاد کا عالم!
 جلّاد سے پوچھے کوئی جلّاد کا عالم
 تیرا ہی تو عالم ہے، تری یاد کا عالم
 عالم تو ہے صرف اک مری افتاد کا عالم
 اربابِ چمن سے نہیں، پوچھو یہ چمن سے
 کیوں آتشِ گل میرے نشیمن کو جلائے
 تنکوں میں ہے خود برقِ چمن زاد کا عالم



حُسنِ کافرِ شباب کا عالم
 عرقِ آلودِ چہرہِ تاباں
 سر سے پا تک شراب کا عالم
 شبنم و آفتاب کا عالم
 کچھ حیا، کچھ عتاب کا عالم
 شوخیوں میں حجاب کا عالم
 ہمہ حسن و شباب کا عالم
 وہ شبِ ماہتاب کا عالم!
 زگس نیم خواب کا عالم!
 یک بیک اجتناب کا عالم
 ایک سادہ جواب کا عالم
 دل کا عالم، حجاب کا عالم
 اک شکستہ رُباب کا عالم
 حُسنِ کافرِ شباب کا عالم
 عرقِ آلودِ چہرہِ تاباں
 وہ مری عرضِ شوقِ بے حد پر
 اللہ اللہ وہ امتزاجِ لطیف!
 ہمہ نور و سرور کی دُنیا
 وہ لبِ بجوئے بار و موسمِ گل!
 زانوئے شوق پر وہ پچھلے پہر
 دیر تک اختلاطِ راز و نیاز
 لاکھ رنگیں بیانیوں پہ مری
 غم کی ہر موج، موجِ طوفاں خیز
 دلِ مطرب سمجھ سکے، شاید

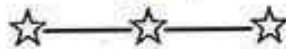
وہ سماں آج بھی ہے یاد جگر
ہاں مگر جیسے خواب کا عالم



جنوں کم، جستجو کم، تشنگی کم . نظر آئے نہ کیوں دریا بھی شبنم
بجھ اللہ! تو ہے جس کا ہدم خوشا یہ التفاتِ حسنِ برہم!
توجہ بے نہایت اور نظر کم کہ ہر عالم ہے لغزش ہائے پیہم
مری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ عالم خطا کیونکر نہ ہوتی عافیت سوز؟
خوشا یہ نسبتِ حسن و محبت! جہاں بیٹھے، نظر آئے ہمیں ہم
وہ اک حسنِ سراپا، اللہ اللہ! کہ جس کی ہر ادا عالم ہی عالم
کہاں پہلوئے خورشید جہاں تاب کہاں اک نازیں دوشیزہ شبنم!
مُرت، زندگی کا دوسرا نام
مُرت کی تمنا، مستقبلِ غم



رکھتے ہیں خضر سے، نہ غرض رہنما سے ہم چلتے ہیں بچ کے دُور ہر اک نقشِ پا سے ہم
مانوس ہو چلے ہیں جو دل کی صدا سے ہم شاید کہ جی اُٹھے تری آوازِ پا سے ہم
یا رب! نگاہ شوق کو دے اور وسعتیں گھبرا اُٹھے جمالِ جہت آشنا سے ہم
مخصوص کس کے واسطے ہے رحمت تمام پوچھیں گے ایک دن یہ کسی پارسا سے ہم
او مسّتِ نازِ حسن! تجھے کچھ خبر بھی ہے؟ تجھ پر نثار ہوتے ہیں کس کس ادا سے ہم
یہ کون چھا گیا ہے دل و دیدہ پر کہ آج
اپنی نظر میں آپ ہیں نا آشنا سے ہم



یہ ڈرے جن کو ہم خاکِ رہ منزل سمجھتے ہیں زبانِ حال رکھتے ہیں، زبانِ دل سمجھتے ہیں
جسے سب لوگ حسن و عشق کی منزل سمجھتے ہیں بلند اس سے بھی ہم اپنا مقام دل سمجھتے ہیں
حقیقت میں جو رازِ دُوری منزل سمجھتے ہیں انہیں کو ہم سلوکِ عشق میں کامل سمجھتے ہیں
ہمیں وہ کیوں جفائے خاص کے قابل سمجھتے ہیں؟ یہ رازِ دل ہے، اس کو محرمانِ دل سمجھتے ہیں
اسی اک جرم پر اغیار میں برپا قیامت ہے کہ ہم بیدار ہیں اور اپنا مستقبل سمجھتے ہیں

نگاہوں میں کچھ ایسے بس گئے ہیں حسن کے جلوے
کوئی مانے نہ مانے اس کو، لیکن یہ حقیقت ہے
یہ نرم و ناتواں موجیں خودی کا راز کیا جانیں؟
حکومت کے مظالم جب سے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں
کوئی محفل ہو، لیکن ہم تری محفل سمجھتے ہیں
ہم اپنی زندگی میں غیب کو شامل سمجھتے ہیں
قدم لیتے ہیں طوفاں، عظمت ساحل سمجھتے ہیں
جگر ہم بمبئی کو کوچہ قاتل سمجھتے ہیں



یہ تو نہیں کہ عرضِ غم در خورِ اعتنا نہیں
نالہ جاں فروز با نغمہ غم فزا نہیں
پیشِ نظر ہے حسنِ دوست، حسن کے ماسوا نہیں
غیر نے کچھ اگر کہا، رنج کرے تری بلا
بیٹھے ہیں بزمِ دوست میں گم شدگانِ حسنِ دوست
پینے سے کام ہے ہمیں میکدہ حیات میں
بھول وہی، چن وہی، فرقِ نظرِ نظر کا ہے
پھر یہ جدائیاں ہیں کیوں، پھر یہ دہائیاں ہیں کیا؟
اے مرے مقصدِ حیات! گوشہ چشمِ التفات
اُف یہ کرشمہ کاریاں ہائے یہ ربطِ حسن و عشق!

حسن کو لیکن اے جگر فرصت ماسوا نہیں
اے دلِ فتنہ آفریں! تُو ہے اگر، تو کیا نہیں
عشق میں مبتلا ہوں میں شرک میں مبتلا نہیں
تو ہی جو با وفا نہیں، کوئی بھی با وفا نہیں
عشق ہے اور طلب نہیں، نغمہ ہے اور صدا نہیں
ظرفِ جدا جدا سہی، اصلِ جدا جدا نہیں
عہدِ بہار میں تھا کیا، دورِ خزاں میں کیا نہیں؟
عشق سے تُو الگ نہیں، حسن سے میں جدا نہیں
ایک نگہ تو ہے بہت، نیم نگہ میں کیا نہیں؟
مجھ پہ کوئی نظر نہیں، تیری کوئی خطا نہیں

خشک نہ لب نہ آنکھ تر، واہ رے حضرتِ جگر!

جیسے کہ دُور کا بھی اب عشق سے واسطہ نہیں



مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں
مکمل نہیں ہے جُونِ بحس
ہیں تک نہیں عشق کی سیر گاہیں
محبت کی منزل ہی شاید نہیں ہے
محبت نہیں صرف مقصودِ انساں
قفص توڑ کر مطمئن ہو نہ بلبل!
بہت دل کے حالات کہنے کے قابل
نہیں منحصر کچھ مے و میکدہ تک
خوشا درسِ غیرت، زہے عشقِ تنہا!

مکان اور بھی، لامکان اور بھی ہیں
مسلسل جہاں در جہاں اور بھی ہیں
مہ و انجم و کہکشاں اور بھی ہیں
کہ جب دیکھئے امتحاں اور بھی ہیں
محبت میں کارِ جہاں اور بھی ہیں
قفص صورتِ آشیاں اور بھی ہیں
درائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں
مری تشنہ سامانیاں اور بھی ہیں
وہاں میں نہیں ہوں، جہاں اور بھی ہیں

صبا! خاکِ دل سے بچا اپنا دامن ابھی اس میں چنگاریاں اور بھی ہیں
 انہیں جس سے ہے اعتمادِ محبت
 وہ مجھ سے جگرِ بدگماں اور بھی ہیں



دل میں کسی کے راہ کئے جا رہا ہوں میں
 دنیائے دل تباہ کئے جا رہا ہوں میں
 فردِ عمل سیاہ کئے جا رہا ہوں میں
 ایسی بھی اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
 مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
 دفتر ہے ایک معنی بے لفظ و صوت کا
 آگے قدم بڑھائیں، جنہیں سوجھتا نہیں
 معصومی جمال کو بھی جن پہ رشک ہے
 تنقیدِ حسنِ مصلحت خاصِ عشق ہے
 اٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اُس کے زور و
 گلشن پرست ہوں، مجھے گل ہی نہیں عزیز
 یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر!

مجھ سے ادا ہوا ہے جگرِ جستجو کا حق
 ہر ذرے کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں



بے کیف ہے دل اور جئے جا رہا ہوں میں
 پیہم جو آہ آہ کئے جا رہا ہوں میں
 مجبوری کمالِ محبت تو دیکھنا!
 وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار کیجئے
 رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
 خالی ہے شیشہ اور پئے جا رہا ہوں میں
 دولت ہے غم، زکوٰۃ دیئے جا رہا ہوں میں
 جینا نہیں قبول، جئے جا رہا ہوں میں
 مجبوریاں ہیں، ساتھ دیئے جا رہا ہوں میں
 کہنے کی بات ہے کہ جئے جا رہا ہوں میں

پہلے شرابِ زیست تھی، اب زیست ہے، شراب
 کوئی پلا رہا ہے، پئے جا رہا ہوں میں



جو سرتوں میں خلش نہیں، جو اذیتوں میں مزا نہیں
 ترے حسن کا بھی قصور ہے، مرے عشق ہی کی خطا نہیں
 مرے جذبِ عشق پہ رحمتیں، مجھے بے بسی کا گلا نہیں
 ترے جبرِ حسن کی خیر ہو، مرے اختیار میں کیا نہیں؟
 مرا ذوق بھی، مرا شوق بھی، ہے بلند سطحِ عوام سے
 ترا ہجر بھی، ترا وصل بھی، مرے دردِ دل کی دوا نہیں
 جسے میں بھی خود نہ بتا سکا، مرا رازِ دل ہے وہ رازِ دل
 جسے غیر دوست سمجھ سکے مرے ساز میں وہ صدا نہیں
 مرا نالہ ہو شرِ با ہو کیا، مرا نغمہ رُوحِ فزا ہو کیوں؟
 کہ چمن میں پھول تو ہیں وہی، مگر ان میں یوئے وفا نہیں
 یہ طریقِ عہد ہے خوب تر، مگر آہِ واعظِ بے خبر!
 اسے ساز گار ہو زہد کیا، جسے معصیت بھی روا نہیں؟
 مرے درد میں یہ خلش کہاں، مرے سوز میں یہ تپش کہاں؟
 کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہیں
 وہ ہزار دشمنِ جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے
 جسے خاکِ پا تری چھو گئی، وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہیں
 وہی ربطِ عشق و جمال ہے، ترا اور کچھ جو خیال ہے
 یہ سمجھ، تجھی میں ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنسِ وفا نہیں
 وہی میں ہوں اور وہی انجمن، مگر آج ہے مرا حال کیا
 یہ گمان ہے کہ حقیقتاً کوئی اور تیرے سوا نہیں
 مرے شعر میں ہیں نزاکتیں، مری نظم میں ہیں لطافتیں
 مری فکر میں کہیں اے جگر! ادبِ کثیف کی جا نہیں



اُس رُخ پہ ازدحامِ نظر دیکھتا ہوں میں کانٹوں کی گود میں گلِ تر دیکھتا ہوں میں
 سعیِ مآلِ فکر و نظر دیکھتا ہوں میں! منزلِ رواں دواں ہے، جدھر دیکھتا ہوں میں
 تاثیرِ التفاتِ نظر دیکھتا ہوں میں کونین اپنے زیرِ اثر دیکھتا ہوں میں
 خود جس میں آرزوئے شکستِ غرور ہے ایسی بھی آج ایک نظر دیکھتا ہوں میں

رعبِ جمال و جذبِ محبت تو دیکھنا اُٹھتی نہیں نگاہ مگر دیکھتا ہوں میں
 تنہا نہیں ہے عشق ہی رسوائے جستوا! خودِ حسن کو بھی گرم سفر دیکھتا ہوں میں
 اللہ رے کمالِ خودی کی یہ وسعتیں! میرا ہی سامنا ہے، جدھر دیکھتا ہوں میں
 اے عشق شاد باش کہ آج ان کو بار بار مصروفِ احتیاط نظر دیکھتا ہوں میں
 محوِ خرامِ ناز ہیں صحنِ چمن میں وہ گستاخی نسیمِ سحر دیکھتا ہوں میں
 میرا مقامِ عشق مقامِ فنا نہیں دُنیاۓ زندگی ہے، جدھر دیکھتا ہوں میں
 شاید انہیں بھی اس کی خبر ہو نہ اے جگر!

در پردہٴ نظر جو نظر دیکھتا ہوں میں



جو عشقِ معتبر یہ کسی کو خبر نہیں ایسا بھی حسن ہے جو بقیدِ نظر نہیں
 سنجیدگی ہزار ہو، غم سے مفر نہیں دریا اسی میں بند ہے، جو آنکھ تر نہیں
 دنیا کو دیکھ دیدہٴ روشن نگاہ سے فردوسِ زندگی ہے، وبالِ نظر نہیں
 جو ہر نفس کے ساتھ نہ لائے پیامِ دوست ہرگز وہ میری شام، وہ میری سحر نہیں
 یہ شرمگین نگاہ، یہ انکارِ مضحل پھر کیا ہے، اعترافِ محبت اگر نہیں؟
 وہ کون سا ہے جلوہ، مکرر کہیں جسے؟ وہ کونسی نظر ہے جو پہلی نظر نہیں؟
 طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر! ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہیں؟

بھوپال اگرچہ خلدِ بدامن ہے، اے جگر!

دل کیا شگفتہ ہو کہ نسیمِ جگر نہیں



محبت میں یہ کیا مقام آرہے ہیں! کہ منزل پہنچے ہیں اور چلے جا رہے ہیں
 یہ کہہ کہہ کے ہم دل کو بہلا رہے ہیں وہ اب چل چکے ہیں، وہ اب جا رہے ہیں
 وہ از خود ہی نادم ہوئے جا رہے ہیں خدا جانے، کیا کیا خیال آرہے ہیں!
 ہمارے ہی دل سے مزے اُن کے پوچھو وہ دھوکے جو دانستہ ہم کھا رہے ہیں
 جفا کرنے والوں کو کیا ہو گیا ہے؟ وفا کر کے بھی ہم تو شرما رہے ہیں
 وہ عالم ہے اب، یارو اغیار کیسے ہمیں اپنے دشمن ہوئے جا رہے ہیں

مزاج گرامی کی ہو خیر، یا رب!
کئی دن سے اکثر وہ یاد آ رہے ہیں



کہاں کے لالہ و گل، کیا بہارِ توبہ شکن
یہ کس غضب کی محبت نے ڈال دی اُبھن
خلوصِ شوق، نہ جوشِ عمل، نہ دردِ وطن
جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
وطن ہی جب نہیں اپنا تو پھر کہاں کا وطن؟
غضب ہے، قہر ہے، انسان کی یہ بواجبی
یہ مرحلہ بھی مری حیرتوں نے دیکھ لیا
مرا شعورِ محبت ہے کس لئے ہمہ گوش؟
ابھی ہے دل کو مقامِ سپردگی سے گریز
بہ ہوش باش کہ وہ انقلاب آپہنچا
خردِ حقیقتِ چالاک و پخت و مستِ خرام
حضورِ دوست یہی جرمِ زندگی نکلا!
جنوں کی بے سرو سامانیوں پہ رنج نہ کر
جہانِ حُسن کو بھی جس نے کر دیا بیدار
ہر ایک لحظہ ہے درِ پیشِ کارزارِ حیات
وہی ہے رُوحِ محبت، وہی ہے جسمِ وفا

مقامِ عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ جگر
کمالِ آگہی و سخت آگہی دشمن



اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں
یہ تو نے کہا کیا اے ناداں، فیاضی قدرت عام نہیں؟
تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں؟
یارب! یہ مقامِ عشق ہے کیا؟ گودیدہ و دل ناکام نہیں

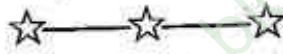
تسکین ہے اور تسکین نہیں، آرام ہے اور آرام نہیں
کیوں مست و شرابِ عیش و طرب تکلیفِ توجہ فرمائیں؟

آوازِ شکستِ دل ہی تو ہے، آوازِ شکستِ جام نہیں
آنا ہے جو بزمِ جاناں میں، پندارِ خودی کو توڑ کے!

اے ہوش و خرد کے دیوانے! ہاں ہوش و خرد کا نام نہیں!
زاہد نے کچھ اس انداز سے پی، ساقی کی نگاہیں پڑے لگیں

مے کش یہی اب تک سمجھے تھے شائستہ دردِ جام نہیں
عشق، اور گوارا خود کر لے بے شرطِ شکستِ فاش اپنی

دل کی بھی کچھ ان کے سازش ہے، تنہا یہ نظر کا کام نہیں
سب جس کو اسیری کہتے ہیں، وہ تو ہے اسیری ہی، لیکن
وہ کوئی آزادی ہے یہاں، جو آپ خود اپنا دام نہیں؟



اب لفظِ بیاں سب ختم ہوئے، اب دیدہ و دل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغامِ اپنا، اب عشق کا کچھ پیغام نہیں
اللہ کے علم و حکمت کے محدود اگر اکرام نہیں

ہر سانس کے آنے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں؟
ہر حُلہ تمنا پیشِ نظر، ہر جنتِ نظارہ حاصل

پھر بھی ہے وہ کیا شے سینے میں، ممکن ہی جسے آرام نہیں؟
یہ حسن ہے کیا، یہ عشق ہے کیا، کس کو ہے خبر اس کی؟ لیکن

بے جامِ ظہورِ بادہ نہیں، بے بادہ فروغِ جام نہیں
زاہد ترے ان سجدوں کے عوض، سب کچھ ہو مبارک تجھ کو مگر

وہ سجدہ یہاں ہے کفرِ جبین، جو سجدہ کہ خود انعام نہیں
دنیا یہ دکھی ہے پھر بھی مگر، تھک کر ہی سہی، سو جاتی ہے

تیرے ہی مقدر میں اے دل، کیوں چین نہیں، آرام نہیں
اک شاہد و معنی و صورت کے ملنے کی تمنا سب کو ہے

ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں

پینے کو تو سب پیتے ہیں جگر میخانہ فطرت میں، لیکن
محروم نگاہ سانی ہے، وہ رند جو، درد آشام نہیں



جب تک انسان پاک طینت ہی نہیں وہ محبت، وہ عداوت ہی نہیں
سینہ آہن بھی تھا جس سے گداز آدمی کے پاس سب کچھ ہے، مگر
بچ کے رہ جائے، وہ غنچہ ہی کہاں؟ حسن کو سمجھا ہے کیا، اے یو الہوس!

صرف نقالی ہے مغرب کی جگر
شعر میں اب مشرقیت ہی نہیں!



بے ربط حسن و عشق یہ کیف و اثر کہاں؟ تیرے بغیر رونق دیوار و در کہاں؟
کیا جانے، خیال کہاں ہے، نظر کہاں! ہر جلوہ جمال ہے برق گریز پا
مانا کہ مختب بھی بڑا با شعور ہے مل کر ہجوم جلوہ میں خود جلوہ بن گئی
آج اس کی مہمان ہے، کل اس کی مہماں کہنے کو اہل علم کی کوئی کمی نہیں!
ترک تعلقات کو مدت گذر چکی ہر اعتبار دوست پہ صدقے ہزار جان
عرصہ ہوا کہ رسم محبت بدل گئی! ہر گام پر ہے منزل نو جستجو طلب
صد عشرت نگاہ مسلسل خوشا نصیب!

تھی زندگی عزیز، مگر اس قدر کہاں؟ شام و سحر کا نام ہے، شام و سحر کہاں؟
تیری خبر کے بعد پھر اپنی خبر کہاں؟ اے دل! یہاں تجلی بارِ دگر کہاں؟
لیکن اسے نزاکتِ غم کی خبر کہاں؟ پہنچا ہے کس جگہ سے مقامِ نظر کہاں؟
اس خانماں خرابِ محبت کا گھر کہاں؟ لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں؟
ظالم ترے خیال سے پھر بھی مفر کہاں؟ لیکن وہ کیفِ وعدہ نامعتبر کہاں؟
دامن سے وہ معاملہ چشم تر کہاں؟ جاتا ہے سر اٹھائے ہوئے بے خبر کہاں؟
لیکن لطافتِ نگہ مختصر کہاں؟

ہر چند کائنات دو عالم میں، اے جگر!
انسان ہی ایک چیز ہے، انسان مگر کہاں؟



عشق کی بربادیوں کو رائیگاں سمجھا تھا میں
 بے حجابی کو حجاب درمیاں سمجھا تھا میں
 ہر نگہ کو طبعِ نازک پر گراں سمجھا تھا میں
 شاد باش و زندہ باش اے عشق خود سودائے من
 کیا خبر تھی، خود وہ نکلیں گے برابر کے شریک؟
 یاد لیا مے کہ جب ذوقِ طلبِ کامل نہ تھا
 آدمی کو آدمی سے بعد، وہ بھی کس قدر!
 کیا بتاؤں کس قدر زنجیرِ پا ثابت ہوئے
 زندگی نکلی مسلسل امتحاں در امتحاں
 اس گھڑی کی شرم رکھ لے، اے نگاہِ نازِ دوست
 میری ہی زوداد ہستی تھی مرے ہی سامنے

پردہ اٹھا تو وہی صورت نظر آئی جگر

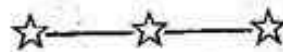
مَدّتوں رُوح القدس کو ہم زباں سمجھا تھا میں



سبھی اندازِ حُسن پیارے ہیں
 اُس کی راتوں کا انتقام نہ پوچھ
 اے سہاروں کی زندگی والو،
 لالہ و گل سے تجھ کو کیا نسبت؟
 ہم تو اب ڈوب کر ہی ابھریں گے
 شبِ فرقت بھی جگمگا اٹھی
 آتشِ عشق وہ جہنم ہے
 وہ ہمیں ہیں کہ جن کے ہاتھوں نے

حُسن کی بے نیاز یوں پہ نہ جا!

بے اشارے بھی کچھ اشارے ہیں



یہ صحنِ درویش، یہ لالہ و گل، ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں

تخریبِ جنوں کے پردے میں تعمیر کے سماں ہوتے ہیں

منڈلائے ہوئے جب ہر جانب طوفاں ہی طوفاں ہوتے ہیں
 دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دست و گریباں ہوتے ہیں
 اس جہد و طلب کی دنیا میں کیا کار نمایاں ہوتے ہیں!
 ہم صرف شکایت کرتے ہیں، وہ صرف پشیمیاں ہوتے ہیں
 بیدار عزائم ہوتے ہیں، اسرار نمایاں ہوتے ہیں
 جتنے وہ ستم فرماتے ہیں، سب عشق پہ احساں ہوتے ہیں
 رندوں نے جو چھیڑا زاہد کو، ساقی نے کہا کس طنز سے آج!
 اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں، کم ظرف جو انساں ہوتے ہیں
 تو خوش ہے کہ تجھ کو حاصل ہیں، میں خوش کہ مرے حصے میں نہیں
 وہ کام جو آساں ہوتے ہیں، وہ جلوے جو ارزاں ہوتے ہیں
 آسودہ ساحل تو ہے مگر، شاید یہ تجھے معلوم نہیں
 ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں
 یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع نہ ہو جائے گا، لیکن
 کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں
 جو حق کی خاطر جیتے ہیں، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر!
 جب وقت شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں



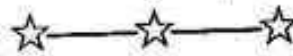
غم معتبر نہیں ہے، مکمل خوشی نہیں
 یہ تو نہیں کہ مجھ کو سرے کشی نہیں
 لیکن ابھی نہیں، مرے ساقی، ابھی نہیں
 دل میں نہیں اگر، تو کہیں روشنی نہیں
 جو تیرے سامنے ہے، حقیقت وہی نہیں
 واعظ اب اور کیا کہوں، لیکن خطا معاف!

کیا جانئے یہ کون سا عالم ہے، اے جگر!
 دل مضطرب ہے اور کوئی بات بھی نہیں



کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن
 لاکھ بلائیں، ایک نشین
 کامل رہبر، قاتل رہ زن
 دل سا دوست، نہ دل سا دشمن
 مہول کھلے ہیں گلشن گلشن
 لیکن اپنا اپنا دامن

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
خیر مزاجِ حسن کی، یارب!
آ، کہ نہ جانے تجھ بن کب سے
آج نہ جانے راز یہ کیا ہے
عمریں بیتیں، صدیاں گذریں
تجھ سا حسین اور خونِ محبت
برقِ حوادث، اللہ اللہ!
تو نے سلجھ کر گیسوئے جاناں
رحمت ہو گی طالبِ عصیاں
دل کہ مجسمِ آئینہِ سماں
بیٹھنے میں ہم ہر بزم میں، لیکن
ہستی شاعر اللہ اللہ! (قطعہ)
رنگیں فطرت، سادہ طبیعت
کام ادھورا اور آزادی
شمع ہے، لیکن دُھندلی دُھندلی!
کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر
چلتی پھرتی چھاؤں ہے پیارے
کس کا صحرا، کیا گلشن؟



ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
بے فائدہ الم نہیں، بے کار غم نہیں
میری زباں پہ شکوۂ اہلِ ستم نہیں
یا رب! جہنمِ درد کو دے اور وسعتیں
شکوہ تو ایک چھیڑ ہے، لیکن حقیقتاً
اب عشق اس مقام پہ ہے جستجوِ نور
ملتا ہے کیوں مزہ ستمِ روزگار میں!
زاہد کچھ اور ہو نہ ہو میخانے میں، مگر
ہم سے زمانہ خود ہے، زمانے سے ہم نہیں
توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں
مجھ کو جگا دیا، یہی احسان کم نہیں
دامن تو کیا ابھی مری آنکھیں بھی غم نہیں
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں
سایہ نہیں جہاں، کوئی نقشِ قدم نہیں
تیرا کرم بھی خود جو شریکِ ستم نہیں
کیا کم یہ ہے کہ فتنہ دیر و حرم نہیں

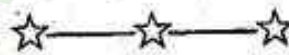
مرگ جگر پہ کیوں تری آنکھیں ہیں اشک ریز؟
اک سانحہ سہی، مگر اتنا اہم نہیں



عشق لامحدود جب تک رہ نما ہوتا نہیں
بیکراں ہوتا نہیں، بے انتہا ہوتا نہیں
اس سے بڑھ کر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں
زندگی اک حادثہ ہے، اور کیسا حادثہ
کون یہ ناصح کو سمجھائے بطرز دل نشیں
درد سے معمور ہوتی جا رہی ہے کائنات
میری عرض غم پہ وہ کہنا کسی کا ہائے ہائے!
اُس مقامِ قرب تک اب عشق پہنچا ہے، جہاں
ہر قدم کے ساتھ منزل، لیکن اس کا کیا علاج
اللہ اللہ یہ کمالِ ارتباطِ حسن و عشق!

زندگی سے زندگی کا حق ادا ہوتا نہیں
قطرہ جب تک بڑھ کے قلمز آشنا ہوتا نہیں
سب جدا ہو جائیں، لیکن غم جدا ہوتا نہیں
موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں
عشق صادق ہو تو غم بھی بے مزا ہوتا نہیں
اک دل انساں مگر درد آشنا ہوتا نہیں
شکوہ غم شیوہ اہل وفا ہوتا نہیں
دیدہ و دل کا بھی اکثر واسطہ ہوتا نہیں
عشق ہی کم بخت منزل آشنا ہوتا نہیں
فاصلے ہوں لاکھ، دل سے دل جدا ہوتا نہیں

کیا قیامت ہے کہ اس دورِ ترقی میں جگر
آدمی سے آدمی کا حق ادا ہوتا نہیں



جو طوفانوں میں پلتے جا رہے ہیں
نکھرتا آ رہا ہے رنگ گلشن
وہیں میں خاک اڑتی دیکھتا ہوں
چراغ دیر و کعبہ، اللہ اللہ!
وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں
خس و خاشاک جلتے جا رہے ہیں
جہاں چشمے اُبلتے جا رہے ہیں
ہوا کی زد پہ جلتے جا رہے ہیں

شباب و حسن میں بحث آپڑی ہے
نئے پہلو نکلتے جا رہے ہیں



عمر بھر روح کی اور جسم کی یک جانی ہو
کوئی اتنا بھی نہ مصروفِ خود آرائی ہو
انجمن ہو، نہ سر انجمن آرائی ہو
مستی حسن غم عشق پہ یوں چھائی ہو
کیا قیامت ہے کہ پھر بھی نہ شناسائی ہو
کہ تماشا رہے باقی نہ تماشاائی ہو
میں ہوں اور صرف مرا عالم تنہائی ہو
دل سے جو موج غم اُٹھے، تری انگڑائی ہو

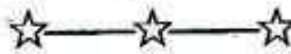
اے غم دوست! ترا صبر مجھی پر ٹوٹے بے ترے نیند بھی آنکھوں میں اگر آئی ہو
وہ محبت ہی نہیں ہے، وہ قیامت ہی نہیں جو ترے پائے نگاریں کی نہ ٹھکرائی ہو
ہو گئی دل کو تری یاد سے اک نسبت خاص
اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو



داغ دل کیوں کوئی مجروح پذیرائی ہو گل ویرانہ بنے، لالہ صحرائی ہو
دم الٹ جائے کہ دم پر مرے بن آئی ہو کیوں تری یاد شریک غم تنہائی ہو
پھر وہی رُت، وہی ہم تم، وہی تنہائی ہو پھر ہر اک چوٹ محبت کی ابھرائی ہو
نالہ یوں کیجئے، یہ اعجاز شکیبائی ہو جیسے بیساختہ ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہو
حُسن و بیچارگی حُسن، الہی توبہ! میں تو مرجاؤں جو یوں عشق کی بن آئی ہو
عرصہ حشر کہاں، جلوہ گہ دوست کہاں؟ وہ بھی میرا ہی نہ اک گوشہ تنہائی ہو
بھول جاؤں کہ مرا فرض محبت کیا ہے اس طرح تو نہ مری حوصلہ افزائی ہو
گر کے نظروں سے تری اُس کا ٹھکانا ہی کہاں جس نے ظالم ترے دل میں بھی جگہ پائی ہو
ہائے، اُس حصّہ گلشن کا مقدر ہدم! نہ خزاں آئی ہو جس میں، نہ بہار آئی ہو

یوں بھی ہو کاش! غم عشق کی تاثیر، جگر

میں تمنا نہ کروں اور وہ تمنائی ہو



ممکن نہیں کہ جذبہ دل کارگر نہ ہو یہ اور بات ہے، تمہیں اب تک خبر نہ ہو
توہین عشق دیکھ، نہ ہو، اے جگر نہ ہو ہو جائے دل کا خون، مگر آنکھ تر نہ ہو
دریائے حُسن و کارِ غم عشق، ناصح! یہ کیا کہا، ترا سر دامن بھی تر نہ ہو!
لازم خودی کا ہوش بھی ہے بخودی کے ساتھ کس کی اُسے خبر، جسے اپنی خبر نہ ہو
وہ بدگمانیاں ہیں، نہ وہ سرگرائیاں اتنی بھی دل کی دل کو الہی خبر نہ ہو
احسانِ عشق اصل میں توہینِ حُسن ہے حاضر ہیں دین و دل بھی، ضرورت اگر نہ ہو

یا طالبِ دعا تھا میں اک ایک سے جگر

یا خود یہ چاہتا ہوں، دعا میں اثر نہ ہو



بھول بسر کرتے ہیں خاروں کے ساتھ
کم نہ ہوئیں اُن سے بھی کچھ ظلمتیں
عشق کہیں تجھ سے نہ لے انتقام
ایک نظر، ایک دل، ناتواں!
عشق میں کیا ہے، یہی معراج دید
رقص میں ہے کب سے دل کی کائنات
لوٹ بہاریں نہ چن کی بہت
صبح ہے دُور اور ابھی سے جگر
جان فدا اُس پہ کہ جس نے جگر
زیست بسر کی نہ سہاروں کے ساتھ



ابھی نہ روک نگاہوں کے پیر سے خانہ
فضائے کعبہ ہو یا سر زمینِ بہت خانہ
سحر ہوئی، وہ بڑھے ہاتھ سوئے پیانہ
حدیثِ حسن، نہ شغلِ شراب و پیانہ
مذاقِ عشق کی تفریق، اے معاذ اللہ!
ستم بھی ڈھائے کسی نے تو اس توجہ سے
جُونِ عشق کی کافر ادائیاں، توبہ!
وہیں وہیں سے اُٹھے ہیں ہزار ہا فتنے
خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع، جلتے دو
وہ ایک شعرِ مجسم، وہ ایک ہیکرِ حسن
نظرِ نظرِ مجسم، اگرچہ بے پردا

فدائے نیم نقابی تمام نکبت و رنگ

نارِ نیم نگاہی، تمام سے خانہ



سراپا حقیقت، مجسمِ فسانہ
ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ رنگ و نکبت
محبت کا عالم، جُونِ کا زمانہ
وہ جانِ حمقاء، وہ حُسنِ یگانہ

وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم
نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے
حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت
وہ ہر چھپڑ میں اک نئی زندگانی
طبیعت شگفتہ، مگر کھوئی کھوئی
وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر
وہ اشک و تبسم کا پُر کیف موسم
کبھی رُوئے زیبا پہ غصے کی لہریں
وہ بارِ ربط سا اک طلسم معانی
جُونِ مکمل کا بھی ایک عالم
غروبِ تجل، مگر زخمِ خوردہ
شکستِ محبت، مگر فاتحانہ



یہ فلک یہ ماہ و انجم، یہ زمین یہ زمانہ
یہ ہے عشق کی کرامت، یہ کمالِ شاعرانہ
یہ علیل سی فضا میں، یہ مریض سا زمانہ
یہ مرا پیام کہنا تو صبا مودِ پانہ
مجھے چاکِ جیب و دامن سے نہیں مناسبت کچھ
تجھے حادثاتِ پیہم سے بھی کیا ملے گا ناداں؟
تری اک نمود سے ہے ترے اک حجب تک ہے
وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
یہ ترا جمالِ کامل، یہ شباب کا زمانہ
تجھے حسن کی طبیعت نہ بدل سکا زمانہ
مجھے عشق کی صداقت پہ بھی شک سا ہو چلا ہے

تجھے اے جگر! ہوا کیا کہ بہت دنوں سے پیارے!

نہ بیانِ عشق و مستی، نہ حدیثِ دلبرانہ



میں ہوں اس مقام پر اب کہ فراق و وصل کیسے؟
 مری زندگی تو گذری ترے ہجر کے سہارے
 ترے عشق کی کرامت، یہ اگر نہیں تو کیا ہے
 تری دوری و حضوری کا ہے عجیب عالم
 مرے ہم صفرِ بلبل! مرا تیرا ساتھ ہی کیا
 میں وہ صاف ہی نہ کہہ دوں ہے جو فرق مجھ میں تجھ میں
 ترے دل کے ٹوٹنے پر ہے کسی کو ناز کیا کیا!
 تجھے اے جگر! مبارک! یہ شکست فاتحانہ



محبت کا فرمائے دو عالم ہوتی جاتی ہے
 ہر اک صورت، ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
 زمانہ گرم رفتار ترقی ہوتا جاتا ہے
 جہاں تک توڑتا جاتا ہوں رسم ظاہر و باطن
 جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں
 نزاکت ہائے احساسِ محبت، اے معاذ اللہ!
 غرورِ حسن، رخصت! الفراق اے نازِ خود بینی!
 یہی جی چاہتا ہے چھیڑتے ہی چھیڑتے رہیے
 ارے توبہ! یہ تکمیلِ شباب و حسن ارے توبہ!
 تصورِ رفتہ رفتہ اک سراپا بنتا جاتا ہے
 وہ نہ رہ کر، گلے مل مل کے رخصت ہوتے جاتے ہیں
 جدھر سے میں گذرتا ہوں، نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں
 جگر! تیرے سکوتِ غم نے یہ کیا کہہ دیا ان سے؟

کہ ہر دنیائے دل شائستہ غم ہوتی جاتی ہے
 الہی! کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے
 مگر اک چشمِ شاعر ہے کہ پر غم ہوتی جاتی ہے
 دلیلِ عاشقی اتنی ہی محکم ہوتی جاتی ہے
 یہ محفل اور برہم، اور برہم ہوتی جاتی ہے
 کہ اب اک اک گھڑی ایک ایک عالم ہوتی جاتی ہے
 مزاجِ حسن سے اب تمکنت کم ہوتی جاتی ہے
 بہت دل کش ادائے حسن برہم ہوتی جاتی ہے
 کہ ہر ظالم ادا تقدیرِ عالم ہوتی جاتی ہے
 وہ اک شے جو مجھی میں ہے مجسم ہوتی جاتی ہے
 مری آنکھوں سے یارب! روشنی کم ہوتی جاتی ہے
 مری ہستی بھی کیا تیرا ہی عالم ہوتی جاتی ہے؟
 جھکی پڑتی ہیں نظریں، آنکھ پر غم ہوتی جاتی ہے



کیا کششِ حسن بے پناہ میں ہے!
 مے کدہ میں، نہ خانقاہ میں ہے
 ہائے! وہ رازِ غم کہ جو اب تک
 عشق میں کیسی منزلِ مقصود
 میں جہاں ہوں، ترے خیال میں ہوں

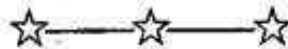
جو قدیم ہے، اُسی کی راہ میں ہے
 جو تجلی دلِ تباہ میں ہے
 تیرے دل میں، مری نگاہ میں ہے
 وہ بھی اک گرد ہے، جو راہ میں ہے
 تو جہاں ہے، مری نگاہ میں ہے

حسن کو بھی کہاں نصیب، جگر !
وہ جو اک شے مری نگاہ میں ہے



کسی صورت نمودِ سوزِ پنهانی نہیں جاتی
نہیں جاتی، کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی
نگاہوں کو خزاں نا آشنا بننا تو آجائے
پشیمانِ ستم وہ دل ہی دل میں رہتے ہیں، لیکن
صدائت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں، واعظ
مزاج اہل دل بے کیف و مستی رہ نہیں سکتا
بلندی چاہئے انسان کی فطرت میں پوشیدہ
گئے وہ دن کہ دل سرمایہ دارِ دردِ پیہم تھا
جسے رونق ترے قدموں نے دے کر چھین لی رونق
وہ یوں دل سے گذرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
مجھے تو کر دیا سیراب ساقی نے مرے، لیکن
نہیں معلوم کس عالم میں حُسنِ یار دیکھا تھا
جلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے

جگر ! وہ بھی زسر تاپا محبت ہی محبت ہیں
مگر اُن کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی



تکلف سے، تصنع سے، بری ہے شاعری اپنی
نظر سے اُن کی پہلی ہی نظریوں مل گئی اپنی
وہ اُن کی بے رخی، وہ بے نیازانہ ہنسی اپنی
جمال اُن کا، مزاج اپنا، غم اُن کا، زندگی اپنی
یہاں تک تو جگر ! پہنچی ہے معراجِ خودی اپنی
ہمیں کیوں اب کوئی سمجھائے، دل اپنا، خوشی اپنی
حقیقت شعر میں جو ہے، وہی ہے زندگی اپنی
حقیقت میں تھی جیسے مدّتوں سے دوستی اپنی
بھری محفل تھی، لیکن بات بگڑی بن گئی اپنی
حیاتِ حُسن ہے گویا حیاتِ عاشقی اپنی
کہ حُسن اک مشغلہ اپنا ہے، عشق اک دل لگی اپنی
گریباں اپنا، ہاتھ اپنے، جنوں اپنا، ہنسی اپنی

اے سمجھ نہ سمجھ کوئی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ترک مئے کشی پر بھی وہی ہے مئے کشی اپنی
جگر! رہ جائے بن کر آہ جواک کا سہ سائل نہ ایسی شاعری اپنی، نہ ایسی زندگی اپنی



اگر شامل نہ در پردہ کسی کی آرزو ہوتی تو پھر اے زندگی، ظالم، نہ میں ہوتا، نہ تو ہوتی
اگر حائل نہ اس رخ پر نقاب رنگ و بو ہوتی کسے تاب نظر رہتی، مجال آرزو ہوتی؟
نہ اک مرکز یہ رک جاتی، نہ یوں بے آبرو ہوتی محبت جستجو تھی، جستجو ہی جستجو ہوتی
ترا ملنا تو ممکن تھا، مگر اے جان محبوبی! مرے نزدیک تو ہیں مذاق جستجو ہوتی
نگاہ شوق اسے بھی ڈھال لیتی اپنے سانچے میں
اگر اک اور بھی دنیا و رائے رنگ و بو ہوتی



وہی اس نظر میں ہیں گھب جانے والے جو سینوں پہ ہیں برچھیاں کھانے والے
شکں کاش پڑ جائے اپنی جہیں پر! پریشاں بہت ہیں ستم ڈھانے والے
سراپا محبت بنے جا رہے ہیں سلامت رہیں اُن کو بہکانے والے
بہ غور اپنی جانب بھی اے کاش دیکھیں! مرے حال پر رحم فرمانے والے
محبت کی باتیں، محبت ہی جانے معنے نہیں ہیں، یہ سمجھانے والے
ترے حسن کا راز کیوں کر چھپاؤں مرے دیدہ و دل پہ چھا جانے والے
مری طاقت ضبط کی خیر یا رب! کرم پر ٹلے ہیں ستم ڈھانے والے
جو ہیں خاص چشم و چراغ محبت
وہ آنسو نہیں ہیں نظر آنے والے



آنکھوں میں بس کے، دل میں سما کر چلے گئے خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے
حسن ازل کی شان دکھا کر چلے گئے اک واقعہ سا یاد دلا کر چلے گئے
چہرے تک آستین وہ لا کر چلے گئے کیا راز تھا کہ جس کو چھپا کر چلے گئے
رگ رگ میں اس طرح وہ سما کر چلے گئے جیسے مجھی کو مجھ سے پُرا کر چلے گئے
میری حیات عشق کو دے کر جنون شوق مجھ کو تمام ہوش بنا کر چلے گئے
سمجھا کے پستیاں مرے ادب کمال کی اپنی بلندیاں وہ دکھا کر چلے گئے
اپنے فروغ حسن کی دکھلا کے وسعتیں میرے حدود شوق بڑھا کر چلے گئے

ہر شے کو میری خاطر ناشاد کے لئے
آئے تھے دل کی پیاس بجھانے کے واسطے
آئے تھے چشم شوق کی حسرت نکالنے
اب کاروبارِ عشق سے فرصت مجھے کہاں؟
شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول!
اپنا سا کیوں نہ مجھ کو بنا کر چلے گئے
لب تھر تھرا کے رہ گئے، لیکن وہ اے جگر!
جاتے ہوئے نگاہ ملا کر چلے گئے



وہ جو روٹھیں، یوں منانا چاہیے
ہمتِ قاتل بڑھانا چاہیے
زندگی ہے نامِ جہد و جنگ کا
ہے انہیں دھوکوں سے دل کی زندگی
لذتیں ہیں دشمنِ اوجِ کمال
ان سے ملنے کو تو کیا کہئے، جگر!
خود سے ملنے کو زمانا چاہیے



برابر سے بچ کر گذر جانے والے
نہیں جانتے کچھ کہ جانا کہاں ہے
مرے دل کی بے تائیاں بھی لئے جا
ترے اک اشارے پہ ساکت کھڑے ہیں
یہ نالے نہیں بے اثر جانے والے
چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے
دبے پاؤں منہ پھیر کر جانے والے
”نہیں“ کہہ کے سب سے گذر جانے والے
محبت میں ہم تو جئے ہیں، جئیں گے
وہ ہوں گے کوئی اور مر جانے والے



سودا جواب ہے، سر میں، وہ سودا ہی اور ہے
لیلائے آب و گل تو ہزاروں ہزار میں
جو خُسنِ شیشِ جہت سے نہ سیراب ہو سکی
خود خُسنِ استعارہ ہے جس کے جمال کا
اس کا چمن ہی اور ہے، صحرا ہی اور ہے
مجنوں ہے، جس کی رُوح، وہ لیلیٰ ہی اور ہے
محسوس اب ہوا، وہ تمنا ہی اور ہے
وہ جانِ خُسن، خُسن سراپا ہی اور ہے

جس سے کہ مطمئن ہو مری فطرت بلند شاید وہ حُسن و عشق کی دُنیا ہی اور ہے
صورت میں یہ فروغ، یہ جذب و کشش کہاں؟ در پردہ کوئی شاید معنی ہی اور ہے
یہ حسن رنگ رنگ بھی کچھ کم نہ تھا جگر!
کیا کیجئے کہ دل کا تقاضا ہی اور ہے



یوں پر سش ملال وہ فرما کے رہ گئے شکوے مری زبان تک آ آ کے رہ گئے
پہلے تو عرضِ غم پہ وہ جھنجھلا کے رہ گئے پھر کچھ سمجھ کے، سوچ کے، شرما کے رہ گئے
آئینہ پُوم پُوم رہے تھے وہ بار بار دیکھا جو یک پہ یک مجھے، شرما کے رہ گئے
وہ کون ہے کہ جو سر منزل پہنچ سکا دُھندلے سے کچھ نشانِ نظر آ کے رہ گئے
نغموں پہ میرے اور تو وہ کچھ نہ کہہ سکے کچھ مسکرا کے پھول سے برسا کے رہ گئے
ہر شکرِ انتقامِ محبت ہے اے جگر!
شکوہ نہیں ہے اُن سے، جو تڑپا کے رہ گئے



پھر دل ہے قصدِ کوچہ جاناں کئے ہوئے رگِ رگ میں نیشِ عشق کو پنہاں کئے ہوئے
پھر عزتِ خیال سے گھبرا رہا ہے دل ہر وسعتِ خیال کو زنداں کئے ہوئے
پھر چشمِ شوق دیر سے لبریزِ شکوہ ہے قطروں کو موج، موج کو طوفاں کئے ہوئے
پھر جانِ بے قرار ہے آمادہٴ فغاں سو حشرِ اک سکوت میں پنہاں کئے ہوئے
پھر کیفِ بنخودی میں بڑھا جا رہا ہوں میں سب کچھ نثارِ شوقِ فراواں کئے ہوئے
پھر سُوئے خلدِ حُسن کھنچا جا رہا ہے دل ہر جنتِ نظارہ کو ویراں کئے ہوئے
پھر بڑھ چلا ہے جوشِ طلبِ راہِ دوست میں سو فتحِ ہر شکست پہ قرباں کئے ہوئے
پھر بڑھ چلیں جنوںِ تمنا کی شورشیں! برہمِ نظامِ عالمِ امکاں کئے ہوئے
پھر ہے نگاہِ شوق کو دیدار کی ہوس مدتِ ہوئی ہے جرأتِ عصیاں کئے ہوئے
پھر لے چلی ہے وحشتِ دلِ شہرِ حُسن میں جنسِ گرانِ عشق کو ارزاں کئے ہوئے

پھر جی یہ چاہتا ہے کہ بیٹھے رہیں جگر!

اُن کی نظر سے بھی اُنہیں پنہاں کئے ہوئے



آئے ہیں پھر وہ عزم دل و جاں کئے ہوئے
پھر اٹھ رہی ہے عارض پر نور سے نقاب
پھر شام و صبح، زلف و رخسار ہیں بہم
پھر حسن منفعّل متبسم ہے زیر لب
پلکوں کی اوٹ، حشر کا سماں کئے ہوئے
نظارہ و نظر کو پریشاں کئے ہوئے
ایماں کو کفر، کفر کو ایماں کئے ہوئے
یک قطرہ اشک زینتِ مژگاں کئے ہوئے



ہم نے دنیا ہی میں دُنپائے حقیقت دیکھی
عشق کے بھیس میں جب حسن کی صورت دیکھی
منفرد رنج، نہ تنہا کوئی راحت دیکھی
جب تجھے دیکھ کے کونین کی وسعت دیکھی
نگہ شوق کی محرومی تقدیر نہ پوچھ!
حسن بے نام نے رکھا تھا چھپا کر جس کو
یہیں دوزخ نظر آئی، یہیں جنت دیکھی
ہر ادا پھر تو قیامت ہی قیامت دیکھی
یہ تری نیم نگاہی کی شرارت دیکھی
حسن ہی حسن، محبت ہی محبت دیکھی
بن گئی وہ بھی فسانہ، جو حقیقت دیکھی
وہ تجلی بھی سر پردہ حیرت دیکھی
اُس گہنگار محبت کو خدا ہی سمجھے!
جس نے اُس مدھ بھری آنکھوں کی ندامت دیکھی



واعظ نے اور نہ زلید شب زندہ دار نے
شم کو غرور حسن ہے، لیکن یہاں یہ فکر
تسکینِ روح جب نہ کسی طرح ہو سکی
تکلیف و پردہ داری تکلیف، الاماں!
طنزاً وہ دیکھتے ہیں مگر دیکھتے تو ہیں
وہ عشق ہی نہیں ہے، وہ دل ہی نہیں جگر
لیک خود کہا نہ جسے حسن یار نے
مجھ کو جگا دیا مرے دل کی پکار نے
چھوڑا ہے کس کو عشق دو عالم شکار نے
سب اپنی اپنی دُھن میں لگے کچھ پکار نے
مارا ہے مجھ کو خود مرے صبر و قرار نے
یہ کام تو کیا دل ناکردہ کار نے



شب فراق ہے اور نیند آئی جاتی ہے
یہ عمر عشق یونہی کیا گنوائی جاتی ہے؟
بنا بنا کے جو دُنیا مٹائی جاتی ہے
ہمیں یہ عشق کی تہمت لگائی جاتی ہے
خدا کرے کہ حقیقت میں زندگی بن جائے
کچھ اس میں اُن کی توجہ بھی پائی جاتی ہے
حیاتِ زندہ حقیقت بنائی جاتی ہے
ضرور کوئی کمی ہے کہ پائی جاتی ہے
مگر یہ شرم جو چہرے پہ چھائی جاتی ہے
وہ زندگی جو زباں تک ہی پائی جاتی ہے

گنہگار کے دل سے نہ بچ کے چل زاہد
 یہیں کہیں تری جنت بھی پائی جاتی ہے
 نہ سوزِ عشق، نہ برقیہ جمال پر الزام
 دلوں میں آگ خوشی سے لگائی جاتی ہے
 کچھ ایسے اب بھی ہیں رنداں پاکیزہ جگر
 کہ جن کو بے مے و ساغر پلائی جاتی ہے



نقابِ حسنِ دو عالم اٹھائی جاتی ہے
 مچھی کو میری تھلی دکھائی جاتی ہے
 قدم قدم مری ہمت بڑھائی جاتی ہے
 نفس نفس تری آہٹ سی پائی جاتی ہے
 وہ اک نظر جو بہ مشکل اٹھائی جاتی ہے
 وہی نظر رگ و پے میں سمائی جاتی ہے
 سکوں ہے موت یہاں ذوقِ جستجو کیلئے
 یہ تشنگی وہ نہیں جو بجھائی جاتی ہے
 خدا وہ دردِ محبت ہر ایک کو بخشے!
 کہ جس میں رُوح کی تسکین بھی پائی جاتی ہے
 وہ مے کدہ ہے تری انجمن، خدا رکھے!
 جہاں خیال سے پہلے پلائی جاتی ہے
 ترے حضور یہ کیا وارداتِ قلب ہے آج؟
 کہ جیسے چاند پہ بدلی سی چھائی جاتی ہے
 تجھے خبر ہو تو اتنی نہ فرصتِ غم دے
 کہ تیری یاد بھی اکثر ستائی جاتی ہے
 وہ چیز، کہتے ہیں فردوسِ گمشدہ جس کو
 کبھی کبھی تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے
 فریبِ منزلِ آخر ہے، الفراقِ جگر!

سفرِ تمام ہوا، نیند آئی جاتی ہے



نہ اب مسکرانے کو جی چاہتا ہے
 نہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
 ستاتے نہیں وہ تو اُن کی طرف سے
 خود اپنے ستانے کو جی چاہتا ہے
 کوئی مصلحت روک دیتی ہے، ورنہ
 پلٹ دیں زمانے کو، جی چاہتا ہے
 تجھے بھول جانا تو ہے غیر ممکن
 مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے
 تواضع کر اے عشق! چند آنسوؤں سے
 بہت مسکرانے کو جی چاہتا ہے
 بہت دیر تک چھپ کے تیری نظر سے
 تجھے دیکھ پانے کو جی چاہتا ہے
 تری آنکھ کو بھی جو بے خواب کر دے
 وہ فتنہ جگانے کو جی چاہتا ہے
 حسیں تیری آنکھیں، حسیں تیرے آنسو
 یہیں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

جگر اب تو وہ ہی یہ کہتے ہیں مجھ سے
 ترے ناز اٹھانے کو جی چاہتا ہے



کیا دیکھتے ہم اُن کو، مگر دیکھتے رہے
آئینہ روبرو تھا، جدھر دیکھتے رہے
اندھیر ہے کہ دیدہ تر دیکھتے رہے
بیٹھنے ہم انتظارِ سحر دیکھتے رہے
نقش و نگارِ پردہ در دیکھتے رہے
جیسے انہیں کو پیشِ نظر مگر دیکھتے رہے
آنکھیں تھیں سوگوار، مگر دیکھتے رہے

جلوہ بہ قدرِ ظرفِ نظر دیکھتے رہے
اپنا ہی عکس پیشِ نظر دیکھتے رہے
کیا قہر تھا کہ پاس ہی دل کے لگی تھی آگ!
لاکھ آفتابِ پاس سے ہو کر گذر گئے
اُن کی حریمِ ناز کہاں، اور ہم کہاں
ایسی بھی کچھ فراق کی راتیں گذر گئیں
ہیں دور بے دلی کی وہ مجبوریاں بھی یاد

ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن ہم جہانِ دگر دیکھتے رہے



جسے جینا ہو، مرنے کے لئے تیار ہو جائے
کہ شیشہ توڑ دے اور بے پئے سرشار ہو جائے
لبِ خاموشِ فطرت ہی لبِ گفتار ہو جائے
جنوں کی روحِ خوابیدہ اگر بیدار ہو جائے
مجھے ڈر ہے، نہ توہینِ جمالِ یار ہو جائے
کہ جو آسودہ زیرِ سایہ دیوار ہو جائے؟
چمن جس کا وطن ہو، اور چمن بیزار ہو جائے
کہ انساں عالمِ انسانیت پر بار ہو جائے
نظرِ تلوار بن جائے، نفسِ جھنکار ہو جائے
سبھی بیدار ہیں انساں اگر بیدار ہو جائے

یہ مصرع کاش نقشِ ہر درو دیوار ہو جائے
وہی مے خوار ہے جو اس طرح مے خوار ہو جائے
دلِ انسان اگر شائستہ اسرار ہو جائے
ہر اک بے کاری ہستی بہ روئے کار ہو جائے
سنا ہے حشر میں ہر آنکھ اُسے بے پردہ دیکھے گی
حریمِ ناز میں اس کی رسائی ہو، تو کیوں کر ہو؟
معاذ اللہ، اس کی وارداتِ غم، معاذ اللہ!
یہی ہے زندگی، تو زندگی سے خودکشی اچھی
اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھر تھرا اٹھے
یہ روز و شب، یہ صبح و شام، یہ بستی، یہ ویرانہ



یہ شاخِ گل بھی ہے، تلوار بھی ہے
ادھر نازک مزاجِ یار بھی ہے
بہت سادہ، بہت پُر کار بھی ہے
انہی سے گرمی بازار بھی ہے

محبت صلح بھی، پیکار بھی ہے
طبیعت اس طرف خود دار بھی ہے
ادائے عشق ادائے یار بھی ہے
یہ فتنے، جن سے اک دُنیا ہے نالاں

جنوں کے دم سے ہے نظمِ دو عالم جنوں برہم زین افکار بھی ہے
 نفس پر ہے مدارِ زندگانی نفس چلتی ہوئی تلوار بھی ہے
 اسی انسان میں سب کچھ ہے پنہاں مگر یہ معرفت دشوار بھی ہے
 وہ بُوئے گل کہ ہے جانِ چمن بھی قیامت ہے، چمن بیزار بھی ہے
 یہی دُنیا ہے بستی آنسوؤں کی!! یہی دُنیا تبسم زار بھی ہے
 جہاں وہ ہیں، وہیں میرا تصور جہاں میں ہوں، خیالِ یار بھی ہے
 خبردار! اے سبک سارانِ ساحل یہ ساحل ہی کبھی منجدھار بھی ہے
 غنیمت ہے کہ اس دورِ ہوس میں ترا ملنا بہت دشوار بھی ہے
 جو کوئی سن سکے تو نکہتِ گل شکستِ رنگ کی جھنکار بھی ہے
 ان آنکھوں کی زہے معجز بیانی
 بہم انکار بھی، اقرار بھی ہے

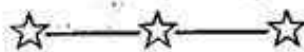


نہ تابِ مستی، نہ ہوشِ ہستی، کہ شکرِ نعمت ادا کریں گے
 خزاں میں جب ہے یہ اپنا عالم، بہار آئی تو کیا کریں گے؟
 ہر ایک غم کو فروغ دے کر یہاں تک آراستہ کریں گے
 وہی جو رہتے ہیں دُور ہم سے خود اپنی آغوشِ وا کریں گے
 جدھر سے گذریں گے سرفروشانہ کارنامے سنا کریں گے
 وہ اپنے دل کو ہزار روکیں، مری محبت کو کیا کریں گے؟
 نہ شکرِ غم زیر لب کریں گے، نہ شکوہ بر ملا کریں گے
 جو ہم پہ گذرے گی، دل ہی دل میں کہا کریں گے، سنا کریں گے
 ترے تصور سے حاصل اتنا کمال کسبِ ضیا کریں گے
 جہاں کچھ آنسو ٹپک پڑیں گے، ستارے سجدے کیا کریں گے
 یہ ظاہری جلوہ ہائے رنگیں فریب کب تک دیا کریں گے؟
 نظر کی جو کر سکے نہ تسکین، وہ دل کی تسکین کیا کریں گے؟
 وہاں بھی آہیں بھرا کریں گے، وہاں بھی نالے کیا کریں گے
 جنہیں ہے تجھ سے ہی صرف نسبت، وہ تیری بخت کو کیا کریں گے؟
 نہیں ہے جن کو مجالِ ہستی، سوائے اس کے وہ کیا کریں گے

کہ جس زمیں کے ہیں بسنے والے اُسے بھی رسوا کیا کریں گے؟
 یہاں نہ دُنیا نہ فکرِ دُنیا، یہاں نہ عُقْبٰی نہ فکرِ عُقْبٰی
 جنہیں سرِ ماسوا بھی ہو گا، وہی غمِ ماسوا کریں گے
 ہم اپنی کیوں طرزِ فکر چھوڑیں، ہم اپنی کیوں وضعِ خاص بدلیں
 کہ انقلاباتِ نو بہ نو تو ہوا کئے ہیں، ہوا کریں گے
 یہ سخت تر عشق کے مراحل، یہ ہر قدم پر ہزار احساں
 چونچ رہے تو جنوں کے حق میں، جنیں گے جب تک، دُعا کریں گے
 یہ خام کارِ انِ عشق سوچیں، یہ شکوہ سنجانِ حسن سمجھیں
 کہ زندگی خود حسیں نہ ہو گی تو پھر توجہ وہ کیا کریں گے؟
 خود اپنے ہی سوزِ باطنی سے نکال اک شمعِ غیر فانی!
 چراغِ دیر و حرم تو آئے دل، جلا کریں گے، بجھا کریں گے



کس کا خیال، کون سی منزل نظر میں ہے
 چہرے پہ برہمی ہے، تبسمِ نظر میں ہے
 اک روشنی سی آج ہر اک دشت و در میں ہے
 تسلیمِ حُسنِ دوست کی معصومیاں، مگر
 صیاد کی نظر میں وہ نشتر سے کم نہیں!
 یا رب! وفائے عذرِ محبت کی خیر ہو
 سمجھے تھے دُورِ شجر سے نکل جائیں گے کہیں
 صدیاں گذر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے
 اب کیا کمی تباہیِ قلب و جگر میں ہے
 کیا میرے ساتھ خود مری منزل سفر میں ہے
 شامل تو کوئی فتنہ شام و سحر میں ہے
 اک لرزشِ خفی جو مرے بال و پر میں ہے
 نازک سا اعتراف بھی آج اُس نظر میں ہے
 دیکھا تو ہر مقام تری رہ گذر میں ہے
 کارِ گیرانِ شعر سے پوچھے کوئی جگر
 سب کچھ تو ہے، مگر یہ کمی کیوں اثر میں ہے



زندگی ہے، مگر پرانی ہے
 جب مسرتِ قریب آئی ہے
 حُسن نے جب شکست کھائی ہے
 عشق کو زعمِ پارسائی ہے
 ہائے وہ سبزہ چمن کہ جسے
 مرگِ غیرت! تری دُہائی ہے
 غم نے کیا کیا ہنسی اڑائی ہے
 عشق کی جان پر بن آئی ہے
 حُسنِ کافر! تری دُہائی ہے
 سایہ گل میں نیند آئی ہے

عشق ہے اُس مقام پر کہ جہاں زندگی نے شکست کھائی ہے
 خاکِ منزل کو منہ سے ملتا ہوں یادگارِ شکستہ پائی ہے
 اُس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے، کیا رہائی ہے
 ہجر سے شاد، وصل سے ناشاد
 کیا طبیعت جگر نے پائی ہے



اگر جمالِ حقیقت سے ربط محکم ہے
 نہیں مقابلہ کوئی، مگر یہ کیا کم ہے
 الہی خیر! یہ کیا شام ہی سے عالم ہے
 نہ کوئی خلد، نہ زاہد! کوئی جہنم ہے
 ہر ایک قطرے میں دریائے معرفت ہے رواں
 ابھی کمال کو پہنچی نہیں ہے فطرتِ عشق
 جنوں بھی ساتھ نہ دے اب، تو کچھ نہیں پروا
 جو گوشِ دل سُٹوا ہو، تو بزمِ ہستی میں
 خزاں کا رنج کرے عشق میں بلا میری
 حسین و سادہ ہے کس درجہ فطرتِ شاعر
 نہیں تو غنچہ و گل، رو پڑے تو شبنم ہے

خوشی میں بھول نہ جانا جگر یہ رازِ حیات

کہ جو خوشی ہے یہاں، اک امانتِ غم ہے



خُسن و صورت کے، نہ حسرت کے، نہ ارمانوں کے
 اُف! کہ انسان ہیں مارے ہوئے انسانوں کے!
 کیا مقامات ہیں ان سوختہ سامانوں کے
 خضرِ خود بڑھ کے قدم لیتے ہیں دیوانوں کے!
 انہیں ذرات میں خاموش سے دیرانوں سے
 دل دھڑکتے نظر آئے مجھے انسانوں سے
 جلوۂ دوست، یہ آہستہ خرامی تاچند؟
 ندیاں سوکھ چلیں شوق میں طوفانوں کے

موج ہے، رنگِ شفق، لالہ و گل، مطلعِ صبح
 چند عنوان ہیں مرے شوق کے افسانوں کے
 اسی کشتی کو نہیں تابِ تلاطم، صد حیف!
 جس نے منہ پھیر دیئے تھے کبھی طوفانوں کے
 حسن کی جلوہ گری سے ہے محبت کا جُوں
 شمع روشن ہوئی، پر لگ گئے پروانوں کے
 مرحبا! جذبہ بے باک جوانانِ وطن!!
 تیغِ چم خم ہے، مگر ہاتھ میں نادانوں کے
 ناز ہے شلبِ فطرت کو بھی جن پر، ہدم!
 وہ چمن سب ہیں لگائے ہوئے دیوانوں کے
 میں نے دیکھا ہے اسے روپ میں فطرت کے جگر
 میں نے پایا ہے اسے بھیس میں انسانوں کے



رگ میں ایک برقِ خراماں لئے ہوئے
 دل ہے تجلیات کا طوفاں لئے ہوئے
 ناصح! گدازِ عشق کی معراج دیکھنا
 وہ سامنے تو آئے مگر اس ادا کے ساتھ
 دل کو ہے کیوں گلہ کہ بظاہر تو وہ نگاہ
 کانٹوں میں جیسے مہولِ جہنم میں جیسے خلد
 اہل سلامتی کی طرف سے اُسے سلام
 دل میں کہاں اُمید و تمنا کا وہ ہجوم؟
 ہونا تھا چاک چاک گریباں کو، اے جنوں!
 ہر مرحلہ سے عشق گذرتا چلا گیا
 دل میں ادائے حسن گریزاں لئے ہوئے
 دل ہے ہوائے منزلِ جاناں لئے ہوئے
 لیکن حجابِ دیدہ حیراں لئے ہوئے
 ہر قطرہ خوں ہے شمعِ فردزاں لئے ہوئے
 اک طرزِ التفاتِ گریزاں لئے ہوئے
 نشتر لئے ہوئے ہے، نہ پیرکاں لئے ہوئے
 آنکھیں ہیں یوں ندامتِ عصیاں لئے ہوئے
 کشتی جو غرق ہو گئی طوفاں لئے ہوئے
 پھرتا ہوں ایک جہتِ ویراں لئے ہوئے
 لیکن کسی کا گوشہ داماں لئے ہوئے
 دل میں ادائے حسن گریزاں لئے ہوئے
 بھولوں کو ناز حسن اگر ہے تو ہو جگر
 کانٹے بھی ہیں غرورِ گلستاں لئے ہوئے



آنکھیں ہیں رنگ و بوئے گل تر لئے ہوئے
لیکن غم حیات مکرر لئے ہوئے
خود زندگی ہے بادہ و ساغر لئے ہوئے
دل بھی ہے اک لطیف سائتر لئے ہوئے
کوئین اپنے سینے کے اندر لئے ہوئے
ہنسا پڑا ہے قلب مکدر لئے ہوئے
یارب! کہاں میں جاؤں یہ نشتر لئے ہوئے؟
لیکن ہوں ایک بوجھ سادل پر لئے ہوئے
بیٹھا ہوں ترے غم کے برابر لئے ہوئے
رہ رہ گئے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

آنکھیں ابھی کچھ اور بھی ہیں منتظر جگر
چھپرا کی قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے



سب سے پہلے دل شاعر پہ عیاں ہوتا ہے
نہیں معلوم، یہ انساں کہاں ہوتا ہے
ذرہ ذرہ مری جانب نگراں ہوتا ہے
اُسی دیوانے کے قدموں پہ جہاں ہوتا ہے
مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے
کوئی دیکھے تو یہ ہنگامہ کہاں ہوتا ہے
تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے
ذہن مفلس ہو تو ہر سود زیاں ہوتا ہے
موت کے نام سے جس کو خفقاں ہوتا ہے
ختم ہر مرحلہ سود و زیاں ہوتا ہے
ہر نفس سانچہ مرگ جواں ہوتا ہے

ناز جس خاکِ وطن پر تھا مجھے آہ! جگر
اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے



کس کا خیال ہے دل مضطر لئے ہوئے
آئی ہے موت جن کا منظر لئے ہوئے
ہر لحظہ اک سرور مضطر لئے ہوئے
ہشیار، اے نگاہِ ستم آشنائے دوست!
کوئین کی ہوس میں ہے انساں ذلیل و خوار
دنیا بھی کیا مقام ہے، جس میں کہ بارہا
شرم گنہ سے بڑھ کے ہے غفوگنہ کی شرم
عصیاں کا بارہٹ تو گیا سر سے، اے کریم!
اللہ رے بے بسی کہ غم روز گار بھی
اُف رے تجلّی رخ ساقی، کہ بادہ کش

راز جو سینہ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
سخت خونریز جب آشوبِ جہاں ہوتا ہے
جب کوئی حادثہ کون و مکاں ہوتا ہے
جو نظر کردہ صاحبِ نظراں ہوتا ہے
جب کوئی عشق میں بربادِ جہاں ہوتا ہے
متزلزل ہے ادب گاہِ محبت کی زمیں
کہیں ایسا تو نہیں، وہ بھی ہو کوئی آزار
دل غنی ہو تو ہر اک رنج بھی دل کی راحت
امتحان گاہِ محبت میں نہ رکھے وہ قدم
یہی وہ منزلِ دشوار ہے، جس منزل میں
ہر قدمِ معرکہ کرب و بلا ہے درپیش

اہل دل کے لئے سرمایہ جاں ہوتا ہے
 اُف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے
 کبھی ہر علم و یقیں، وہم و گماں ہوتا ہے
 دل سا ہمدرد زمانے میں کہاں ہوتا ہے؟
 دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے
 دل میں رکتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے
 حُسنِ خود مُنظرِ عشقِ جواں ہوتا ہے
 عقل بڑھتی ہے، مگر دل کا زیاں ہوتا ہے
 ختم جب معرکہ لفظ و بیاں ہوتا ہے
 ہر ہنسم پہ جراحت کا گماں ہوتا ہے
 اکثر اس طرح سے بھی رقصِ فغاں ہوتا ہے

انقلابات سے کیا خوف کہ ہر عزم جگر
 اسی آغوش میں پلتا ہے، جواں ہوتا ہے



مگر اک آن جو پہلے تھی کہاں ہے ساقی
 لا تو، وہ فتنہ بیدار کہاں ہے ساقی؟
 دل کو آرام وہاں تھا نہ یہاں ہے ساقی
 آدمی ہوں، مرے مُنہ میں بھی زباں ہے ساقی
 دیر سے آج خدا جانے کہاں ہے ساقی!

زیست ہے یا تری نظروں کے اشاراتِ لطیف
 موجِ صہبا ہے کہ فردوسِ رواں ہے ساقی!



گوشہ امن بلا خانہ زنجیر میں ہے
 خاکِ مصروف ابھی خاک کی تعمیر میں ہے
 ربطِ محکم اسی بے ربطی تحریر میں ہے
 مجھ کو معلوم ہے، جو کچھ مری تقدیر میں ہے
 کوئی تو وجہ کششِ نالہ زنجیر میں ہے
 پاؤں زنجیر سے باہر ہے نہ زنجیر میں ہے

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے، جہاں ہوتا ہے
 ہائے وہ وقت کہ جب حُسن پہ آتا ہے شباب
 کبھی اک زندہ حقیقت نظر آتا ہے جہاں
 دل کو بیدرد محبت میں بتانے والے
 وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب
 ہائے وہ سلسلہ اشک کو جو تیرے حضور
 عزمِ پیماک اگر ہو تو کہاں کی دُوری؟
 شرح و تفصیل سے بے گانہ گذر جا، اے دوست!
 رُوح بن جاتی ہے خود نغمہ بے ساز و صدا
 وسعتِ فکر و نظر بھی نہ مجھے ماس آئی!
 ساز و مطرب کے کرشموں پہ نہ جانا کہ یہاں

آج بھی یوں تو ہر اک رند جواں ہے ساقی
 زندگی سلسلہ خوابِ گراں ہے ساقی
 حرم و دیر کا چھٹنا تو گوارا، لیکن
 طنز و تعریض کی آخر کوئی حد ہوتی ہے!
 اپنے منصب کا نہ احساس، نہ رندوں کی خبر

ہر و حلقہ جو تری کا کل شب گیر میں ہے
 شاید رُوح کہاں، جلوہ گہ ناز کہاں
 کون سمجھائے یہ قاصد کو دمِ رنہتِ شوق
 اپنے سر آپ نہ لیں دل شکنی کا الزام!
 خود بچے آتے ہیں زنداں کی طرف دیوانے
 دیکھنا جبرِ مشیت کہ بقیدِ زنداں!

چھپ کے پہروں اُسے اے دیکھنے والے، یہ بتا
مجھ میں کیا بات نہیں، جو مری تصویر میں ہے؟



شرما گئے، لجا گئے، دامن چھڑا گئے اے عشق! مر جبا، وہ یہاں تک تو آ گئے
دل پر ہزار طرح کے ادھام چھا گئے یہ تم نے کیا کیا، مری دنیا میں آ گئے؟
سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہل دل خوش ہیں کہ جیسے دولت کو نین پا گئے
صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے
عقل و جنوں میں سب کی تھیں راہیں جدِ اجدا ہر پھر کے لیکن ایک ہی منزل پہ آ گئے
اب کیا کروں میں فطرتِ ناکام عشق کو
جتنے تھے حادثات، مجھے راس آ گئے



یوں تو ہونے کو گلستاں بھی ہے، ویرانہ بھی ہے
بات سادہ ہی سہی، لیکن حکیمانہ بھی ہے
ہوشیار، اومست صہبائے تغافل، ہوشیار!
ہوش میں رہتا، تو کیا جانے کہاں رکھتا قدم
کس جگہ واقع ہوا ہے حضرت واعظ کا گھر!
ملتا جلتا ہے مزاجِ حسن ہی سے رنگِ عشق
زندگانی تا کجا صرف مئے جام و سیو؟
خیر ہے زاہد، یہ کیسا انقلاب آیا کہ آج
حاصل ہر جستجو آخر یہی نکلا جگر
دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں کوئی دیوانہ بھی ہے
یعنی ہر انسان بقدرِ ہوش دیوانہ بھی ہے
عشق کی فطرت میں اک شانِ حریفانہ بھی ہے
یہ غنیمت ہے، مزاجاً عشق دیوانہ بھی ہے
دور مسجد بھی نہیں، نزدیک میخانہ بھی ہے
شمع گر بے باک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے
بے خبر، مے خانہ میں اک اور مے خانہ بھی ہے
تیرے ہر انداز میں اک کیفِ رندانہ بھی ہے؟
عشق خود منزل بھی ہے منزل سے بے گانہ بھی ہے



ہر تھکلی یہیں نظر آئی
دل نے لغزش جہاں کوئی کھائی
یوں تو وہ شکوہ رنجِ رسوائی
زندگی تو ہمیں کہاں لائی؟
مجھ کو شکوہ ہے اپنی آنکھوں سے
نیچی نظروں سے دیکھنے والے
اُف رے تیری حجابِ آرائی!
ایک آواز کان میں آئی
اور در پردہ ہمت افزائی
اک محبت، ہزار رسوائی
تم نہ آئے تو نیند کیوں آئی؟
دیکھنا زخمِ دل کی گہرائی

عشق کی بد حواسیاں توبہ! بار ہا خود مجھے ہنسی آئی
 عشق میں عشق کی بلا جانے نا پذیرائی و پذیرائی
 دو دل اس طرح مل گئے ناگاہ جیسے برسوں کی ہو شناسائی
 پھول بننا تھا، مسکرانا تھا وہ کلی ہی نہ تھی جو مَر جھائی
 کار گاہِ حیات میں، اے دوست! یہ حقیقت نظر آئی
 ہر اُجالے میں تیرگی دیکھی ہر اندھیرے میں روشنی پائی
 اب یہ محسوس ہو چلا ہے جگر موت ہے، زندگی کی تنہائی



خود وہ اُٹھے ہیں جام لئے اب وہ کافر ہے جو نہ پئے
 اُن کی بلا سے، اُن کے لئے کوئی مرے یا کوئی جئے
 ہم بھی گرے سو بار، مگر اُن کو بھی اپنے ساتھ لئے

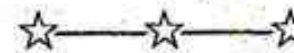


جان کر من جملہ خاصانِ مے خانہ مجھے مدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے
 تنگِ مے خانہ تھا میں ساقی نے یہ کیا کر دیا؟ پینے والے کہہ اُٹھے ”یا پیرِ مے خانہ“ مجھے
 سبزہ و گل، موجِ دریا، انجم و خورشید و ماہ اک تعلق سب سے ہے، لیکن رقیبانہ مجھے
 زندگی میں آگیا جب کوئی وقت امتحان اُس نے دیکھا ہے جگر بے اختیارانہ مجھے



آپڑا کچھ وقت ایسا گردشِ لیام سے زندگی شرما رہی ہے زندگی کے نام سے
 جب کبھی بچ کر چلا ہوں جلوہ گاہِ عام سے بچھ گئے ہیں خود مری فکر و نظر کے دام سے
 کچھ انہیں بھی ربطِ میری حسرتِ ناکام سے اور کچھ میں بھی گریزاں التفاتِ عام سے
 ہو گیا ہے درہم و برہم نظامِ مے کدہ جب کبھی توبہ مری ٹکرا گئی ہے جام سے
 اُن کی محفل کا تو کیا کہنا، مگر اے ہم نشیں! رنگِ محفل کہہ رہا ہے، دل میں جے آرام سے

آج کل مے خانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جگر
 زہر کے ساغر، شرابِ زندگی کے نام سے



جہل خرد نے دن یہ دکھائے
ہائے وہ کیوں کر دل بہلائے
ضد پر عشق اگر آ جائے
دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے
کیسا مجاز اور کیسی حقیقت؟
جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
کارِ زمانہ جتنا جتنا
ضبطِ محبت، شرطِ محبت
خُسن وہی ہے خُسن، جو ظالم
نغمہ وہی ہے نغمہ، کہ جس کو
راہِ جنوں آسان ہوئی ہے
زلف و مژدہ کے سائے سائے



صحنِ کعبہ نہ سہی، کوئے صنم خانہ سہی
زندگی تلخ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ سے جس کو ہونست، وہ جنوں کیا کم ہے
اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں؟
زندگی فرشِ قدم بن کے بچھی جاتی ہے
یہ ہوائیں، یہ گھنائیں، یہ فضائیں، یہ بہار
خُسن خود پردہ کشائے رُخ مقصود تو ہے
کون ایسا ہے یہاں، عشق ہے جس کا بے لاگ؟
زندگی آج بھی دل کش ہے انہیں کے دم سے
تشنہ لب ہاتھ پہ کیوں ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں؟
میں نہ زاہد سے ہوں شرمندہ، نہ صوفی سے جگر

خاک اُڑانی ہے تو پھر کوئی بھی دیرانہ سہی
اس میں کچھ چاشنی مشربِ رندانہ سہی
دونوں عالم نہ سہی، اک دل دیوانہ سہی
تیرا ایما نہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی
اے جنوں! اور بھی اک لغزشِ مستانہ سہی
مقتبِ آج تو شغلِ مے و پیانہ سہی
عشق کو حوصلہ و عرضِ تمنا نہ سہی
آپ کی جان سے دُور آپ کا دیوانہ سہی
حسنِ اک خواب سہی، عشقِ اک افسانہ سہی
کچھ نہیں ہے تو شکستِ خم و خم خانہ سہی
مسلکِ عشق مرا، مسلکِ رندانہ سہی



یہ راز ہم پر ہوا نہ افشا، کسی کی خاص اک نظر سے پہلے
کہ تھی ہماری ہی کم نگاہی، ہمیں تھے کچھ بے خبر سے پہلے

یہ زندگی، خاک زندگی تھی، گدازِ قلب و جگر سے پہلے!
 ہر ایک شے غیر معتبر تھی، ترے غمِ معتبر سے پہلے
 تجھے ہو سیرِ چمن مبارک! مگر یہ رازِ چمن بھی سن لے
 کلی کلی خون ہو چکی تھی، شگفتِ گل ہائے ترے پہلے
 کہاں کہاں اڑ کے پہنچے شعلے، یہ ہوش کس کو، یہ کون جانے؟
 ہمیں بس اتنا ہے یاد اب تک، لگی تھی آگ اپنے گھر سے پہلے
 قفس کی نازک سی تیلیوں کی بھی کچھ حقیقت ہے، ہم صفیرو!
 مگر الجھنا پڑے گا شاید، خود اپنے ہی بال و پر سے پہلے
 کہاں یہ شورش، کہاں یہ مستی، کہاں یہ رنگینیوں کا عالم!
 زمانہ خواب و خیال سا تھا ترے فسوںِ نظر سے پہلے
 خوشا یہ بیماریِ محبت، زہے یہ خود داریِ طبیعت!!
 وہی ہیں مصروفِ دل نوازی، وہی جو تھے بے خبر سے پہلے
 زمانہ مانے نہ مانے، لیکن ہمیں یہی ہے یقینِ کامل
 جہاں اٹھا کوئی تازہ فتنہ، اٹھا تری رہگذر سے پہلے
 اگرچہ ذوقِ نظارہ میں بھی ہزار سر مستیاں بھری تھیں!
 مگر یہ بے باکیاں کہاں تھیں، ترے حجابِ نظر سے پہلے؟
 اٹھا جو چہرے سے پردہ شب، سمٹ کے مرکز پہ آگئے سب
 تمام جلوے جو منتشر تھے طلوعِ حسنِ بشر سے پہلے
 مری طبیعت کو حسنِ فطرت سے ربطِ باطن نہ جانے کیا ہے!
 مری نگاہیں کبھی نہ اٹھیں طہارتِ چشم تر سے پہلے
 وہ یادِ آغازِ عشق اب تک ایسے جان و دلِ حزیں ہے
 وہ اک جھجک سی، وہ اک جھپک سی، ہر التفاتِ نظر سے پہلے
 ہمیں تھے کیا جستجو کا حاصل، ہمیں تھے کیا آپ اپنی منزل؟
 وہیں پہ آ کر ٹھہر گیا دل، چلے تھے جس رہگذر سے پہلے
 بس ایک دل اور کیف و لذت، بس ایک ہم اور جمالِ فطرت
 یہ زندگی کس قدر حسین تھی، شعورِ فکر و نظر سے پہلے!
 ہمارے شوقِ جوں ادا کی، ستمِ ظریفی تو کوئی دیکھے!

کہ نامہ بر کو روانہ کر کے پہنچ گئے نامہ بر سے پہلے
 کہاں تھی یہ روح میں لطافت، کہاں تھی کونین میں یہ وسعت؟
 حیات ہی جیسے سو رہی تھی، کسی کی پہلی نظر سے پہلے
 یہ نالہ کیوں ہے؟ یہ نغمہ کیوں ہے؟ یہ آہ کیسی؟ یہ واہ کیسی؟
 یہ پوچھ لے آئینے کے دل سے نہ پوچھ اپنے جگر سے پہلے!



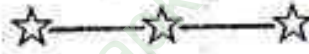
اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے
 جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گزرے
 مجھے یہ وہم رہا مدتوں کہ جرأتِ شوق
 ہر اک مقامِ محبت بہت ہی دل کش تھا
 جنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کے ساتھ
 مری نظر سے تری جستجو کے صدقے میں
 ہجومِ جلوہ میں پروازِ شوق، کیا کہنا!
 خطا معاف، زمانے سے بدگماں ہو کر
 مجھے تھا شکوہ ہجران، کہ یہ ہوا محسوس
 رہ وفا میں اک ایسا مقام بھی آیا
 خلوص جس میں ہو شامل، وہ دورِ عشق و ہوس
 اسی کو کہتے ہیں جنت، اسی کو دوزخ بھی
 بہت حسین مناظر بھی حسنِ فطرت کے
 وہ جن کے سائے سے بھی بجلیاں لرزتی تھیں
 مرا تو فرض چمن بندیٰ جہاں ہے فقط
 کہاں کا حسن، کہ خود عشق کو خبر نہ ہوئی
 بھری بہار میں تارا جی چمن مت پوچھ
 کوئی نہ دیکھ سکا جن کو، وہ دلوں کے سوا
 کبھی کبھی تو اسی ایک مشت خاک کے گرد
 بہت حسین سہی صحبتیں گلوں کی، مگر
 ابھی سے تجھ کو بہت ناگوار ہیں، ہمد!

تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی، کہاں گزرے؟
 کبھی کبھی وہی لمحے بلائے جاں گزرے
 کہیں نہ خاطرِ معصوم پر گراں گزرے
 مگر ہم اہل محبت کشاں کشاں گزرے
 حسیں حسیں نظر آئے، جواں جواں گزرے
 یہ اک جہاں ہی نہیں، سینکڑوں جہاں گزرے
 کہ جیسے روح ستاروں کے درمیاں گزرے
 تری وفا پہ بھی کیا کیا ہمیں گماں گزرے!
 مرے قریب سے ہو کر وہ ناگماں گزرے
 کہ ہم خود اپنی طرف سے بھی بدگماں گزرے
 نہ رائیگاں کبھی گذرا، نہ رائیگاں گزرے
 وہ زندگی جو حسینوں کے درمیاں گزرے
 نہ جانے آج طبیعت پہ کیوں گراں گزرے!
 مری نظر سے کچھ ایسے بھی آشیاں گزرے
 مری بلا سے بہار آئے یا خزاں گزرے
 رہ طلب میں کچھ ایسے بھی امتحاں گزرے
 خدا کرے، نہ پھر آنکھوں سے وہ سماں گزرے!
 معاملات کچھ ایسے بھی درمیاں گزرے
 طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گزرے
 وہ زندگی ہے جو کانٹوں کے درمیاں گزرے
 وہ حادثات جواب تک رواں دواں گزرے

جنہیں کہ دیدہ شاعر ہی دیکھ سکتا ہے وہ انقلاب ترے سامنے کہاں گزرے
بہت عزیز ہے مجھ کو انہیں کی یاد جگر
وہ حادثاتِ محبت جو ناگہاں گزرے



آدمی، آدمی سے ملتا ہے دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
بھول جاتا ہوں میں ستم اُس کے وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
آج کیا بات ہے کے پھولوں کا رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے
سلسلہ فتنہ قیامت کا تیری خوشقامتی سے ملتا ہے
مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
کاروبار جہاں سنورتے ہیں ہوش جب بخودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزا محبت کا!
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے



urdukutabkhanapk.blogspot.com

urdukutabkhanapk.blogspot.com

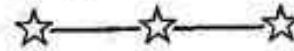
urdukutabkhanapk.blogspot.com

افشاں

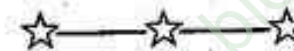
لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف چمن میں آتشِ گل کا کبھی دھواں نہ رہا



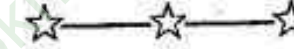
ہم نا مرادِ شوق جنے بھی تو کیا جنے! آنا تھا مفت یہ بھی اک الزام، آ گیا
کیا کیا نگاہِ دوست ہوئی مجھ سے بدگماں! دم بھر کے واسطے بھی جو آرام آ گیا



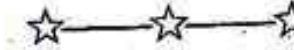
کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر
طعن کیا کیا نہ فرشتوں نے کئے تھے جس پر عرشِ پیا ہے وہی، خاک کا پتلا ہو کر
ہے جو ملنا ہی مقدر، تو برابر سے ملے قطرہ دریا میں سمائے بھی تو دریا ہو کر



چھپتا ہے کہیں بانی بیدار کا عالم! ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم
دیکھ اے نگہِ شوق، یہیں تک نہ ٹھہرنا اک اور تجھی ہے حسنِ خدا داد کا عالم



بچھے گی سوزِ غم سے رُوح کی پیاس اسی شعلہ کو بن جانا ہے شبنم



اُن کی جفا پہ ترکِ وفا کر رہا ہوں میں سائے کو زندگی سے جدا کر رہا ہوں میں
میری ادائے شکرِ حضوری تو دیکھنا! صد شکوہِ فراق نما کر رہا ہوں میں



اللہ اللہ، آج حسنِ دوست کی غمازیاں! عشق ہی کو صرف اپنا راز داں سمجھا تھا میں



ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہِ حریفن جھکے اگر تو بت کدہ، اٹھے اگر تو بت شکن



دیکھا ہے عش ہی میں یہ عالم بھی بار بار جس کا معاملہ ہو، اُسی کو خبر نہ ہو



جگر ان حوادث سے گھبرا نہ جانا یہی تو ہے دلچسپیوں کا زمانہ



محبت رہ گئی، بن کر مکمل زندگی اپنی
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دنیا تھی کبھی اپنی
مبارک بخودی اپنی، سلامت باخودی اپنی
مگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ زندگی اپنی
حقیقت نے حقیقت جان لی، پہچان لی اپنی



وہ کیا گئے بہارِ گلستاں لئے ہوئے
دل بھی وہی ہے، غم بھی وہی، پھر یہ کیا آج
ہر بھول ہے جراثیمِ پنہاں لئے ہوئے
ہر اشک ہے تبسمِ پنہاں لئے ہوئے؟



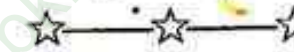
بہ شکلِ ناخدا جس میں ہیں اب تک جعفر و صادق
وہ کشتی غرق ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے



تو ہلاک ہوش و تمکلیں، میں شہیدِ کیف و مستی
تری زندگی بھی مستی، مری زندگی بھی مستی



ڈمگانے لگے ہیں پائے طلبِ دل ابھی ابتدائے راہ میں ہے
میرے پندارِ عشق پر مت جا یہ ادائے نازِ گاہ گاہ میں ہے



تجدیدِ ملاقات

مدت میں وہ پھر تازہ ملاقات کا عالم
نغموں میں سمویا ہوا وہ رات کا عالم
اللہ رے، وہ شدتِ جذبات کا عالم!
چھایا ہوا وہ نشہِ صہبائے محبت
وہ سادگیِ حسن، وہ محبوبِ نگاہی
نظروں سے وہ معصومِ محبت کی تراوش
عارض سے ڈھلکتے ہوئے شبنم کے دو قطرے
بے شرطِ تکلف و پذیرائیِ الفت

خاموش اداؤں میں وہ جذبات کا عالم
وہ عطر میں ڈوبے ہوئے لمحات کا عالم
کچھ کہہ کے وہ بھولی ہوئی ہر بات کا عالم
جس طرح کسی رندِ خرابات کا عالم
وہ مٹھرا صد شکر و شکایات کا عالم
چہرے پہ وہ مشکوک خیالات کا عالم
آنکھوں سے جھلکتا ہوا برسات کا عالم
بے قیدِ تصنع وہ مدارات کا عالم

ایک ایک نظر شعر و شباب و سہ و نغمہ
 وہ نظروں ہی نظروں میں سوالات کی دنیا
 نازک سے ترنم میں اشارات کے دفتر
 پاکیزگی عصمت و جذبات کی دنیا
 برہم وہ نظامِ دل و دنیائے تمنا
 وہ عشق کی بربادی زندہ کا مرقع
 وہ عارض پر نور، وہ کیف نگہ شوق!
 وہ جرأت بے باک، وہ شوخی، وہ شرارت
 تھک جانے کے انداز میں وہ دعوتِ جرأت
 شرمائی لجائی ہوئی وہ حسن کی دنیا
 دو پچھڑے دلوں کی وہ بہمِ صلح و صفائی
 وہ عرش سے تافرش برستے ہوئے انوار
 تا صبح وہ تصدیقِ محبت کے نظارے
 عالم مری نظروں میں جگر اور ہی کچھ ہے
 عالم ہے اگرچہ وہی دن رات کا عالم



یاد

آئی جب اُن کی یاد تو آتی چلی گئی!
 ہر منظرِ جمال دکھاتی چلی گئی
 ہر واقعہ قریب تر آتا چلا گیا
 ویرانہ حیات کے ایک ایک گوشہ میں
 دل بھٹک رہا تھا آتشِ ضبطِ فراق سے
 بے حرف و بے حکایت و بے ساز و بے صدا
 جتنا ہی کچھ سکون سا آتا چلا گیا
 کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا
 ہر نقشِ ما سوا کو مٹاتی چلی گئی
 جیسے انہیں کو سامنے لاتی چلی گئی
 ہر شے حسین تر نظر آتی چلی گئی
 جو گن کوئی ستار بجاتی چلی گئی
 دیکھ کو میگہار بناتی چلی گئی
 رگ رگ میں نغمہ بن کے ساتی چلی گئی
 اتنا ہی بے قرار بناتی چلی گئی
 بے کیفیوں کو نیند سی آتی چلی گئی

کیا کیا نہ حسنِ یار سے شکوے تھے عشق کو کیا کیا نہ شرمسار بناتی چلی گئی
تفریقِ حُسن و عشق کا جھگڑا نہیں رہا تمیزِ قُرب و بُعد مٹاتی چلی گئی
میں تشنہ کامِ شوق تھا، پیتا چلا گیا وہ مست آنکھریوں سے پلاتی چلی گئی
اک حُسن بے جہت کی فضاے بسط میں اڑتی گئی، مجھے بھی اڑاتی چلی گئی
پھر میں ہوں اور عشق کی بے تائیاں جگر
اچھا ہوا، وہ نیند کی ماتی چلی گئی



سرایا

وہ حُسنِ کافر، اللہ اکبر! تخریبِ دوراں، آشوبِ محشر
وہ قدِ رعنا، وہ رُوئے رنگیں عالم ہی عالم، منظر ہی منظر
گیسو و عارض، شانہ بشانہ شامِ معطر، صبحِ متور
شرمائیں جن سے ساون کی راتیں وہ حلقہ ہائے زلفِ معنبر
مینا بدوشے، ساغر بہ چشمے بربط بدستے، سے خانہ دربر
وہ مست نظریں جب اٹھ گئی ہیں ٹکرا گئے ہیں، ساغر سے ساغر
گفتارِ شیریں، رفتارِ نازک خیام و حافظِ تسنیم و کوثر
کشور کشائے دلہائے خُوباں فرماں روائے چاہنہائے مضطر
شہکارِ فطرت، اعجازِ قدرت تعبیرِ خوابِ مالی و آذر
گفتارِ مبہم، اجمالِ ہستی رفتارِ برہم، تفسیرِ محشر
وہ بزمِ خلوت، وہ طرفِ گلشن وہ دستِ سیمیں، وہ جامِ احمر
وہ حسنِ رقصاں، وہ جسمِ لرزاں وہ عشقِ حیراں، وہ شوقِ مضطر
جانِ توجہ، رُوحِ تغافل عریاں تبسم، پوشیدہ نشر
وہ امتزاجِ شرم و شرارت وہ احتیاطِ آدابِ پرور
وہ موسمِ گل، وہ شیشہ و مل وہ کیف و مستی، وہ رُت، وہ منظر
نغمہ ہی نغمہ، خوشبو ہی خوشبو صہبا ہی صہبا، ساغر ہی ساغر

(نا تمام)

قحطِ بنگال!

بنگال کی میں شام و سحر دیکھ رہا ہوں
افلاس کی ماری ہوئی مخلوق سرِ راہ
بچوں کا تڑپنا، وہ ہلکنا، وہ سسکنا
بے مہری و بیدردی و افلاس و غلامی
انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
تعمیر کے پردے میں یہ اندازِ حکومت
ہر چند کہ آثار تو کچھ اور ہیں، لیکن
بیداریِ احساس ہے ہر سمت نمایاں
خاموش نگاہوں میں اُٹتے ہوئے جذبات
انجامِ ستم اب کوئی دیکھے کہ نہ دیکھے
صیاد نے لُٹا تھا عنادل کا نشیمن
اربابِ وطن کو مری جانب سے ہو مُودہ
اک تیغ کی چشمک سی نظر آتی ہے مجھ کو
رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیرِ تاباں
بیداری و آزادی و اخلاص و محبت

جو خواب کہ شرمندہ تعبیر تھا اب تک

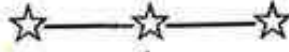
اس خواب کی تعبیر جگر دیکھ رہا ہوں



پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

ہندوستان میں خیر سے اُن کی کمی نہیں
دیتے ہیں بات بات پر انسانیت کا درس
چہرے جنوں حبِ وطن سے دھویں دھویں
ظاہر میں اک مجسمہ امن و آشتی
لب پر ہیں جو خلوص کا دفتر لئے ہوئے
دل میں ہزار دشنہ و نشتر لئے ہوئے
سینے خباثتوں کا سمندر لئے ہوئے
باطن میں لاکھ فتنہ محشر لئے ہوئے

کہتے ہیں، بھائی بھائی ہیں اہل وطن تمام پھرتے ہیں آستیں میں خنجر لئے ہوئے
انسان جس میں بستے ہوں اس طرح کے جگر
بھاگ ایسی سر زمین سے بستر لئے ہوئے



آج کل

شاعر نہیں ہے وہ جو غزلخواں ہے آج کل
بزم خیالِ جنت ویراں ہے آج کل
سینہ تمام گنج شہیداں ہے آج کل
انساں کے سائے سے بھی گریزاں ہے آج کل
اور اس کا نام فصلِ بہاراں ہے آج کل
رنگِ رخ بہار پر افشاں ہے آج کل
تہذیبِ نفس سر بہ گریباں ہے آج کل
خود زندگی متاعِ گریزاں ہے آج کل
کم ظرفی مزاج نمایاں ہے آج کل
ہر درد کا یہ نسخہ آسان ہے آج کل
اندازِ حسن بن کے نمایاں ہے آج کل
انسان کے لباس میں شیطان ہے آج کل
ہندوستان میں کس قدر ارزاں ہے آج کل!
انساں ہے اور ماتمِ انساں ہے آج کل
ہے داغِ زندگی، جو مسلمان ہے آج کل
کارِ ثواب و کارِ نمایاں ہے آج کل
انسان کا شکار خود انساں ہے آج کل
دراصل ایک پیکرِ بے جاں ہے آج کل
کیا خوب اہتمامِ گلستاں ہے آج کل
لیکن مفادِ عام کا عنوان ہے آج کل
اُردو زباں پہ خاص کراہاں ہے آج کل

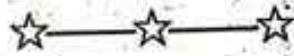
فکرِ جمیل خواب پریشاں ہے آج کل
سازِ حیات، سازِ شکستہ ہے ان دنوں
آنکھیں تمام مشہدِ عشق و جمال ہیں!
انسانیت کہ جس سے عبارت ہے زندگی
دل کی جراحوں کے کھلے ہیں چمن چمن
صحنِ چمن میں یوئے وفا کا پتہ نہیں
تحصیلِ علم و کسبِ خطابت کے باوجود
کیسا خلوص، کس کی محبت کہاں کا درد؟
افسانہ بن گئی ہیں وسیعِ الخیالیاں
سازش، دغا، فریب، سخن پروری، دروغ
اخلاق ایک فن ہے جو عصرِ جدید میں
شائستگی کے بھیس میں یہ رُوحِ زندگی
وہ قومیت کہ جس سے ہے انسانیت ذلیل
دہلی و دہرہ دون، نواکھالی و بہار
ہے زخمِ کائنات جو ہندو ہے ان دنوں
تعداد ایک فرقے کی جتنی بھی گھٹ سکے
وہ دن گئے کہ طائرِ مقصود تھا شکار
کہتے ہیں جس کو صورتِ آزادی وطن!
کانٹے کسی کے حق میں، کسی کو گل و شمر
سرمایہ داریوں کی طرف داریاں ہیں سب
ہونے کو یوں تو روزِ نئی ہیں عنایتیں

نسبت اب اس کو شہید مستور سے کہاں؟ شاعر ہے اور پیکر عریاں ہے آج کل
 کچھ رہبران قوم، جو مخلص ہیں واقعی اُن کا چراغ بھی تہہ داماں ہے آج کل
 لیکن میں دیکھتا ہوں کہ در پردہ شہود فطرت کا انتقام خراماں ہے آج کل
 اس سے تو خود کشی ہی غنیمت ہے، اے جگر!
 وہ مصلحت، جو پیشہ مرداں ہے آج کل



گاندھی جی کی یاد میں

وہی ہے شور ہائے وہو، وہی ہجوم مرد و زن وہی ز میں، وہی زماں، وہی مکیں، وہی مکاں
 وہی ہے شوقِ نوبہ نو، وہی جمالِ رنگ رنگ ترقیوں پہ گرچہ ہیں تمدن و معاشرت
 شرابِ نوکی مستیاں کہ الحفیظ والاماں!! یہ نغمہ حیات ہے، کہ ہے اجل ترانہ سنج
 ہزار دو ہزار ہیں اگرچہ رہبرانِ ملک وہی مہاتما، وہی شہید امن و آشتی!
 مگر وہ حسنِ زندگی، مگر وہ جنتِ وطن مگر سرورِ یکِ دلی، مگر نشاطِ انجمن
 مگر وہ عصمتِ نظر، طہارتِ لب و دہن مگر وہ حسنِ سادگی، وہ سادگی کا پانکپن
 مگر وہ اک لطیف سا سرورِ بادۂ کہن یہ دورِ کائنات ہے، کہ رقص میں ہے اہرمن؟
 مگر وہ پیرِ نوجواں، وہ ایک مردِ صف شکن تھاپریم جس کی زندگی، خلوص جس کا پیر ہیں
 وہی ستارے ہیں، مگر کہاں وہ ماہتابِ ہند؟ وہی ہے انجمن، مگر کہاں وہ صدرِ انجمن!؟



آوازیں

اگرچہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر زہے کار و پارِ فطرت!
 وہی خزاں کا ہے رقصِ عریاں، وہی ہے جشنِ بہارِ اب بھی
 چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
 چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن سے رُوٹھی بہار اب بھی
 نسیم ہے آج بھی طربِ زاء، درخت ہیں سایہ دار اب بھی
 مگر وہ انساں کہ جس کے چھونے سے جلتے ہیں برگ و بار اب بھی

انہیں خبر کیا نہیں ہے اس کی، انہیں میں ہیں فتنہ کار اب بھی؟
 مگر وہ ہیں وقت و مصلحت کے قدیم و تازہ شکار اب بھی
 مصیبتوں کو پیامِ عشرت، کہ عقل ہے کج روی کی جانب
 صعبتوں کو نویدِ راحت، جنوں ہے آہستہ کار اب بھی
 اگرچہ آزادیِ وطن کو گذر چکا ایک سال کامل
 مگر خود اہل وطن کے ہاتھوں فضا ہے ناسازگار اب بھی
 خود اپنی بد نیتی کے ہاتھوں بُرے نتائج بھگت رہے ہیں
 صداقتوں سے، حقیقتوں سے، وہی ہے لیکن فرار اب بھی
 زمین بدلی، زمانہ بدلا، مگر نہ بدلے تو وہ نہ بدلے
 جوتنگ و تاریک ذہنیت تھی، وہی ہے برزخِ کار اب بھی
 یہ زندگی غیر مطمئن سی، شکوک و شبہات کی یہ دُنیا
 مگر وہ فرمائے جا رہے ہیں کہ رشتہ ہے استوار اب بھی
 کوئی یہ چپکے سے اُن سے پوچھے، کہاں گئے آپ کے وہ وعدے؟
 نچوڑتا ہے لہو غریبوں کا دستِ سرمایہ دار اب بھی!
 سفارشیں ظالموں کے محنت میں پیامِ رحمت بنی ہوئی ہیں!
 نہیں ہے شائستہ سماعت دُکھے دلوں کی پکار اب بھی
 اسی کا ہے نام اگر ترقی، تو اس ترقی سے باز آئے
 کہ خونِ مخلوق سے خدا کی زمین ہے لالہ زار اب بھی
 ہمیں ملا کر بھی خاک و خوں میں نہیں ہیں وہ مطمئن ابھی تک

ہماری خاکِ لحد کے ذرے ہیں اُن کے دامن پہ بار اب بھی
 جو محوِ جشنِ نظامِ نو ہیں، پکار کر اُن سے کہہ رہا ہوں
 یہ جان ہے سوگوار اب تک، یہ دل ہے ماتم گسار اب بھی
 منافقت کی ہزار باتیں وہ سنتے رہتے ہیں اور خوش ہیں
 مگر صداقت کی صاف و سادہ سی بات ہے ناگوار اب بھی
 نہ وہ مروت، نہ وہ صداقت، نہ وہ محبت، نہ وہ شرافت
 رہیں خوف و خطر ہیں یعنی، سکونِ امن و قرار اب بھی

زبان و دل میں نہ ربطِ صادق، نہ باہمی وہ خلوصِ کامل
 جو تھے غلامانہ زندگی میں، وہی ہیں لیل و نہار اب بھی
 غلط یہ جمہوریت کے دعوے دروغ یہ زندگی کے نقشے
 دلیل اس کی یہی ہے کافی کہ ذہن ہے تنگ و تار اب بھی
 یہ جشنِ آزادیِ وطن ہے، مگر اسی جشن و سرخوشی میں
 بہت ہیں سینہ نگار اب بھی، بہت ہیں بے روزگار اب بھی
 یہی جو سادہ سے قہقہے ہیں، یہی جو پھیکے سے ہیں تبسم!
 انہیں کی تہ میں بہت سے اشکوں کے ہیں رواں آبشار اب بھی
 گرانیاں اُس طرف وہ ارزاں، ادھر یہ افلاس و تنگ دستی
 مگر حکومت کا ہے یہ عالم، ذرا نہیں شرمسار اب بھی
 ہزار ہا انقلاب دیکھے، ہزار ہا تجربوں سے گذرے
 خرد میں تنگی، عمل میں لغزش، جُوں ہے ناچختہ کار اب بھی
 یہ رشوتوں کی، یہ سازشوں کی، یہ نفع اندوزیوں کی لعنت
 وہ خود ہی انصاف سے یہ کہہ دیں نہیں وہ کچھ ذمہ دار اب بھی
 انہیں کے حلقوں سے خود انہیں کی مخالفت عام ہو رہی ہے
 ہماری جانب سے لیکن اُن کی نظر ہے بیگانہ وار اب بھی
 کہاں کی دلداری و محبت، تلافیوں کا تو ذکر ہی کیا؟
 حقوق پامال کر رہے ہیں، حقوق کے پہرہ دار اب بھی
 کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکے گی، مسرتِ آزادیوں کی حاصل
 کہ عام انسانیت کا عالم ہے تشنہ و بے قرار اب بھی

وسیع مسلک، رفیع فطرت، خلوصِ ایمان، خلوصِ نیت
 انہیں فضائل پہ ہے وطن کے وقار کا انحصار اب بھی
 زمانہ کیا کیا نہ کہہ چکا ہے، زمانہ کیا کیا نہ کہہ رہا ہے
 مگر وہ ہیں وضع دار ایسے، ذرا نہیں شرمسار اب بھی
 خلوصِ نیت سے صرف اپنی ہی زندگی پر کریں توجہ
 خلوصِ نیت کی منتظر ہے سعادتِ کردگار اب بھی

کبھی کبھی غور کرتے رہیے، جگر کا مصرع یہ پڑھتے رہیے
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن کی روٹھی بہار اب بھی
جگر کی ہے زندگی محبت، نہیں ہے اس کو کسی سے نفرت
جگر کے دل میں ہے سب کی عزت، جگر ہے یاروں کا یار اب بھی



گذر جا!

اس کار گہ مکر و ضلالت سے گذر جا
بخت بھی میسر ہو تو بخت سے گذر جا
ہمت ہے تو محدود محبت سے گذر جا
ہر سادہ و پر کار عبادت سے گذر جا
زورِ قلم و جوشِ خطابت سے گذر جا
اظہارِ وفا، جوشِ عقیدت سے گذر جا
اٹھ اور اب اس قصرِ مذلت سے گذر جا
ہر مرحلہ شکر و شکایت سے گذر جا
اٹھ اور ہر آسانی لذت سے گذر جا
قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا
راحت کی تمنا ہے تو راحت سے گذر جا
بہتر ہے کہ اس صبر و قناعت سے گذر جا
اس فلسفہ دانش و حکمت سے گذر جا
ہر قصرِ فلک بوس کی رفعت سے گذر جا
کچھ سوچ کے اس منظرِ عبرت سے گذر جا
اے تنگ طلب! وقفہ راحت سے گذر جا
لڑتا ہوا ہر کفر و ضلالت سے گذر جا
پر پیچ گذر گاہ سیاست سے گذر جا
ہر ناقص و محدود جماعت سے گذر جا
نفرت سے، عداوت سے، شقاوت سے گذر جا

بازمچہ اربابِ سیاست سے گذر جا
ہر عشرت بے وقت و محنت سے گذر جا
جرات ہے تو ہر نیم صداقت سے گذر جا
ہر تنگ نظر اہل صحافت سے گذر جا
الفاظ نہیں دام ہیں یہ مکر و دغا کے
خود داری بیباک شرافت کا ہے جوہر
تاچند یہ توہینِ حقوقِ رعیت
سر تا بقدم پیکرِ ایثار و عمل بن!
کرنا ہے اگر کارِ نمایاں کوئی تجھ کو
قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمحل
جینا جو ہے منظور تو جینے کی نہ کر فکر
جو صبر و قناعت تجھے مفلوج بنا دے
پیدا نہ کرے تجھ میں جو پاکیزگی روح!!
نادار کی مجبوری ذہنی کی طرف دیکھ
ٹھلے ہوئے اجسام، سسکتی ہوئی رُو صیں
ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام!
دنیا کے ہے رزم گہ شیطنت و حق
سیدھی سی بس اک راہِ صداقت پہ چلا چل
انسانیتِ عام کے مرکز کی بنا ڈال
آوروں کے لئے چھوڑ یہ تاریک مقامات

لیتا ہوا اک درس حیاتِ ابدی کا
حق پر ہے اگر تو تو شہادت کا مزہ چکھ
ہے خدمتِ مخلوق ہی نعم البدل اپنا
ملت کی بقا ہے تری اس موت میں پنہاں
سرمایہ و سازش کے یہ مردود عزائم!
توحید کی طاقت کو بنا اپنا معاون
حائل ہو قیامت بھی اگر راہ میں تیری!
بیباک گذر رزم گہ دہر سے، لیکن!
تو حسن کے اک دائرہ گل کی طرف آ
کونین تری وسعت و رفعت میں ہے خود محو
تجھ پر جو گروہ جہلا طنز کرے کچھ!
ہوتی ہے یونہی نشوونما فکر و عمل کی
انسان بن انسان، یہی ہے تری معراج
تیرے یہ پیامات جگر ہم کو مبارک!
تو بھی تو اب اس بستی عزالت سے گذر جا



نوائے وقت!

اٹھو اٹھو! کہ زندگی ہی زندگی پہ بار ہے
وہ وقت ہے کہ علم حق ہے علمِ شیطنت میں گم
کہاں کے مطرب و غزل، کہاں کے شاہد و چمن
غضب کہ چھائی جا رہی ہیں ظلمتوں کی بدلیاں
زمین کو روندتے ہوئے، صفوں کو چیرتے ہوئے
بڑھو! بڑھو! کہ چار سو پکار ہی پکار ہے
وہ وقت ہے کہ آدمی کا آدمی شکار ہے
کہ زندگی تمام تر بساطِ کار زار ہے
ستم کہ، زد میں آندهیوں کی شمع روزگار ہے
بڑھے چلو، بڑھے چلو! یہ وقت کی پکار ہے



زمانے کا آقا، غلام زمانہ

کدھر ہے تو اے بُرأتِ باغیانہ
گھلا بابِ زنداں تو کیا اس سے حاصل
محبت اڑی جا رہی ہے دلوں سے
شرافت کا معیار افراطِ دولت
زبانوں پہ اصلاحِ قومی کے نعرے
غریبوں پہ جو کچھ گذرتی ہے، گذرے
مجسمِ خود اک پیکرِ مآذیت
دلائل کی ہنگامہ آرائیوں میں
نتائج سے بھی آنکھ کھلتی نہیں ہے
بشر کی یہ پستی، اے توبہ توبہ!
زمانے کا آقا، غلام زمانہ!!



دلِ حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر!

پہلے تو حُسنِ عمل، حُسنِ یقیں پیدا کر
یہی دُنیا کہ جو بُت خانہ بنی جاتی ہے
روحِ آدمِ نگراں کب سے ہے تیری جانب
خس و خاشاکِ توہم کو جلا کر رکھ دے
غمِ میسر ہے تو اس کو غمِ کونین بنا
آسمانِ مرکبِ محفل و تصورِ گب تک؟
دل کے ہر قطرہ میں طوفانِ تجلی بھر دے
بندگی یوں تو ہے انسان کی فطرت لیکن
پستیِ خاک پہ کب تک تری بے بال و پری

پھر اسی خاک سے فردوسِ بریں پیدا کر
اسی بُت خانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر
اُٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر
یعنی آتشِ کدہ سوزِ یقیں پیدا کر
دلِ حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر
آسمانِ جس سے تجلِ ہو وہ زمیں پیدا کر
بطنِ ہر ذرہ سے اک مہرِ مبین پیدا کر
نازِ جس پر کریں سجدے وہ جہیں پیدا کر
پھر مقامِ اپنا سرِ عرشِ بریں پیدا کر

عشق زندہ و پائندہ حقیقت ہے جگر
عشق کو عام بنا، ذوقِ یقین پیدا کر!



اعلانِ جمہوریت

(۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء)

جو بے قرار ہیں اب تک، انہیں قرار آئے
کہ پھول ہی نہیں، کانتوں پہ بھی نکھار آئے
وہ زندگی ہو کہ خود زندگی کو پیار آئے
کلی اگر کوئی چٹکے، صدائے یار آئے
کہیں بہار نہ آئے، کہیں بہار آئے
کوئی ہو جام بکف، کوئی شرمسار آئے
کہ شاخِ خشک میں بھی پھر سے برگ و بار آئے
کہ پھر اس اجڑے گلستاں میں بھی بہار آئے
دلوں تک آئے جو غم بھی، تو خوشگوار آئے
نگاہِ لطف و محبت بڑھے، سنوار آئے
یہ فتنہ بن کے نہ آشوبِ روزگار آئے
نظر ہر ایک بدی کا مالِ کار آئے
کہ جن کے ذکر سے انسانیت کو عار آئے
حقیقت بھی زمانے کو سازگار آئے
نہ یہ کہ ذکرِ زباں پر ہی بار بار آئے
کسی کے آئینہٴ قلب پر غبار آئے
اگر نہ کور نگاہی بروئے کار آئے
نہ آئی ہے وہ سیاست، نہ سازگار آئے
کہ جو زبان کہے، دل کو اعتبار آئے
مگر جو آج کے انساں کو اعتبار آئے

خدا کرے کہ یہ دستور سازگار آئے
بہار آئے اور اس شان کی بہار آئے
وہ سرخوشی ہو کہ خود سرخوشی بھی رقص کرے
کھلے جو پھول تو دے جسمِ ناز کی خوشبو
چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں
یہ میکدے کی، یہ ساقی گری کی ہے توہین
خلوص و ہمتِ اہل چمن پہ سے موقوف
جنونِ عشق ہو صالح اگر، تو ممکن ہے
مذاقِ عشق بدل دے، مزاجِ کون و فساد
نظامِ خلق و مروت کبھی جو برہم ہو
دلوں پہ نقش نہ رہ جائے کوئی نفرت کا
برائی کرنے سے ہی کاش ہر ایک انسان کو
وہ حادثاتِ زمانے سے محو ہو جائیں
نمائشی ہی نہ ہو، یہ نظامِ جمہوری
خلوص و عدل و مساواتِ دل میں گھر کر لیں
ضمیر صاف ہو اپنا تو غیر ممکن ہے
محبت آج بھی مشعلِ فروزِ منزل ہے
دلوں کی کھوٹ ہو جس کے ضمیر میں شامل
زبان و دل میں بہم ارتباط ہو ایسا
بنا دیا ہے محبت نے آگ کو گلزار

نہ ہو جو عام مسرت، محال ہے، اے دوست
کہ زندگی کو کسی حال میں قرار آئے



ساقی سے خطاب

ساقی اور رند دونوں میخانہ روحانیت سے وابستہ ہیں۔ دونوں میں شدید
محبت ہے۔ جہاں ساقی عظیم المرتبت ہے وہاں رند بھی معمولی رند نہیں، بلکہ ایک
خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ عصر جدید کے حالات سے متاثر ہو کر رند میخانہ کی زندگی
ترک کرنا اور جدوجہد دنیا میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور ساقی سے اجازت کا طالب
ہوتا ہے۔ ساقی کو خیال ہوتا ہے کہ عملی دنیا میں خدا جانے رند سے کیا کیا لغزشیں
ہوں۔ لیکن رند پر ساقی کا احساس منکشف ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہہ کر ساقی کو مطمئن
کرنا چاہتا ہے۔

نہ لا و سواس دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے
سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی
اسی کے ساتھ نظم میں معیارِ جوں، تنظیم میخانہ، انسان اور انسانیت، وطن اور وطنیت
وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی رند یعنی شاعر کے نظریات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔!!



کہاں سے بڑھ کے پہنچے ہیں، کہاں تک علم و فن ساقی!
مگر آئودہ انساں کا نہ تن ساقی، نہ من ساقی
یہ سُنا ہوں کہ پیاسی ہے بہت خاکِ وطن ساقی
خدا حافظ! چلا میں باندھ کر سر سے کفن ساقی
سلامت تو، ترا میخانہ، تری انجمن ساقی!
مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمتِ دار و رس ساقی!
رگ و پے میں کبھی صہبا ہی صہبا رقص کرتی تھی
مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موج زن ساقی
کبھی میں بھی تھا شاہد درِ بغل، تو بہ شکن، مے کش
مگر بننا ہے اب خنجر بکف، ساغر شکن ساقی

نہ لا دسواں دل میں، جو ہیں تیرے دیکھنے والے
 سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی
 جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے ہیں
 دلِ خواباں میں چھپتا ہے انہیں کا بانگین ساقی
 ترے جوشِ رقابت کا تقاضا کچھ بھی ہو، لیکن
 تجھے لازم نہیں ہے ترکِ منصب دفعۂ ساقی
 ابھی ناقص ہے معیارِ جوں، تنظیمِ مے خانہ
 ابھی نامعتبر ہے تیرے مستوں کا چلن ساقی
 وہی انسان جسے سرتاجِ مخلوقات ہونا تھا
 وہی اب سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی
 لباسِ حریت کے اڑ رہے ہیں ہر طرف پڑے
 بساطِ آدمیت ہے شکن اندر شکن ساقی
 مجھے ڈر ہے کہ اس ناپاک تر دورِ سیاسی میں
 بگڑ جائے نہ خود میرا مذاق شعر و فن ساقی
 کہیں ملحد نہ بن جائیں مرے افکارِ سنجیدہ
 کہیں مُرد نہ ہو جائے مرا ذوقِ سخن ساقی
 کہیں خودِ حسن رہ جائے نہ قومی ملکیت بن کر
 کہیں خودِ عشق ہو جائے نہ محدود وطن ساقی
 کہاں ہیں رہِ سرگشتہ، کہاں یہ دعوائے تمکین
 سمجھ لے اس کو بھی میرا اک اندازِ سخن ساقی
 عجب کیا ہے، یہ بہکی بہکی باتیں رنگ لے آئیں!
 بہت بار ہوش رہتا ہے مرا دیوانہ پن ساقی
 نمودِ صبحِ کاذب ہی دلیلِ صبحِ صادق ہے
 افق سے زندگی کی دیکھ وہ ابھری کرن ساقی
 بدہ جامِ مے باقی کہ درختِ نخواستہ یافت
 سوادِ ساحلِ گنگا و گلکشتِ چمن ساقی!

urdukutabkhanapk.blogspot.com

شُعْلہ طُور

ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلہ طُور ہو کر

میں اپنی ادبی کاوشوں اور جگر پاروں کو مولائی و
آقائی حضرت مولانا اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی قبلہ
مرحوم و مغفور کے اسم گرامی پر، جن کے فیضانِ توجہ اور
برکات تربیت کا نتیجہ وہ سب کچھ ہے جو ”شعلہ طور“ کی
صورت میں حاضر کیا جا رہا ہے..... اور..... مخدوم و محترم
صفی الذولہ حسام الملک، شمس العلماء، نواب علی حسن خان
صاحب طاہر مرحوم کے نام نامی پر، جن کی سعیِ بلیغ کا یہ
کرشمہ تھا کہ ”شعلہ طور“ مکمل تہذیب و ترتیب کے
ساتھ پیش کیا جاسکا..... اپنے دل کی تمام گہرائیوں کے
ساتھ معنون کرتا ہوں۔

..... جگر مراد آبادی

نغماتِ جگر

یعنی

انتخابِ داغِ جگر

(دورِ اول)

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جب اُس رُخ پر نور کا جلوہ نظر آیا
یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں
اک سرخوشی عشق ہے، اک بیخودی شوق
قربان تری شانِ عنایت کے دل و جاں
جب دیکھ نہ سکتے تھے، تو دریا بھی تھا قطرہ
ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا
آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت

جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا
دنیا نظر آئی مجھے، تو کیا نظر آیا
آنکھوں کو خدا جانے، مری کیا نظر آیا
جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا
اس کم نگاہی پر مجھے کیا کیا نظر آیا
ہر نقش ترا نقش کف پا نظر آیا
عالم مجھے سارا تہہ و بالا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا ترے جلووں سے منور

ہر بزم میں تو انجمنِ آرا نظر آیا

☆—☆—☆

پیوست دل میں جب تیرا تیر نظر ہوا
کچھ داغِ دل سے تھی مجھے امید عشق میں
تھم تھم کے اُن کے کان میں پہنچی صدائے دل
سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق
رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایہ شکیب
فریاد کیسی؟ کس کی شکایت؟ کہاں کا حشر؟

کس کس ادا سے شکوہ دردِ جگر ہوا
سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا
اڑ اڑ کے رنگِ چہرہ مرا نامہ بر ہوا
دامن سے پھر معاملہ چشم تر ہوا
اللہ! کس کا خانہ دل میں گذر ہوا
دُنیا ادھر کو ٹوٹ پڑی وہ جدھر ہوا

دارنگی شوق کا اللہ رے کمال! جو بے خبر ہوا، وہ بڑا با خبر ہوا
 حسرت اُس ایک طائرِ بیکس پر، اے جگر
 جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا



تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا
 دل کو نہ چھیڑ، اے غمِ فرقت! کہ اب یہ دل تیرے بھی التفات کے قابل نہیں رہا
 اُٹھتے ہیں تیری راہ میں جب سے مرے قدم
 احساسِ قرب و دوریٰ منزل نہیں رہا



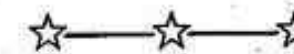
تجھ کو تسلیم حسیں ساری جماعت نے کیا دیکھ، کیا کام مرے دردِ محبت نے کیا
 اللہ اللہ، یہ تاثیرِ فغانِ شبِ ہجر
 خیرِ مقدم مرے نالوں کا قیامت نے کیا



ستم کا عدو مستحق ہو گیا مرا دل سراپاِ قلق ہو گیا
 سنانے چلے تھے انہیں حالِ دل نظر ملتے ہی رنگِ فق ہو گیا
 جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل وہی آسمان پر شفق ہو گیا
 چھپائے ہوئے تھے ترا رازِ عشق مگر اب تو سینہ بھی شق ہو گیا
 مری موت سن کر، کیا اُس نے ضبط
 مگر رنگِ چہرے کا فق ہو گیا



گھڑی بھر میں نا آشنا ہو گیا نہ جانے مرے دل کو کیا ہو گیا
 ڈھڑکنے لگا دل، نظر جھک گئی کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا
 مرے سر پر احسان تھا عشق کا مرا رنگ ہی دوسرا ہو گیا
 نمایاں ہیں چہرے سے آثارِ عشق جگر آج سے با خدا ہو گیا



تری یاد کی اف یہ سرمستیاں کوئی جیسے پی کے شراب آ گیا
 مرا ان کا بننا بگڑنا ہی کیا نگاہیں ملیں اور حجاب آ گیا

اداؤں میں شوخی چھلکنے لگی قیامت کو لے کر شباب آ گیا
ادھر جوشِ مستی، ادھر چشمِ شوق مصیبت میں بند نقاب آ گیا
جگر یہ قیامت کی بے ہوشیاں
اٹھو سر پہ اب آفتاب آ گیا

☆—☆—☆

بغور دیکھ لو اندازِ میرے مٹنے کے یہ سانچہ نہ کبھی پھر نظر سے گزرے گا
قریب سرحدِ حراماں، جگر، ٹھہر جاؤ!
سنا ہے قافلہٴ غم ادھر سے گزرے گا

☆—☆—☆

تصویرِ امیدوں کی آئینہ ملالوں کا انساں جسے کہتے ہیں، محشر ہے خیالوں کا
کیا خاکِ جواب اُن کو دُلوں اُن کے سوالوں کا لبِ خشک ہیں رنحوں کے، منہ بند ہے چھالوں کا
ہاں ٹھیس نہ لگ جائے، اے دردِ غمِ فرقت!
دل آئینہ خانہ ہے آئینہ جہالوں کا

☆—☆—☆

دل پہ طاری بے حسی و ضعف کا عالم ہوا گھٹ گئی اتنی ہی طاقت، دردِ جتنا کم ہوا
آہ رو لینے سے بھی کب بوجھِ دل کا کم ہوا
جس کسی کی یاد آئی، پھر وہی عالم ہوا

☆—☆—☆

حشر کے دن وہ گنہگار نہ بخشا جائے جس نے دیکھا تری آنکھوں کا پشیمان ہونا
پردہ رکھنا تھا جو منظور تو عاشق کے لئے دامنِ یار کو لازم تھا گریباں ہونا
سن کے افسانہٴ غمِ باغ میں گملا گئے مھول شاق گذرا مجھے بلبل کا غزل خواں ہونا
جس کو نعمت یہ ملے، کیوں وہ رہے آزرده
سو خوشی، ایک ترے غم میں پریشاں ہونا

☆—☆—☆

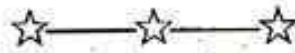
پریشاں ہو کے زلفوں کا وہ اُس رخ پر بکھر جانا وہ سوتے سوتے چونک اٹھنا، وہ لیٹے لیٹے ڈر جانا
ہراک لرزش پہ چیخ اٹھنا ہراک جنبش پہ ڈر جانا قفس تک، ہائے میرا اس طرح بے بال و پر جانا

☆—☆—☆

نقشِ وفا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا مل بھی گیا جو زہر، تو کھایا نہ جائے گا
 سر سے جنونِ عشق کا سایا نہ جائے گا تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا
 دل نے اگر چھپا بھی لیا داغِ آرزو آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا
 مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا
 ان کو بلا کے اور پشیمیاں ہوئے جگر
 یہ کیا خبر تھی، ہوش میں آیا نہ جائے گا



جان ہے بے قرار سی، جسم ہے پائمال سا اب نہ وہ داغ، وہ جگر، صرف ہے اک خیال سا
 چاہیے عشق میں مجھے آپ ہی کا جمال سا داغ ہر ایک بدر سا زخم ہر اک ہلال سا
 جس نے بنا دیا مجھے وحشی و خستہ حال سا ہائے! وہ شکل چاند سی ہائے وہ قد نہال سا
 دل پہ مرے گرائی تھیں تم نے ہی بجلیاں، مگر آؤ نظر کے سامنے، مجھ کو ہے احتمال سا
 ہائے رے وہ عتاب میں اُن کی ادائیں اُن کی شکل آنکھیں بھی سُرخ سُرخ سی، چہرہ بھی لال لال سا
 اُٹھتے ہی پائے یار کے باغِ کُلاخ اُجڑ گیا بھول بھی ہیں تباہ سے سبزہ بھی پائمال سا
 حُسن کی سحر کاریاں عشق کے دل سے پوچھئے وصل کبھی ہے ہجر سا، ہجر کبھی وصال سا
 گم شدگانِ عشق کے شان بھی کیا عجیب ہے! آنکھ میں اک سرور سا چہرے پہ اک جلال سا
 یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ
 کچھ اُنہیں اجتناب سا، کچھ مجھے احتمال سا



ہم اسیرانِ جنوں سے کوئی پوچھے آ کر جیتے جی قیدِ تعلق سے رہا ہو جانا
 نالہ دل جو سلامت ہے تو کیا مشکل ہے؟ روز اس کوچے میں ایک حشر بپا ہو جانا
 خاکِ مجنوں سے یہ آتی ہیں صدائیں اب تک زندگی ہے غمِ دلبر میں فنا ہو جانا
 نگہِ شوق نے سب کھول دئے بند نقاب سہل سمجھے تھے وہ پابندِ حیا ہو جانا
 ہائے وہ ضیضِ محبت کی جفائیں سرِ بزم دل میں گھٹ گھٹ کے وہ آہوں کا فنا ہو جانا
 رشک آتا ہے شہیدانِ وفا پر مجھ کو
 اُن کی قسمت میں تھا کیا جلد شفا ہو جانا



حسرت سے دیکھتا ہوں ہر اک شاخ گل کی سمت
جس پر برس گئی کبھی برقِ جمالِ یار
یہ ضعیف، اور ہائے! یہ عالم بہار کا
ہر ذرہ آفتاب ہے اُس کے مزار کا



آج کیا حال ہے، یا رب! سرِ محفلِ میرا
سوزِ غم، دیکھ، نہ برباد ہو حاصلِ میرا
کہ نکالے لئے جاتا ہے کوئی دل میرا
دل کی تصویر ہے ہر آئینہ دل میرا
صبح تک ہجر، میں کیا جانے کیا ہوتا ہے
مل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت
غم ہے اب جان مری، درد ہے اب دل میرا
کاش پہلو میں دھڑکتا ہی رہے دل میرا
ہائے! اُس دل کا مقدر جو بنا دل میرا
ہائے! اُس درد کی قسمت، جو ہوا دل کا شریک

کچھ کھلتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر

اب خدا جانے، تری یاد ہے یا دل میرا



لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا
ہر چند کر دیا مجھے برباد عشق نے
جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل بنا دیا!
لیکن انہیں تو شیفۂ دل بنا دیا
پہلے کہاں یہ ناز تھے، یہ عشوہ و ادا
دل کو دعائیں دو، تمہیں قاتل بنا دیا



آنکھوں کا تھا قصور، نہ دل کا قصور تھا
تاریک مثلِ آہ جو آنکھوں کا نور تھا
آیا جو میرے سامنے، میرا غرور تھا
کیا صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا
وہ تھے نہ مجھ سے دور، نہ میں اُن سے دور تھا
ہر وقت اک غماز تھا، ہر دم سرور تھا
کوئی تو درد مندِ دلِ ناصبور تھا!
لگتے ہی ٹھیس ٹوٹ گیا سازِ آرزو
ایسا کہاں بہار میں رنگینوں کا جوش
ساقی کی چشمِ مست کا کیا کیجئے بیاں
پلٹی جو راستہ ہی سے، اے آہِ نامراد!
جس دل کو تم نے لطف سے اپنا بنا لیا
اُس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا
آتا نہ تھا نظر کا قصور تھا
بوتل بغل میں تھی کہ دلِ ناصبور تھا
مانا کہ تم نہ تھے، کوئی تم سا ضرور تھا
ملتے ہی آنکھ شیشہ دل پُور پُور تھا
شامل کسی کا خونِ تمنا ضرور تھا
اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا
یہ تو بتا کہ بابِ اثر کتنی دور تھا
اس دل میں اک چھپا ہوا نشتر ضرور تھا
سب کو بقدرِ حوصلہ دلِ سرور تھا

دیکھا تھا کل جگر کو سر راہِ میکدہ
اس درجہ پی گیا تھا کہ نشے میں پور تھا



اللہ رہے، وارفتگی شوق کا عالم میرا بھی اب پتہ سر منزل نہیں ملتا
کیا قیس کی پُر شوق نگاہوں نے کیا سحر محمل میں بھی اب صاحب محمل نہیں ملتا



رگ رگ میں دل تھا، دل میں نہاں سوز و ساز تھا وہ دن بھی کیا تھے، جب میں سراپا گداز تھا
وہ تھے، بہار تھی، دلِ حسرت طراز تھا پیہم ادھر سے ناز، ادھر سے نیاز تھا
تاثر جذبِ عشق کو لیلے سے پوچھے جو ذرہ خاکِ عشق کا تھا، دل گداز تھا
پہلے جو ختم ہو گئی یہ داستانِ غم! تو میں کہوں گا عرصہ محشر دراز تھا
کیا کہہ دیا کسی نے؟ کہ ملتے ہی چشمِ شوق دونوں طرف سے دستِ تمنا دراز تھا

وہ ناز آفریں تھے، انہیں اس پہ تھا غرور

میں تھا نیاز مند، مجھے اس پہ ناز تھا



اس عشق میں پورا کبھی اُن سا نہیں دیکھا دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا
تازہ اثر، اے جذبہ پہناں نہیں دیکھا مدت ہوئی شمشیر کو عریاں نہیں دیکھا
اللہ ری، مجبوریِ آدابِ محبت گلشن میں رہے اور گلستان نہیں دیکھا
بے کار گئی سعیِ محبت بھی ہماری حاصل بجز اک دیدہ حیراں نہیں دیکھا

اللہ ری! مری تیز روی جوشِ جنوں میں

مڑ کر جو نظر کی تو بیاباں نہیں دیکھا



دل نہ تھا، جان نہ تھی، سوز نہ تھا، ساز نہ تھا میں ہی میں تھا مرے ہمراہ کوئی راز نہ تھا
دم بخود رہ گئی بلبل ہی چمن میں، ورنہ کون سا پھول تھا، جو گوشِ بر آواز نہ تھا
ہم تھے اور سامنے اک جلوۂ حیرت افزا پردہ تھا، اور کوئی پردہ بر انداز نہ تھا

حسرت اس طائرِ مایوس کی حالت پہ کہ جو

قید سے چھوٹ کے بھی مائلِ پرواز نہ تھا



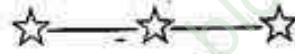
شریکِ نالہ میرا بھی جو اندازِ فغاں ہوتا چمن میں ہر لپ خاموش و بلبل کی زباں ہوتا
دمِ بکمل اگر تم چھیڑ دیتے دل کے زخموں کو لہو کا قطرہ قطرہ دردِ دل کی داستاں ہوتا
بہت روکا تمہارے وعدہ دیدار نے ورنہ
وہاں ہوتی نہ میری بیخودی بھی، میں جہاں ہوتا



خلوت میں غمِ فرقت اس طرح بیاں ہوتا وہ میری زباں سُنتے میں اُن کی زباں ہوتا
تھی سیر، اگر میں بھی ساتھ اُن کے وہاں ہوتا آنسو بھی رواں ہوتے، دریا بھی رواں ہوتا



یوں رازِ غمِ اُلفت سینے میں نہاں ہوتا ہم خود بھی عیاں کرتے، تو بھی نہ عیاں ہوتا
اے کاش! نہ ہم اُٹھتے در سے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا، مرنا بھی یہاں ہوتا



آنکھوں میں اس طرح سے تراشوق دید تھا گویا مری نظر میں دلِ نا اُمید تھا
اللہ ری نشترِ غمِ فرقت کی تیزیاں! رگ رگ میں شور و شیونِ قطع و برید تھا



کمالِ عشق بھی کیا کیا فریب دار ہوا کہ اپنے پر مجھے اکثر گمانِ یار ہوا
جنوں میں سینے کو بیٹھے ہیں جیب کے ٹکڑے خبر نہیں کہ گریباں بھی تار تار ہوا
کہاں کے غمزہ و شونہ، کہاں کی ناز و ادا وہ تیرا اور ہی تھا جو جگر کے پار ہوا
اب اس سے بڑھ کے طلسمِ خیال کیا ہوگا کہ ذرہ ذرہ تو تصویرِ حُسنِ یار ہوا
خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی خود اپنا ضعیفِ نظر پردہ بہار ہوا



راز اس حُسن کا ہندو نہ مسلمان سمجھا کچھ جو سمجھا تو مرا دیدہ حیراں سمجھا
زخم کو مرہمِ دل، درد کو درماں سمجھا چارہ گر خوب علاجِ غمِ پنہاں سمجھا
عشق کا راز وہی سوختہ ساماں سمجھا جس نے دامنِ کبھی جانا نہ گریباں سمجھا
حشر میں بھی نہ اُٹھا آنکھ سے غفلت کا حجاب اس کو بھی سلسلہ خوابِ پریشاں سمجھا



اتنی ہی بڑھی حسرت جتنا ہی ادھر دیکھا
 ڈوبا ہوا رگ رگ میں وہ تیر نظر دیکھا
 پروانوں نے کیا جانے، کیا وقت سحر دیکھا
 اللہ نہ دکھلائے جو وقت سحر دیکھا
 تھا حاصل صد ناوک، جو زخم جگر دیکھا
 اُس جانِ تغافل نے جب ایک نظر دیکھا
 اک زخم ادھر پایا، اک داغ ادھر دیکھا
 ان کو بھی نہ چین آیا جب تک نہ ادھر دیکھا
 اُس روئے نگاریں کو فردوسِ نظر دیکھا
 یا درد نے کروٹ لی، یا تم نے ادھر دیکھا
 کچھ ہوش جو آیا تو اُڑا ہوا گھر دیکھا
 کچھ خیر تو ہے، تم نے کیا حالِ جگر دیکھا

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مفر دیکھا
 تھا کھیل سا پہلے عشق، لیکن جو کھلیں آنکھیں
 سب ہو گئے اٹھ اٹھ کے اک بار نثارِ شمع
 وہ اشک بھری آنکھیں اور درد بھرے نالے
 قرباں ری آنکھوں کے، صدقے تری نظروں کے
 جاتے رہے دم بھر میں سارے ہی گلے شکوے
 عہدِ غمِ فرقت میں دل اور جگر کیسے؟
 تھا باعثِ رسوائی ہر چند جوں میرا
 اُس چشمِ غزالیں کو میخانہ دل پایا
 یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سببِ آخر
 کیا جانے کیا گذری، ہنگامِ جنوں، لیکن
 ماتھے پہ پسینہ کیوں؟ آنکھوں میں نمی کیسی؟



میرے لئے چمن بھی بیاباں نکل گیا
 کیا جانے کس طرح سے گریباں نکل گیا
 مانا کہ چشمِ شوق کا ارماں نکل گیا
 سو سو جگہ سے آج گریباں نکل گیا

کانٹا تھا چشمِ یاس میں اک ایک برگِ گل
 دستِ جنوں کا ضعف سے اٹھنا محال تھا
 دل میں تو آگ ہے وہی اب تک لگی ہوئی
 جوشِ جنوں سے کچھ نہ چلی ضبطِ عشق کی



رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل ہو گیا
 میں نے جس دل کی طرف دیکھا، مراد دل ہو گیا
 گو مجھے اک اک قدم اک ایک منزل ہو گیا
 انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا
 رازِ میخانے سے باہر نہ ہو میخانے کا
 وہ بھی چھوٹا سا ہے ٹکڑا اسی ویرانے کا
 شمع کے ساتھ تعلق ہے جو پروانے کا
 چشمِ مخمور میں کل راز ہے میخانے کا
 شمع منہ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا

مجھ کو وہ لذت ملی احساسِ مشکل ہو گیا
 اے نگاہِ یاس! یہ کیا رنگِ محفل ہو گیا
 لے کے پہنچی بیخودی شوقِ بزمِ یار تک
 ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال
 جب نو کچھ ظرف ہے اے دل! ترے پیانے کا
 عرصہ حشر کہاں، یہ دلِ برباد کہاں
 اس کی تصویر کسی طرح نہیں کھینچ سکتی
 جُرمِے کی ادا میں نگہِ ناز میں ہیں
 جذبہ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا

قدم اٹھتے بھلا کیا قیس کے بے چارہ حیراں تھا کہ ہر ذرہ دیار نجد کا تصویرِ جاناں تھا
خزاں کا دور، وہ پڑ مردہ غنچے، گل وہ افسردہ چمن لٹتا تھا یا رب! یا کوئی خواب پریشاں تھا
انہیں کی اک نگاہ ناز کے سارے کرشمے تھے نہ حسرت میری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا
وہ حلم اور وہ تواضع اور وہ طرزِ خود فراموشی خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا!



فروغِ حسنِ رخِ نکو نے کیا یہ کیا انقلاب پیدا!
حجاب پر ہے حجاب طاری، نقاب پر ہے نقاب پیدا
حیا میں آئے تو رنگِ ہستی، ادا میں ہو تو حجاب پیدا
وہ آنکھ خود ہی بنے گی ساقی، نظر کرے گی شراب پیدا
سُنیں تو وہ میرا قصہ غم، نہیں تو وہ دردِ دل کے محرم
کرے گا ایک ایک اشکِ حسرت ہزار چشمِ پر آب پیدا
کہاں کا میخانہ، کس کا ساقی، کچھ اور بڑھنے دو بیخودی کو!
یہی بنائے گی جام و ساغر، یہی کرے گی شراب پیدا
نظر کی ناکامیوں نے مجھ پر، یہ رازِ ظاہر کیا بالآخر
کہ بے حجابی میں بھی ہے تیری ہزار رنگِ حجاب پیدا
تڑپ یہ دل کی کہ بے حسی بھی ہزار جاں سے نثار جس پر
سکون ایسا کہ جس کی ہر ہر ادا سے لاکھ اضطراب پیدا

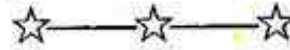


یہی ہے سب سے بڑھ کر محرمِ اسرار ہو جانا
محبت میں کہاں ممکن ذلیل و خوار ہو جانا
گھلے گا چارہ گر پر رازِ غم کیا درد کے ہوتے
ہوا کا اُس طرف اُن کا نقابِ رخِ اُلٹ دینا
اثر لینا تھا ہم کو ہر ادا سے اُن کی
گریں ہر ہر قدم پر بجلیاں راہِ محبت میں
ادھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اٹھ جانا
وصال و ہجر کے جھگڑوں نے فرصت ہی نہ دی، ورنہ
زباں گوچپ ہوئی، دل میں تلاطم ہے وہی برپا
میسر ہو اگر اپنا ہمیں دیدار ہو جانا
کہ پہلی شرط ہے انساں کا خود دار ہو جانا
کہ آتا ہے اسے خود نبض کی رفتار ہو جانا
ادھر اک اک لہو کی بوند کا سرشار ہو جانا
مگر لازم نہ تھا رُسوا سرِ بازار ہو جانا
بڑی مشکل سے آیا طالبِ دیدار ہو جانا
ادھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بے کار ہو جانا
مآلِ عاشقی تھا رُوح کا بیدار ہو جانا
نہ آیا آج تک محو خیالِ یار ہو جانا

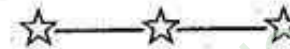
جگر وہ خاک ہی تو سرمہ چشم دو عالم ہے میتر ہو جسے صرف جمال یار ہو جانا



کہاں ممکن تھا اُس چشم عنایت کا ادھر ہونا مگر کام آگیا میری فغاں کا بے اثر ہونا



گرتے گرتے ایک طوفاں پھر قیامت زا ہوا وہ جو اک آنسو مری مژگاں پہ تھا ٹھہرا ہوا
اب تو آنکھیں کھول، اور افتادہ گوئے حبیب! جھانکتا ہے کوئی دروازے سے شرمانا ہوا
دیدہ حق ہیں میں ہے کیا فرق، کیسا امتیاز ایک ہی جلوہ کہیں مجنوں، کہیں لیلیا ہوا
ذّرے ذّرے میں بھی ساری ایک موج انقلاب منظر فطرت کو میں دیکھا کیا سہا ہوا
اللہ اللہ! یہ کمال جذبہ پنہان عشق! جو گرا آنکھوں سے آنسو حسن کا دریا ہوا
بڑھتے بڑھتے آفتاب روز محشر بن گیا دل کی خاکستر میں اک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا
لے چلا ہوں میں بھی نذر حسن جاناں کو، جگر ساتھ دل کے ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا



صیاد مجھ سے دُور ہے، خوش باغباں ہے اب جس شاخ پر نظر میں کروں، آشیاں ہے اب
نازک لبوں پہ شکوہ دردِ نہاں ہے اب اُن کا دہن ہے اور ہماری زباں ہے اب
چشمِ طلب میں اور کوئی آشیاں ہے اب میرے لئے قفس مجھے سارا جہاں ہے اب



دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مژگاں کے قریب جلوے خود لوٹ رہے ہیں رُخ تاباں کے قریب
خون ہو ہو کے بہے جاتے ہیں سب قلب و جگر کوئی نشتر نہ ہو پوشیدہ رگِ جاں کے قریب
داغِ فرقت کے دہکتے ہوئے انگارے میں ہاتھ لانا تو مرے سینہ سوزاں کے قریب
تاب دیدارِ رُخ یار کہاں سے لاؤں؟ گر پڑی جا کے نظر گوشہ داماں کے قریب
گر نہیں خارِ محبت کی کرم فرمائی پھر یہ کیا چیز کھٹکتی ہے رگِ جاں کے قریب
شوق نے توڑ ہی ڈالے تھے محبت کے قیود ہوش آیا ہے پہنچ کر درِ جاناں کے قریب
ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت اب نہیں کوئی مریض شبِ ہجراں کے قریب
جب ہمیں مٹ گئے ارمان میں پابوسی کے خاک پہنچی بھی تو کیا گوشہ داماں کے قریب
عشق میں سیرِ گلِ دلالہ ہے تمہیدِ جنوں چاہیے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب
میں، جگر، لاکھ ہوں آوارہ و سرگشتہ، مگر دل ہر اک حال میں ہے حضرتِ احساں کے قریب

صبر کے ساتھ مراد دل بھی لئے جائیں آپ
دیکھئے میری تمناؤں کا احساس رہے
میری رگ رگ میں سما کر بھی یہ پردہ مجھ سے
کر دیا دردِ محبت نے مرا کام تمام
نالے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال
اس قدر رحم مرے حال پہ فرمائیں آپ
باغِ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ
ظلم ہے ظلم ہے آئینے سے شرمائیں آپ
اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ
کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ



لب پہ نالہ ہے مرے اور نہ فریاد ہے آج
کیا قیامت نگہِ یاس کی بیداد ہے آج
بر سرِ رحم وہ شوخِ ستم ایجاد ہے آج
حسرتِ قید بھی اب دل سے نکل جائے گی
ایک اک حرفِ غم دل کا سُنانا ہے انہیں
کچھ عجب طرح سے بے چین تری یاد ہے آج
کہ نشین بھی مجھے خانہٴ صیاد ہے آج
نالہ بھی نالہ ہے، فریاد بھی فریاد ہے آج
مژدہ، اے شوق! کہ خالی کفِ صیاد ہے آج
کل اگر بھول نہ جاؤں، جو مجھے یاد ہے آج



اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ بیتابانہ آج
کامِ آخر کر گئی وہ نرگسِ مستانہ آج
جھک گیا اک ایک میکش اُس نگاہِ مست سے
اُڑ نہ جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج
بھر گیا بے منتِ ساقی مرا پیانہ آج
تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج



نظر بھی ساتھ رہی ہے قدم قدم پہ مری
سناؤں آہ! کسے سرگزشتِ سیرِ چمن؟
پھرا ہے صحنِ چمن میں جہاں جہاں صیاد
نہ ہم خیالِ فلک ہے، نہ ہم زباںِ صیاد



ذرے ذرے سے نمایاں شانِ قدرت دیکھ کر
یہ ہجومِ غم، یہ اندوہ و مصیبت دیکھ کر
کپکپی سارے بدن میں، زرد چہرہ، دلِ اداس
عمر بھر کا ساتھ رنجِ غم میں دے سکتا ہے کون
گوشے گوشے میں ہے پنہاں جلوۂ برقِ جمال
چارہ سازوں سے مریضِ غم کو فرصت مل گئی
کھل گئیں آنکھیں طلسمِ حسنِ فطرت دیکھ کر
اپنی حالت دیکھتا ہوں اُن کی صورت دیکھ کر
چپ کھڑے ہیں دُور میری خاکِ ثرِبت دیکھ کر
شمع بھی رخصت ہوئی میری مصیبت دیکھ کر
پاؤں رکھنا میرے گھر، اے شامِ فرقت! دیکھ کر
ہو چکے مایوس آثارِ طبیعت دیکھ کر



رہ گئے بیخودی میں ہم صورتِ یار دیکھ کر
اشک بھر آئے آنکھ میں کوچہ یار دیکھ کر
زور جنوں سوا ہوا جوشِ بہار دیکھ کر
میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھ کر
پائے برہنہ دیکھ کر، جسمِ فگار دیکھ کر
آنکھیں ہی چوندھیا گئیں جلوۂ یار دیکھ کر

لالہ و گل کو دیکھتے کیا یہ بہار دیکھ کر
ہائے، وہ جوشِ ربط و ضبط، ہائے، یہ بے تعلقی!
یاد کسی کی آہ، کیا کہہ گئی آکے کان میں
شوق نے چٹکیاں سی لیں، حسرتِ دل چل گئی
اُن سے بھی ہوسکا نہ ضبط، اُن کو بھی رحم آگیا
تھی یہ ہوس کہ دیکھتے خال و خطِ بہارِ حسن



جس کے گوشے گوشے میں صدہا چمن، صدہا قفس
بال و پر بکھرے پڑے ہیں آشیاں سے تاقفس
میں ہی خود اپنا گلستاں ہوں میں خود اپنا قفس
سارے گلشن کی حقیقت اک مرا تنہا قفس
حسن کا عالم گلستاں، عشق کی دُنیا قفس
اس گلستاں کا نظر آتا ہے ہر تنکا قفس
کیا بیاباں کیا گلستاں، کیا نشیمن کیا قفس
ورنہ اب سے پہلے کیا میں نے نہیں دیکھا قفس
اک طرف صدہا گلستاں، اک طرف صدہا قفس
ہم جہاں بیٹھے وہیں اک کر لیا پیدا قفس
میرا گل حاصل اسیری، میری گل دُنیا قفس
اب چمن میرا چمن ہے، اب قفس میرا قفس!
گل تھا گل عالم گلستاں، آج گل دُنیا قفس
بُوئے گل آ آ کے ڈھونڈا کی قفس سے تاقفس

وہ چمن میرا چمن ہے، وہ قفس میرا قفس
ہائے! کس بلبل نے اے صیاد! پھر دیکھا قفس
عشق میں کیا لالہ و گل، کیا چمن، کیسا قفس
سو بہاروں کی ہے جاں اک میری چشمِ خونچکاں!
خاک ہو اپنی رسائی جلوہ گاہِ یار تک
عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں سیرِ بہار
اضطرابِ دل کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے
کچھ تو ایسی بات ہے جی بیٹھا جاتا ہے مرا
رکھ دیئے ہیں سامنے لا کر کمالِ عشق نے
تم جدھر نکلے ادھر اک چھا گئی تازہ بہار
کیا چمن کا حال مجھ سے پوچھتا ہے ہم نشیں!
باغبان مجھ سے ہے خوش صیاد مجھ پر مہرباں
دو ہی دن میں ہو گیا، اے دل یہ کیسا انقلاب
میں وہ غیرت مند بلبل تھا، دکھایا پھر نہ منہ



وہ مست مانندِ رند آنکھیں، وہ سُرخ مثلِ گلاب عارض
جو ہیں مجسمِ شراب آنکھیں، تو ہے سراپا شباب عارض
دلوں کو بے چین کر رہی ہے بنی ہوئی برق اُن کی شوخی!
نظر کو تیرہ بنا رہا ہے لئے ہوئے آفتاب عارض

برس رہا ہے یہ رنگِ مستی کہ ہوش باقی نہیں کسی کو
نگاہیں اُن کی تھکی ہوئی ہیں، پلا رہا ہے شرابِ عارض



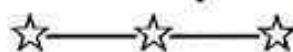
فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
اس درجہ بیقرار تھے دردِ نہاں سے ہم
کب تک رہیں گے دُور ترے آستاں سے ہم
اے چارہ ساز! حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ
تقدیر نے اسے بھی نظر سے چھپا دیا
سو جانیں ہوں تو لذتِ آزار پر نثار
بیٹھے ہی بیٹھے آگیا کیا جانے، کیا خیال
پوچھیں گے سرگزشتِ مصیبت کی ابتدا
بے تابیوں نے کام دیا دستِ ناز کا
اللہ ری حسن و عشق کی سحر آفرینیاں
کس کس پہ جان دیجئے، کس کس کو چلانیے
اتنے حجابوں پر تو یہ عالم ہے سن کا
یہ بے دلی کا زور ہے ساقی کے ہجر میں
تاثرِ جذبِ عشق کا اللہ رے، کمال!



سرور کم نہ کبھی ہو گا اب قیامت تک
کوئی یہ جا کے درِ پاک پر خبر کر دے
کہو یہ حضرتِ موسیٰ سے اب پتھر بھل جائیں
وہ رند ہوں کہ صبحی کے واسطے ہر روز



اے کاش! وہ حسرت زدہ طور کو ملتی!!
ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفتِ شمع!
پھر آپ نے چھیڑی وہی گیسو کی شکایت
تا چند کریں ضبطِ مرے آبلہ پا



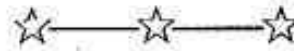
غم سے چھوٹوں، تو ادھر دیکھوں میں
نگہ یاس اثر دیکھوں میں!
آشیاں کے جو اٹھالوں تنکے
داغ ہی داغ نظر آتے ہیں!
دم گھٹا جاتا ہے، اے دستِ جنوں!
نہ وہ محفل ہے، نہ وہ پروانے
نزع میں ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں
دل دیوانہ، یہ قسمت میری
چھوٹ جاؤں جو غم ہستی سے

دل کو رولوں، تو جگر دیکھوں میں
دامن یار بھی تر دیکھوں میں
اپنے ٹوٹے ہوئے پر دیکھوں میں
کس طرح قلب و جگر دیکھوں میں
چاک و امان سحر دیکھوں میں
خاک، اے شمعِ سحر، دیکھوں میں
کاش! انہیں ایک نظر دیکھوں میں
کہ تجھے خاکِ بسر دیکھوں میں
بھول کر بھی نہ ادھر دیکھوں میں



عرش سے ہو کے جو مایوس دعائیں آئیں
میں نے جب شرم سے محشر میں جھکالی گردن
کیجئے اور کوئی ظلم، اگر ضد ہے یہی!
مدتوں یاد دلایا گیا افسانہ غم!
کسی بیکس کا پڑا صبر کسی پر شاید!
پوچھو افسانہ غم، شام سے لے کر تا صبح
میں نے جب مرحلہ عشق کیا ختم، جگر

میں یہ سمجھا کہ مرے گھر میں بلائیں آئیں
بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں
لیجئے اور مرے لب پہ دعائیں آئیں
دل اگر خاک ہوا دل کی صدائیں آئیں
آج اُس سمت سے ناساز ہوائیں آئیں
کیا بھیا نک مرے کانوں میں صدائیں آئی
مرحبا کی مرے کانوں میں صدائیں آئیں



اُس کوچے میں ہوں صورتِ یک نقشِ وفا میں
بن بن کے مٹاؤ نہ مرا نقشہ ہستی
اے اہلِ حقیقت! مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ

دُنیا نے مٹایا مجھے، لیکن نہ مٹا میں
مٹ مٹ کے بنا ہوں ہمہ تن نقشِ وفا میں
طے کر کے چلا آتا ہوں میدانِ وفا میں



سراپا آرزو ہوں، درد ہوں، داغِ تمنا ہوں
کبھی کیفِ مجسم ہوں، کبھی شوقِ سراپا ہوں
مجھے جنبش میں کیا لائے گی موجِ صرصرِ عالم
مجھی میں حُسن کا عالم، مجھی میں عشق کی دُنیا

مجھے دُنیا سے کیا مطلب کہ میں آپ اپنی دُنیا ہوں
خدا جانے کہ کس کا درد ہوں کس کی تمنا ہوں
خریمِ قدس کہتے ہیں جسے، میں اُس کا پردہ ہوں
نثار اپنے پہ ہو جاؤں، اگر سو بار پیدا ہوں



لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائق بیدار نہیں



ضبطِ غم کا متحمل دلِ مہجور نہیں
طلبِ خلد نہیں، آرزوئے خور نہیں
اللہ اللہ ری یہ رنگِ حقیقت کی بہار!
سخت مشکل سے پڑا آج گریبان پہ ہاتھ
دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں، اے موسیٰ!
اب یہ جی سے بھی گزر جائے تو کچھ دُور نہیں
تم جو مل جاؤ تو پھر کچھ مجھے منظور نہیں
کون سا خون کا قطرہ ہے جو منظور نہیں؟
میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دُور نہیں
اس میں کچھ جلوے ہیں ایسے کہ سرِ طوّر نہیں



کیا آگیا خیالِ دلِ بے قرار میں
محشر میں عرضِ شوق کی اُمید کیا کروں
دستِ بخونِ عشق کی گلِ کاریاں نہ پوچھ
صورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا
رگِ رگ میں دل ہے، دل میں تڑپِ دردِ عشق کی
تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو، تیر نگاہِ یار!
خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں
دل ہی تو ہے رہا نہ رہا اختیار میں
ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں
اک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں
محشر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں
کیا لطف، جب ہمیں نہ رہے اختیار میں



چھوڑا نہ تب عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں
اب شمع بھی بجھتی ہے، مرادم ہے لبوں پر
پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت
دل سے جو لگی آگ، بجھی جا کے جگر میں
کیا دیر ہے، یارب! شبِ فرقت کی سحر میں
ایسی ہی لگے آگ جو صیاد کے گھر میں



یہی کہہ کے تسلیٰ دلِ ناشاد کرتے ہیں
بنا کر اپنے ہاتھوں آشیاں برباد کرتے ہیں
کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے، وہ خود یاد کرتے ہیں
جو تیرا کام تھا، وہ بھی ہم اے صیاد کرتے ہیں



اچھا ہے پاس اگر کوئی غمِ خوار بھی نہیں
حسرت سے اب نگہِ طرفِ یار بھی نہیں
دامان و جیب ہو گئے نذرِ جنوں تمام
صیاد میرے دم سے ہیں سارے یہ چھپے
کچھ یہ کہ عرضِ شوق کی طاقت نہیں مجھے
اب میرا حال لائقِ اظہار بھی نہیں
یعنی کہ ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
باقی کفن کے واسطے اک تار بھی نہیں
جب میں نہیں تو رونقِ گلزار بھی نہیں
اور کچھ یہ ہے کہ مصلحتِ یار بھی نہیں

وہ دل کہ جس پر حرفِ تمنا بھی بار تھا اب صرف شکوہ سنجی اغیار بھی نہیں
دل میں ہجومِ شوق کا عالم نہ پوچھے گنجائشِ خیالِ رُخ یار بھی نہیں



خوفِ صیاد سے عالم ہے یہ بیتابی کا کہ ابھی ہوں، تو ابھی صحنِ گلستاں میں نہیں
بچ رہا ہو جو کوئی جوشِ جنوں کے ہاتھوں تارایا کوئی اب جیب و گریباں میں نہیں



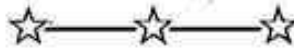
عنایت کی جس پر نظر دیکھتے ہیں! ہم اُس کا دل، اُس کا جگر دیکھتے ہیں
وہی راہِ عشاق چلتے ہیں ان کے کہ جس راہ کو پُر خطر دیکھتے ہیں
فلک کے ستم، آشیاں میں ہم اپنے سمٹتے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں



ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں رہ گئیں جو دل کے باہر نشتر جاں ہو گئیں
حُسن کی شانیں تھیں جتنی سب نمایاں ہو گئیں جو ترے رُخ سے بچیں، رنگِ گلستاں ہو گئیں
اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں ہائے! وہ مخمور آنکھیں جب پشیاں ہو گئیں
دھجیاں پاتی ہیں جتنی اب مرے کس کام کی جو گریباں ہونے والی تھیں، گریباں ہو گئیں
ہو چلی تھیں عرضِ غم پر وہ نگاہیں تیز تیز پھر نہ جانے، کیا خیال آیا پشیاں ہو گئیں
عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کس کو نصیب خود مری آہیں مجھے دیوارِ زنداں ہو گئیں
اب کہاں دل کی تمناؤں کی بزمِ آرایاں آنکھ جھپکی تھی کہ سب خواب پریشاں ہو گئیں
ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی اُمید حسرتیں بھی دفن زیرِ خاکِ زنداں ہو گئیں
عشق کی بے تابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے فرق اتنا ہے کہ اب آنکھوں سے نہاں ہو گئیں
دل کی تسکین کے لئے دو پھول دامن میں نہیں اس طرح ہوں آج گلشن میں، کہ گلشن میں نہیں
چین اسیرانِ قفس کو یادِ گلشن میں نہیں دوڑتی ہیں بجلیاں، سیلابِ خوں تن میں نہیں
وہ گلوں پر تازگی، رونق وہ گلشن میں نہیں خاک سی اڑتی ہے جب سے میں نشیمن میں نہیں
چھوٹا قیدِ قفس سے کیا قیامت ہو گیا اب برائے نام بھی راحتِ نشیمن میں نہیں
اُس طرف صیاد کی نظریں، ادھر نالے مرے یادہ گلشن میں نہیں اب، یا میں گلشن میں نہیں
دید کے قابل ہے یہ رنگِ سبکِ رُوحی مرا ڈھونڈتی ہے برقِ مجھ کو میں نشیمن میں نہیں
کیوں خزاں میں سر جھکائے مضحک بیٹھارہوں میری نظروں میں تو ہیں جو پھول گلشن میں نہیں
رک گئی گنجِ قفس میں خود بخود میری زباں! شاید اک تنکا بھی باقی اب نشیمن میں نہیں



جوش وہ رنگینوں کا اُن کے پیکاں میں نہیں
کوئی دیوانہ ہی اس عہد پریشاں میں نہیں
فیضِ سوزِ عشق سے، اے دل! سراپا داغ ہوں
نالہ پر درد، یوئے سوزِ دل، داغِ جگر
بھرنہ دی ہو روح جس میں وحشتِ دل نے مری
کیا کوئی قطرہ لہو کا اب رگِ جاں میں نہیں
ورنہ جو صحرا میں قیدی ہیں، وہ زنداں میں نہیں
جو بہار اب مجھ میں ہے، سارے گلستاں میں نہیں
یہ بہاریں ہیں قفس کی، جو گلستاں میں نہیں
ایک ذرہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں



جواب اُن کا کہاں سارے جہاں میں
لبوں تک جان بھی کھچ آئی، یا رب!
جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں، صیاد
اشارہ ہے کسی کی اک نظر کا
بتا دے بے خودیِ عشق! اتنا
حقیقت کھول کر اک دن رہیں گے
بڑھی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر
یہ رنگِ اتحاد، اللہ اکبر!
جس کے بھی جو اُٹھ کر ہوش کھو دیں
رہی لرزاں ہمیشہ اُن سے بکلی!
کئے جا نالے اے بلبل! کئے جا

دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں
توقف کیا ہے مرگِ ناگہاں میں
لہو کے چند قطرے آشیاں میں
وگرنہ کیا ہے جانِ ناتواں میں
قفس میں ہوں کہ ہوں میں آشیاں میں
وہ آنسو، جو ہیں چشمِ راز داں میں
چھپا جاتا ہوں گردِ کارواں میں
شبِ دل ہے ہر اشکِ رواں میں
وہ نغمے ہیں مرے سازِ فغاں میں
جو تنکے تنکے رہے تھے آشیاں میں
قفس بھی مل رہے گا آشیاں میں



کسی نے پھر نہ سنا درد کے فسانے کو
اب اس میں جان مری جائے یاد ہے، صیاد!
چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریب ہستی کا
فلک! ذرا مری اس بے بسی کی داد تو دے
وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے، جگر

مرے نہ ہونے سے راحت ہوئی زمانے کو
بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو
لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو
قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو
ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو
لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو



جب کبھی چھیڑا بخوں نے دیدہِ خونبار کو
ٹھیس لگ جائے نہ اُن کی حسرتِ دیدار کو
بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامنِ کہسار کو
اے ہجومِ غم! سنبھلنے دے ذرا بیمار کو

فکر ہے زاہد کو حور کوثر و تنسیم کی
دیکھنے والے نگاہ مست ساقی کی کبھی
ہر قدم پر، ہر روش پر، ہر ادا پر، ہر جگہ
لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات

اور ہم جنت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغر سرشار کو
دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہ یار کو
دھن لگی تھی کوچہ قاتل کو میرے یار کو



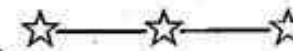
واقف غمِ الفت سے نہ دل ہو، نہ جگر ہو
یہ سر ہو اور اُس شوخ ستم گار کا در ہو
اس قہر و غضب پر تو فدا دیدہ و دل ہیں
سر رکھ ہی دیا سنگِ درِ یار پہ میں نے
حالتِ دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی
رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز

یوں مجھ سے ملو تم کہ مجھے بھی نہ خبر ہو
اس طرح بسر ہو، تو بہت خوب بسر ہو
کیا حال ہو میرا، جو عنایت کی نظر ہو
اب حشر بھی اٹھے، تو مجھے کچھ نہ خبر ہو
اللہ کرے، جلد شبِ غم کی سحر ہو!
ایسا نہ ہو، بیتاب تمہاری ہی نظر ہو



وفورِ کیف سے دل اتنا بے قرار نہ ہو
شریکِ عشق اگر عقلِ پردہ دار نہ ہو
نگاہِ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو
دکھاؤں داغِ محبت جو ہو قصورِ معاف
کہاں کے سروِ صنوبر، کہاں کے لالہ و گل
انھیں تو دیکھ کے آئینہ وہم کرتا ہے
عجب زمانہ ہے، کرتا نہیں اسے تسلیم
بس اک نگاہِ محبت سے دیکھ لینا ہے
نصیبِ دل کو ہو یوں محوِ آرزو ہونا
بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حسن کے جلوے
خیالِ وصل سے کر تو رہا ہوں کچھ باتیں
میں سن کے حضرتِ اصغر کے، اے جگرِ اشعار

میں ڈر رہا ہوں کی مضطر نگاہِ یار نہ ہو
نظر کے سامنے کچھ بھی سوائے یار نہ ہو
خود اپنا عیب ہے، سینہ اگر فگار نہ ہو
سناؤں قصۂ فرقت، جو ناگوار نہ ہو
نگاہ ہی میں جو کیفیتِ بہار نہ ہو
کہ یہ کسی کی کہیں چشمِ انتظار نہ ہو
کسی سبب سے بظاہر جو بے قرار نہ ہو
مگر جو خاطرِ نازک پہ کوئی بار نہ ہو
کہ خود بھی چاہیں اگر وہ تو ہوشیار نہ ہو
یہ کیا مجال، جہاں میں ہوں اور بہار نہ ہو
قریب ہی کہیں لیکن نگاہِ یار نہ ہو
وہ مست ہوں کہ کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو



نہ چھیڑاُن کے تصور میں، اے بہار! مجھے
تڑپ کے رُوح نکل جائے گی ابھی صیاد

کہ بُوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے
سنا قفس میں نہ کیفیتِ بہار مجھے

نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا
کسی کا وعدہ دیدار، میرا جذبہ شوق
ہجومِ یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی
کہیں مرا دلِ گم گشتہ ہو نہ خاکِ بر
جنوں کی خیر ہو، یارب! کہ ضعف کے ہاتھوں
کہاں وہ چھوڑ کر جاتے ہیں بے قرار مجھے
بنا، نہ دے کہیں تصویر انتظار مجھے
تسلیموں نے کیا اور بے قرار مجھے
کہ دور تک نظر آتا ہے اک غبار مجھے
رہا نہ جیب و گریباں پہ اختیار مجھے



رخ پہ جھونکوں سے جو زلفِ دوتا پھرتی ہے
پاس جانا، دل بیتاب، سنبھل کر شبِ وصل
کچھ ہمیں جانتے ہیں لطفِ تریے کوچے کے
مدد، اے جذبہ دل! حوصلہ اے دردِ فراق!
بھول سکتا ہوں کہیں اُن کی محبت کے مزے
کیسی بل کھائی ہوئی بادِ صبا پھرتی ہے
نیچی نظروں میں مٹھری بن کے حیا پھرتی ہے
ورنہ پھرنے کو تو مخلوقِ خدا پھرتی ہے
مجھ سے مل کر نگہ ہوش رُبا پھرتی ہے
میری آنکھوں میں وہ ایک ایک ادا پھرتی ہے



دل کو مٹا کے داغِ تمنا دیا مجھے
محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی
میں اور آرزوئے وصالِ پری رُخاں
ہر بار یاس ہجر میں دل کی ہوئی شریک
اللہ رے، تیغِ عشق کی برہم مزاجیاں!
خوش ہوں کہ حُسنِ یار نے خود اپنے ہاتھ سے
دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوشِ انتظار
دعویٰ کیا تھا ضبطِ محبت کا، اے جگر!
اے عشق! تری خیر ہو، یہ کیا دیا مجھے
کیا جھک کے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے
اس عشقِ سادہ لوح نے بہکا دیا مجھے
ہر مرتبہ اُمید نے دھوکا دیا مجھے
میرے ہی خونِ شوق میں نہلا دیا مجھے
اک دل فریبِ داغِ تمنا دیا مجھے
آواز پائے یار نے چونکا دیا مجھے
ظالم نے بات بات پہ تڑپا دیا مجھے



ہم اور ان کے سامنے عرضِ نیازِ عشق
آئی ہے موت منزلِ مقصود دیکھ کر
لیکن ہجومِ عشق سے مجبور ہو گئے
اتنے ہوئے قریب کہ ہم دور ہو گئے



کچھ بات بن پڑی نہ دلِ داد خواہ سے
کوئی نہ بچ سکا، تری قاتل نگاہ سے
کیا جانے کیا وہ کہہ گئی نیچی نگاہ سے
ڈرے بھی صدقے ہو گئے اٹھ اٹھ کے راہ سے

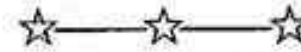
یہ جانتا ہوں، جانتے ہو، میرا حالِ دل یہ دیکھتا ہوں، دیکھتے ہو کس نگاہ سے



اس درجہ محو لذتِ رنج و محن ہوئے ناوک بھی اس نگاہ کے جزوِ بدن ہوئے
ہر وقت تازہ چائیکس غم کی نشانیاں جو داغ بھی پڑے تھے وہ داغ کہیں ہوئے
غربت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا، جگر کہتے ہیں میرے بعد غریب الوطن ہوئے



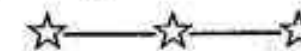
کیا خبر تھی خلشِ ناز نہ جینے دے گی یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی
قہر کی لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا ہے؟ لطف کی اک نگہ ناز نہ جینے دے گی
چین آتا ہی نہیں مجھ کو قفس میں، یارب! کیا مری حسرتِ پرواز نہ جینے دے گی؟
مسلکِ عشق مرا مجھ کو نہ مرنے دے گا تیری شوخی، ستمِ ناز! نہ جینے دے گی



کیا چیز تھی، کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی
ہوتی ہی نہیں کم شبِ فرقت کی سیاہی رخصت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی؟
یہ مجرمِ اُلفت ہے اور وہ مجرمِ دیدار دل لے کے چلے ہو، تو لئے جاؤ نظر بھی!
کیا دیکھیں گے ہم جلوۂ محبوب کہ ہم سے دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی
مایوسِ شبِ ہجر نہ ہو، اے دلِ بیتاب! اللہ دکھائے گا تو دیکھیں گے سحر بھی
جلووں کو ترے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے اب آنکھوں میں اتر آئے مرا کیفِ نظر بھی
واعظ، نہ ڈرا مجھ کو قیامت کی سحر سے دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی
اس دل کے تصدق، جو محبت سے بھرا ہو اُس درد کے صدقے، جو ادھر بھی ہوا ادھر بھی
ہے فیصلہٴ عشق ہی منظور تو اٹھئے! اغیار بھی موجود ہیں، حاضر ہے جگر بھی



گر چشمِ آرزو کی حالت یہی رہے گی پردے میں بھی کس کی بے پردگی رہے گی
تم خاک میں ملا دو دل کو، جگر کو، لیکن ارماں یہی رہیں گئے حسرت یہی رہے گی
جا، اے فلک! نہ خوش ہو برباد کر کے مجھ کو تیرے مزاج میں بھی آشفنگی رہے گی



اُداسی طبعیت پہ چھا جائے گی انہیں جب میری یاد آ جائے گی
شبِ غم کرشمے دکھا جائے گی کی آنسوؤں کی زلا جائے گی

میرے بعد ڈھونڈو گے میری وفا مرے ساتھ میری وفا جائے گی
مجھے اُس کے در پر ہے مرنا ضرور مری یہ ادا اُس کو بھا جائے گی



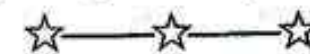
چیجی ہے کس انداز سے، کس کرب و بلا سے دل ٹوٹ گیا نالہ بلبُل کی صدا سے
انسان کو لازم ہے رہے دُور ریا سے یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے
جی سیر ہو کس طرح مئے ہوش رُبا سے مستی کو ہے بیعت مری رندانہ ادا سے
اُٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے آواز یہ آتی ہے مزار شہدا سے
پھر خُسن کے جلوؤں نے بنایا مجھے بے خود ہشیار ہوا تھا جس دل کی صدا سے
گزرا ہے دل و جاں سے اسی راہ میں کوئی سجدوں کے نشاں پوچھ لو نقش کف پا سے
بیٹائی دل تھی وہ مری آہ جنوں خیز کانٹے بھی کھٹکتے رہے مجھ آبلہ پا سے



صدموں کی جان، درد کا قالب دیا مجھے جو کچھ دیا کسی نے، مناسب دیا مجھے
دی جان بھی تو سوز و الم سے جلی ہوئی دل بھی دیا تو جان کا طالب دیا مجھے
دیتی تھی میرے دل کو جو شوریدگی عشق پھر کیوں خیالِ حفظِ مراتب دیا مجھے



اُٹھا نہ دیدۂ بلبُل سے پردۂ غفلت ہلاک ہو گئی کم بخت رنگ و بو کے لئے
ہجومِ شوق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے مکان تنگ تھا، دُنیا ئے آرزو کے لئے
خیالِ یار! کہاں تک خموشیاں تیری! زبان دہن میں ہے بیتاب گفتگو کے لئے



آہ! میری یہ فغاں اب نہ سنی جائے گی! اب نہ سنو داستاں، اب نہ سنی جائے گی
پھر گئی اُن کی نظر، پھر گئے دُنیا سے وہ دوستی جسم و جاں اب نہ سنی جائے گی
یاس بھرا دردِ دل اب نہ کہا جائے گا درد بھری داستاں اب نہ سنی جائے گی
قصہ غم کہہ کے میں لیجئے خاموش ہوں میرے دہن میں زباں اب نہ سنی جائے گی
بزم سے با چشمِ تر اُٹھ گئے کہتے ہوئے ”ہم سے تری داستاں اب نہ سنی جائے گی“
رحم انہیں آگیا میرے دلِ زار پر یہ روشِ آسماں، اب نہ سنی جائے گی
کہہ کے بُرا غیر کو اُن کو خفا کر دیا! بات جگر کی وہاں اب نہ سنی جائے گی



یہ نہیں، تیری آرزو نہ کرے دل مگر خالی ہائے و ہو نہ کرے
گم ہوا ہوں خیالِ جاناں میں بے خودی میری جستجو نہ کرے
ختم سرمایہ شکیب ہوا چھیڑ اب تیری آرزو نہ کرے
ناز کرتے ہیں پھول گلشن میں کہیں رسوا یہ رنگ و بو نہ کرے
خاک ہے جذبِ عشق کی تاثیر خامشی بھی جو گفتگو نہ کرے
ڈر ہے مجھ کو میری حیرانی آئینہ اُن کے زوہد نہ کرے
یاد بھی اُن کی اے جگر! صد حیف پرش داغ آرزو نہ کرے



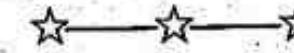
برسائی آنسوؤں کی جھڑی چشمِ یار نے کیا اٹھ کے کہہ دیا مری خاکِ مزار نے
اے شوقِ مرگ! پھر وہی میں ہوں، وہی قفس آسان کر نہ دی مری مشکل بہار نے



سر میں پھر لہر جنوں کی صفتِ تیر چلی اے فلک روک مرے پاؤں سے زنجیر چلی
صدقے اُن ہاتھوں کے، مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی
اب مری لاش پہ کیوں سوگ لئے بیٹھے ہو تم نے شمشیر چلائی تھی، تو شمشیر چلی



عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے بے کسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے
دل ہوا خاک تب غم سے مگر دل کی جگہ اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
وائے ایذا طلبی! شدتِ غم کے ہاتھوں طاقت گر یہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے
ہم تو سمجھے تھے، غمِ عشق فنا کر دے گی اب یہ اُمید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے
وہی دل ہے، جو پھٹنا جاتا ہے دامن سے ترے وہی قسمت ہے، جو محروم ہوئی جاتی ہے
دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
اے جگر! بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں میں آج جو چیز ہے، معدوم ہوئی جاتی ہے



نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے دن کٹ گیا، تو رات کا کتنا محال ہے
آنکھوں سے جان جائے فرقت کا ماجرا اشکوں سے پوچھ لیجئے، جو دل کا حال ہے



نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کر دے
وفا پر دل کو صدقے، جان کو نذرِ جفا کر دے
چمنِ دُور، آشیاں برباد، یہ ٹوٹے ہوئے بازو
پُختے ہیں میں نے بھی کچھ بھول تیرے بلغمِ معنی سے
تری مجنوں ادائی سے جگر یہ خوف آتا ہے
جہاں سے ابتدا کی ہے، وہیں پر انتہا کر دے
محبت میں یہ لازم ہے کہ جو کچھ ہو، فنا کر دے
مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے
الہی! تو اگر حُسنِ قبول اُن کو عطا کر دے
کہیں ایسا نہ ہو، اُن کو بھی عالم آشنا کر دے



شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی
نگاہوں نے سب رازِ دل کہہ دیا
بُری چیز ہے طرزِ بیگانگی
الہی! بُرا ہو غمِ عشق کا
کئے مجھ پہ احساں غمِ یار نے
نمایاں ہوئی صبحِ پیری، جگر
ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی
انہیں آج اپنی خبر ہو گئی
یہ ترکیب اگر کارگر ہو گئی
سنا ہے کہ اُن کو خبر ہو گئی
ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی
بس اب داستاں مختصر ہو گئی



کیا لطف پوچھتے ہو پُر شوقِ زندگی کے
بے حکمِ عشقِ مر کے، بے اذنِ عشقِ جی کے
دیکھا تو اس جگہ پر لاکھوں ہیں زخمِ تازہ
فیضِ بہار سے ہے عالم یہ تازگی کا
اک اک سے پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل
جی جی اٹھا ہوں مر کے، مر مر گیا ہوں جی کے
کرتے ہیں مفت ضائع اوقاتِ زندگی کے
حاصل ہوئی تھی فرحت جس زخمِ دل کو سی کے
گویا برس رہے ہیں انوارِ زندگی کے
قربانِ اس ادا کے، اس بے تعلقی کے



فلک کے جور، زمانے کے غم اٹھائے ہوئے
نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے پیہم
نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا
انہیں میں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا
حدودِ کوچہ محبوب ہیں وہیں سے شروع
ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے
مرے جنازے پہ تادیر سر جھکائے ہوئے
کہاں وہ چھپتے کہ آنکھوں میں تھے سمائے ہوئے
جو خشک ہو گئے آنسو مرثہ تک آئے ہوئے
جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے



چلے گا کام تمہارا نہ اب گواہوں سے
اثر کو بھی نہ رہا ربطِ دل کی آہوں سے
کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے
خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے

کہیں تمہیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے
 مریض ہجر کے چہرے پر آگئی رونق
 زمین بھی نہ اٹھائے گی، میری خاک کا بار
 جگر، بتائیے کچھ حال زار، خیر تو ہے
 بچے ہو تم مری حسرت بھری نگاہوں سے
 ابھی تو کہہ گئے، کیا جانے کیا نگاہوں سے
 گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے
 یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں سے



دل کی خبر نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے
 اس سمت دیکھتی بھی نہیں، رخ جدھر کا ہے
 دل رکھ دیا ہے سامنے لا کر خلوص سے
 سب رفتہ رفتہ داغِ الم دے گئے، مگر
 میرے دل حزیں میں کہاں تابِ اضطراب
 کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب
 پیہم ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقیں
 اللہ، اب یہ حال تمہاری نظر کا ہے!
 سب سے جدا اصول تمہاری نظر کا ہے
 آگے اب اس کے کام تمہاری نظر کا ہے
 محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے
 جو کچھ کمال ہے وہ تمہاری نظر کا ہے
 پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے
 تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے



ہاں چلے دور میں، ساقی، مئے گلہام چلے
 خاک بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے
 جھک گئے سرتری دہلیز پہ سب آپ سے آپ
 کعبہ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں
 نقد کچھ پاس نہیں، فکر ہے مے خواری کی
 پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں، جگر
 دن چلے، رات چلے، صبح چلے، شام چلے
 پاؤں دھکنے لگے، جب اٹھ کے وہ دو گام چلے
 کچھ کسی کی نہ چلی، چپ ترے احکام چلے
 باندھ کر شیخ کہاں جامۂ احرام چلے؟
 قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے
 دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے، شام چلے



کیا قیامت تھا کسی کا شکوۂ بیداد بھی
 پہلے تھی کچھ اس سے تسکینِ دلِ ناشاد بھی
 جسم ہے زنداں ہیں، لیکن روح بزمِ یار میں
 آتے ہی گنجِ قفس میں چپ سی مجھ کو لگ گئی
 یوں نہ، اے بلبل! تڑپ کر جان دینی تھی تجھے
 دیکھئے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر
 یہ ہجومِ یاس و حرماں، یہ وفورِ رنج و غم!
 لب تک آئی ٹکڑے ہو ہو کر مری فریاد بھی
 اب کلیجہ کھائے جاتی ہے تمہاری یاد بھی
 بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی
 لے اڑے کیا ہوش تیرے، طاقتِ فریاد بھی
 چاہیے تھا کچھ تو پاسِ خاطرِ صیاد بھی
 میں بھی نالے کر رہا ہوں، بلبلِ ناشاد بھی
 مجھ کو ڈر ہے، دردِ بن جائے، نہ تیری یاد بھی

مجھ سے ہی کچھ واسطہ طلب نہیں اُن کو جگر تیز ہوتا ہے مجھ پر خنجر بیداد بھی



جان سے تنگ ہمارا دل دیوانہ ہے گوشہ گوشہ میں نہاں جلوہ جانا نہ ہے وہی گل ہے، وہی بلبل، وہی پروانہ ہے یہی صہبا، یہی ساغر، یہی پیانہ ہے کان ہنگامہ محشر پہ لگے ہیں سب کے اللہ اللہ، یہ وارثی عشق مری! تم دکھا دو جسے آنکھیں، وہی مخمور بنے حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدہ دیدار ہے کیا؟ منزل عشق میں، اللہ رے، یہ عالم شوق! اُن سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری

زندگی کا ہے کوہے، موت کا افسانہ ہے دل نہیں ہے مرے سینہ میں، یہ میخانہ ہے شان ہے ایک، مگر رنگ جدا گانہ ہے چشم ساقی ہے کہ میخانے کا میخانہ ہے کیا ترے رہنذر عام کا افسانہ ہے! اُس جگہ ہوں کہ جہاں حسن بھی دیوانہ ہے ہم جہاں شیشہ پلک دیں، وہی میخانہ ہے وہ بھی میری نگہ شوق کا افسانہ ہے ہر قدم پر مرا انداز جداگانہ ہے لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے، دیوانہ ہے



داستانِ غم دل اُن کو سنائی نہ گئی سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن عشق پر کچھ نہ چلا دیدہ تر کا قابو پڑ گیا حسنِ رُخ یار کا پرتو جس پر کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اُس در سے بات بگڑی تھی ایسی جو بھلائی نہ گئی ایک تری یاد تھی ایسی، جو بھلائی نہ گئی اس نے جو آگ لگا دی وہ بجھائی نہ گئی خاک میں مل کے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی یہ قیامت تو خود اُن سے بھی اٹھائی نہ گئی

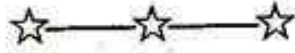


رات کیا دلکش ادائے جلوہ جانا نہ تھی! آج رگ رگ میں مری اک شورشِ مستانہ تھی صبح تک یہ یادگار عشق بھی افسانہ تھی شمع جب رُخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی کیا نگاہِ مست ساقی شاملِ پیانہ تھی شمع اب ہے دُفن جس جاثرِ بیتِ پروانہ تھی



مشغلہ ہجر میں کچھ تو دل ناشاد رہے منتشر بعد فنا یوں مری رُو داد رہے اک محبت کی نظر بھی دم بیداد رہے کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہ ناز کا حال نالہ تھمتا ہوا، رُکتی ہوئی فریاد رہے دل مرا خاک ہو اور خاک مر بھی برباد رہے کیجئے ظلم وہ مجھ پر، جو مجھے یاد رہے ہوش ہی جب نہ ٹھکانے ہوں، تو کیا یاد رہے

آپ تو چھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے
روح سے ربط نہ چھوٹا ترے کوچہ کا کبھی تیرے دیوانے اسیری میں بھی آزاد رہے
جان تو آچکی ہونٹوں پہ مری، ابے صیاد! اب بھی محدود قفس تک مری فریاد رہے؟



یہ جو دھندلی سی ضیا خانہ زنجیر میں ہے داغ شاید کوئی روشن دلِ دلگیر میں ہے
ہر ادا حسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے تجھ میں جو ہے وہی عالم تری تصویر میں ہے
مطمئن ہو کے کریں سیرِ چمن کیا وحشی اک قدم باغ میں، اک خانہ زنجیر میں ہے
پہلے ہوں گے کبھی بیتابی دل کے شکوے اب تو راحت ہی مجھے خانہ زنجیر میں ہے



کیا پوچھتے ہو حالت بیمارِ محبت کی کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی
ہر نقش ہے سینے پر نقشہ غمِ فرقت کا ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویرِ محبت کی
آہی گیا رحم ان کو حالِ دلِ محروں پر کر ہی گئی کام اپنا تاثیرِ محبت کی
اے جوشِ جنوں! ٹوٹے چھالانہ مرے دل کا دھندلی سی نشانی ہے سوزِ غمِ فرقت کی
لاکھوں میں جگر اُس نے پہچان لیا تم کو چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھِ محبت کی



جو رگِ گلچین و جفائے باغباں دیکھا کئے جو دکھایا تو نے وہ، اے آسمان! دیکھا کئے
آج کن آنکھوں سے ہم جو رخاں دیکھا کئے سب چن لٹا رہا اور باغباں دیکھا کئے
اب قفس میں ہوش آیا ہے، تو حیرت ہے ہمیں کس طرح آنکھوں سے لٹتے آشیاں دیکھا کئے
جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہِ شوق میں دیر تک ہم نقش پائے رہواں دیکھا کئے
جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید دور تک مڑ مڑ کے سوئے آشیاں دیکھا کئے
تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق روح کو ہم قفس میں روزِ خوابِ آشیاں دیکھا کئے
خاک سیرِ لالہ و گل، باغ میں جب تک رہے دستِ گلچیں، یا نگاہِ باغباں دیکھا کئے

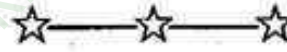


آیا نہ راسِ نالہ دل کا اثر مجھے اب تم ملے، تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے
دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے
ہر سُو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے
ملتی نہیں ہے لذتِ دردِ جگر مجھے بھولی ہوئی نہ نگہِ فتنہ گر مجھے

ڈالا ہے بخودی نے عجب راہ پر مجھے
کرنا ہے آج حضرت ناصح سے سامنا
مستانہ کر رہا ہوں رہ عاشقی کو طے
ڈرتا ہوں جلوہ رخ جاناں کو دیکھ کر
یکساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ
مرنا ہے اُن کے پاؤں پہ رکھ کر سر نیاز
سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز
میں دور ہوں، تو رُوئے سخن مجھ سے کس لئے
کیا جائے قفس میں رہے کیا معاملہ



آنکھوں میں نور، جسم میں بن کر وہ جاں رہے
ہم ہیں وہ درد مند محبت جہاں رہے
ہر چند وقف کشمکش دو جہاں رہے
باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے
ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ
یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سے نہاں رہے
خاموش بھی رہے تو سراپا فغاں رہے
تم بھی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے
صیاد ہم رہیں نہ رہیں، آشیاں رہے
مطلب یہ ہے، کہیں نہ مرا آشیاں رہے



کس قیامت کی کشش اس جذبہ کامل میں ہے
اک تلاطم سا تو برپا سینہ نکل میں ہے
جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی منزل میں ہے
عشق کا ہر رنگ پنہاں میرے آب وطن میں ہے
اللہ اللہ، یہ مری مشقِ تصور کا کمال!
عشق میں گم گشتگی شوقِ راس آئی مجھے
ہر ٹپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ روح
شمع چپ، پروانے ششدر، اہل دل سب دم بخود
تیرا اُن کے ہاتھ میں پیکاں ہمارے دل میں ہے
اب نہ جانے تو ہے خود یا درد تیرا دل میں ہے
آفتابِ حشر ہے، جو داغ میرے دل میں ہے
قیس میرے سینے میں، فرہاد میرے دل میں ہے
میں ہوں اس محفل میں اور محفل کی محفل دل میں ہے
تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ اُنکے دل میں ہے
شکر ہے اتنا اثر تو اضطرابِ دل میں ہے
ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے



جوانی آتے ہی اُن پر قیامت کی بہار آئی
چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی؟
نظر بیگانہ وار اٹھی، حیا مستانہ وار آئی
قفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا، جب بہار آئی

مری نظروں میں جب سے تازگیِ حُسنِ یار آئی
وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیرِ مزار آئی
کچھ ایسی جوش پر اب کی یہ چشمِ اشکبار آئی
شمیمِ عطر بیز آئی، نسیمِ خوشگوار آئی
اب آخرِ آشیاں کے ذکر سے صیاد کیا حاصل؟
چمن میں جیسی اک بلبُل کے دم تک دیکھ لی، ہمد
وہ دیوانہ ہوں میں، جب سے بسایا میں نے زنداں کو
قفس میں بھی نگاہوں سے جدا ہوتا نہیں دم بھر
غضب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ
اثر اتنا تو ہونا چاہیے جذبِ محبت میں
قفس کا اور یکا یک اس طرح جنبش میں آ جانا
کہیں ساغر بکف گل ہیں، کہیں غمِ درِ بغل غنچے
بنا کر جس نے بیخود آشیاں ہم سے چھڑایا تھا
مری اس بیخودی کا یادِ گل میں کیا ٹھکانہ ہے
وہ گھر برباد ہی ہو جائے، تو بہتر ہے، جس گھر میں
نگاہِ یاس اور دب کر نگاہِ ناز سے رہتی
بہارِ رفتہ میری پھر نہ آئی، اے جگر! واپس



علاج کا دشِ غم خاک، چارہ بُو کرتے!
اشارہ خود جو نہ وہ بہرِ جستجو کرتے
وہ ہم سے ملتے نہ ملتے، یہ اُن کی تھی مرضی
بیان ہو نہ سکی ابتداءِ محبت کی



جلوہ جو ان کے رُخ کا مری چشمِ تر میں ہے
امیدِ وصل دیدہ حسرت اثر میں ہے
ہر ذرہِ رقص میں ہے، جو اس رہگذر میں ہے
تاریک ہوتی جاتی ہے رہ رہ کے کل فضا

شادابیِ بہار کا عالمِ نظر میں ہے
یعنی ہماری رُوح ہماری نظر میں ہے
کیا عالمِ حیات کسی کی نظر میں ہے
پھر بھی مریضِ ہجر امیدِ سحر میں ہے

کیا آفتاب حشر سے جھپکے گی اب یہ آنکھ
تہائی فراق کا کیا کیجئے بیاں!
اللہ ری، یاد طاقت پرواز کا اثر!
واہوں جو گوش ہوش، تو عبرت کے واسطے
یوں آرہے ہیں آج ہم اک بزم ناز سے
کیوں کر بہارِ شعر سے ٹپکے نہ، اے جگر!
ہر ذرہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے
اک آہ تھی، سو وہ بھی تلاشِ اثر میں ہے
دل میں بھی وہ تڑپ نہیں، جو بال و پر میں ہے
اک داستاں خموشی شمعِ سحر میں ہے
چہرہ پہ نور، جلوۂ جاناں نظر میں ہے
رنگِ کلام حضرتِ اصغرِ نظر میں ہے

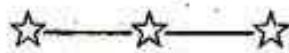


ازل کے دن جنہیں لے کر چلے تھے تیری محفل سے
وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامنِ دل سے
مجھے اب خوف ہی کیا، ہجر میں تہائی دل سے
ہزاروں محفلیں لے کر اٹھا ہوں تیری محفل سے
یہ عالم ہے ہجومِ شوق میں بیتابی دل سے
کہ منزل پر پہنچ کر بھی اڑا جاتا ہوں منزل سے
فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شبِ فرقت
مگر نسبت کہاں اُن کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے
نگاہیں قیس کی اُٹھتی ہیں جوشِ کیفِ مستی میں
ذرا ہشیار رہنا، سارباں، لیلیٰ کی محفل سے
وہی سب بن گئیں نقش و نگارِ صفحہ ہستی
اڑی تھیں جس قدر چھینٹیں مرے خوبانہ دل سے
سمجھ کر پھونکنا اس کو ذرا، اے داغِ ناکامی!
بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اُجڑے ہوئے دل سے
محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو
نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے
قیامت کیا؟ کہاں کا حشر؟ کیا دیر؟ کیا کعبہ؟
یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے اک مضطرب دل سے
بیاں کیا ہوں یہاں کی مشکلیں، بس مختصر یہ ہے
وہی اچھے ہیں کچھ، جو جس قدر ہیں دور منزل سے

ہجومِ یاس ایسا کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو
 وفورِ شوق میں آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے
 محبت میں ضرورت ہی تلاشِ غیر کی کیا تھی؟
 اگر ہم ڈھونڈتے، نشتر بھی مل جاتا رگِ گل سے
 بدن سے جان بھی ہو جائے گی رخصت، جگر لیکن
 نہ جائے گا خیالِ حضرت اصغر مرے دل سے



بس اک نظروں کا دھوکا ہے، بس اک آنکھوں کا پردا ہے
 نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے، نہ لیلے کوئی لیلہ ہے
 ہوسنا کی خیالِ غیریت ہی کا نتیجہ ہے
 جو یہ پردا بھی اٹھ جائے تو سب اپنا ہی اپنا ہے
 سمجھ میں جو نہ آئے اور بے سمجھے نہ رہنے دے
 اسی کا نام شاید عشق میں نامِ تمنا ہے
 یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں، اے غافل!
 کہ اُس کے لاکھ کعبے ہیں اور اس کا ایک کعبہ ہے



مژدہ، اے شوقِ شہادت! اوج پر تقدیر ہے
 آج دستِ ناز میں نازک سی اک شمشیر ہے
 کم نہیں ہوتیں دلِ ایذا طلب کی خواہشیں!
 آپ دیکھیں تو سہی، ترکش میں کوئی تیر ہے
 کس ادا پر جان دوں، تُو ہی بتا، اے چشمِ یار!
 جس ادا کو دیکھتا ہوں، حُسن کی تصویر ہے
 قید خانے میں جو بیٹھا ہوں یہ ہے تیری خوشی
 تُو اگر کہہ دے، تو دو ٹکڑے ابھی زنجیر ہے
 میرے پہلو میں نہیں ہے یہ دلِ خانہ خراب
 میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے

وہ ادھر محو تماشہ، ہم ادھر مرعوبِ حسن
وصل کی شب دونوں جانب عالمِ تصویر ہے



دل برباد ہی میں عالم اک آباد بھی ہے اسی دیرانے میں مجنوں بھی ہے فرہاد بھی ہے
کیا خبر قلبِ ہوسناک کو ہنگامِ سماع کہ انہیں نغموں میں پنہاں کوئی فریاد بھی ہے



دل بہلنے کی شبِ غم یہی صورت ہوگی آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی
آپ کے درد میں بھی آپ کی سیرت ہوگی بات میں بات، نزاکت میں نزاکت ہوگی
آتشِ دوزخِ ہجراں ہے قیامت، لیکن تم جو چاہو گے تو یہ بھی مجھے جنت ہوگی
جمع کرتی رہے آمادگیِ ذوقِ فنا! کام آئے گی، اگر دل میں حرارت ہوگی
کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہوگی



وہ شکلِ جانتاں کیا مظہرِ شانِ الہی ہے نظر میں رنگِ مستی، رُخ پہ نورِ صبح گاہی ہے
اسی کو ایک دن بننا ہے خالیِ عارضِ رحمت ہمارے نامہ اعمال کی جتنی سیاہی ہے
کسی صورت بھی ہم سے بے خبر وہ رہ نہیں سکتے جو ہم ایسا سمجھتے ہیں، ہماری کم نگاہی ہے
خدا جانے، محبت کوئی منزل کو کہتے ہیں نہ جس کی ابتدا ہی ہے، نہ جس کی انتہا ہی ہے



پارہ ہائے جگر

میں ہوا ہشیار جتنا، مجھ سے وہ غافل ہوا دل سراپا غم بنا، جب میں سراپا دل ہوا



جذبہ دل صرف جتنا بے محل ہوتا گیا اُس قدر ذوقِ نظر میں مبتذل ہوتا گیا
تنگ اتنا دامنِ فکر و غم ہوتا گیا زندگی بھر آج کل ہی آج کل ہوتا گیا



دمِ اخیر بھی اُن کا یہ احترام ہوا اُٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں ہی سے سلام ہوا



یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں جلتا ہے چراغِ بیکسی کا
حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں وہ جامِ ہوں دورِ آخری کا



لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ، لیکن تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا



ہر ایک داغِ فرقت کا دھونا پڑے گا تمہیں بھی میرے ساتھ رونا پڑے گا
بھلا کر خود کو غافل، رحم کا تو مستحق ہو گا
کہ گل بوئے بھی بن جائیں گے جب سادہ ورق ہو گا



کہاں وہ دن گئے یارب! کہ تھی شکیبائی! نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت
گئے جو دل سے تو دل کو خزاں بنا کے گئے جو آئے دل میں، تو آئے بہار کی صورت



کیا کروں گا اب بہارِ گل بداماں دیکھ کر نحو حیرت ہوں خود اپنا حُسنِ پنہاں دیکھ کر



سحر تک شمع محفل! میں نے جل بجھنے کی ٹھانی ہے
ہمیں یہ دیکھنا ہے، خاک ہو جاتے ہیں ہم کب تک



قید قفس میں یاد بہار آتی ہے مجھے - نشتر بنے ہوئے ہیں پر وہاں آج کل



حال وحشت میں ہوا یہ ترے دیوانوں کا جیب چھوٹی تو گریباں کو لئے بیٹھے ہیں



بہ رہا کیا کوئی دیوانوں میں خاک اڑتی ہے بیابانوں میں
رہ گئی آہ، اب افسانوں میں سے نہ شیشوں میں نہ پیانوں میں
اٹھ گیا کیا جگر نکتہ سرا شور برپا ہے غزل خوانوں میں



لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں پھر بھی فرماتے ہیں تو لائق بیداد نہیں



روح کہتی ہوئی نگلی ہے تن لاغر سے اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں



رنگ حیا ہے یہ تیرے جوش شباب میں یا چاندنی کا مہول کھلا ہے گلاب میں



سینہ عشق اور ناوکِ ناز وار پر وار ہوئے جاتے ہیں
عشق سے روزِ موعید وفا چارو ناچار ہوئے جاتے ہیں
ساقیا، توبہ کئے لیتے ہیں لے، گنہگار ہوئے جاتے ہیں



دے چکا جب دل تو کیسا خوف، شہرت ہو تو ہو
اب یہ سر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو
دل کہاں پہلو میں، دل تو کر چکے پہلے نذر
یہ جو کچھ بے چین سا ہے، دردِ فرقت ہو تو ہو



لطفِ تشہیر مصوّر رہے تشہیر کے ساتھ کھینچ دے درد بھی میرا میری تصویر کے ساتھ
حاصلِ دشتِ نور دی ہیں یہ اے دشتِ جنوں! آبلے ٹوٹ نہ جائیں کہیں زنجیر کے ساتھ



ہے مآلِ کارِ فنا یہی کہ انہیں کا رنگ عیاں رہے
نہ نظر ہماری نظر رہے، نہ زباں ہماری زباں رہے
مرے عشقِ سحر طرازی نے بہت اُن کے جلوے دکھادئے
مگر ایسے لاکھوں ہی خُسن تھے، جو نظر سے بھی نہاں رہے



آنکھوں میں بند جلوۂ جاناں کئے ہوئے جاتا ہوں ذرّہ ذرّہ کو حیراں کئے ہوئے



مشروطِ نگاہِ ساقی کی تحریک پہ جس کا پینا ہے بس اُس کا ساغر ساغر ہے، بس اُس کا مینا مینا ہے



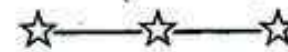
چشمِ اُمید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دُھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے



تصوّر میں یہ کس کا جلوۂ مستانہ آتا ہے کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے



دمِ اظہارِ سوزِ پنهانی شعلے میری زبان سے آئے



سوزِ غم ہجر! نبجھ نہ جائے دُھندلا سا چراغِ بے کسی ہے



سفاکِ چتونیں بھی ہیں، قاتلِ نظر بھی ہے کیا چیز ہو گئے ہو، تمہیں کچھ خبر بھی ہے



اُس سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی



ہستی کے نکات پوچھتا ہے غافل، تجھے اپنی بھی خبر ہے!



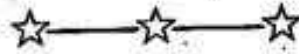
آنسوؤں کی کی نہیں، لیکن کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی



پردے الٹ دیئے تھے محبت کے جوش نے کھویا مگر مجھے مرے تمکین و ہوش نے



تاثیر سوزِ عشق سے بچنا محال ہے ایسی لگے یہ آگ کہ دیکھا کرے کوئی



پیری بھی تمام ہونے آئی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی



مسرور وقتِ نزع جو بیمار ہو گئے کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے
ترکِ خودی سے مائلِ پندار ہو گئے آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے



کیا جانے کب تک مجھے فرقت میں کل آئے دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے



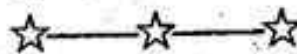
یہ نہ پوچھو دہر میں کب سے میں اسی طرح خانہ خراب ہوں
جو نہ مٹ سکا وہ طلسم ہوں، جو نہ اٹھ سکا، وہ حجاب ہوں

مجھے غیر سمجھیں نہ اہلِ دل، ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں
جو نہاں ہے میری نظر سے بھی، میں اُسی کے رخ کی نقاب ہوں

تعلقات کی حد کوئی، نہ توقعات کی حد کوئی
جو کبھی سمجھ میں نہ آ سکے، وہ میں ایک فردِ حساب ہوں

نہ صدائے بلبلِ خوش بیاں، نہ سرودِ بزمِ پری رُخاں

جو بھرا ہے نغمہٴ درد سے، وہ میں ایک تارِ زباب ہوں



تخیلاتِ جگر

(دور دوم)

دل کیا ہے نقشِ حُسنِ حقیقت طراز کا
عالم نہ پوچھ عشق کی شانِ نماز کا
آخر کھلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا
دھوکا قدم قدم پہ تری بزمِ ناز کا
اللہ رے اثرِ نگہِ مستِ ناز کا!
چھایا یہ رنگِ ہستی وحدتِ طراز کا
عالم نہ پوچھ! کشمکشِ ضبطِ راز کا
کس لطف سے کٹیں شبِ غم کی مصیبتیں
نوحو بے خودی ہی رہا، ورنہ بے خبر!
پیراہنِ جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا
ناگاہ سامنے نظر آیا جمالِ دوست
مجھ سے گناہ گار پہ یہ بارشِ کرم!
صوفی نے جس کو شاید مطلق سمجھ لیا
تنہائیِ فراق میں کیوں گریہ کیجئے
تصویرِ یارِ سامنے، سر میں ہوائے شوق
مجھ کو دھال و ہجر سے کیا واسطہ جگر!؟
عاشق ہوں اک تبسمِ دیوانہ ساز کا



فاش اہلِ بزم پر کل رازِ پنہاں کر دیا
حُسن کے جلوؤں کو رگ میں خراماں کر دیا
آئیں وہ جب تک ہمیں نے سب کو حیراں کر دیا
دل کی اک جنبش نے کیا کارِ نمایاں کر دیا

جان و دل صدقے، تصدق دین و ایماں کر دیا
ہائے، یہ کیا قہر تو نے چشمِ گریاں کر دیا!
بن رہی تھیں میرے اُن کے درمیاں کیا کیا حجاب
حسن نے تاشام ہنس کر جو بنایا تھا چمن
زخمِ حسنِ تبسم کی فُسوں کاری نہ پوچھ
لے چلا تھا سُوئے صحرا کھینچ کر جوشِ جُوں
اب اُسی دستِ جُوں پہ آستیں ہے خندہ زن
عشق نے لذتِ جودِی تھی، آہ، تو نے عندلیب!
بے خودی حد سے زیادہ بڑھ چلی جب عشق میں
عشق نے درِ زلیخا بھر دیا کونین میں
شمع جب فانوس میں تھی، آنکھ تھی جو جمال
بُت کدے کو وہ میسر ہے، نہ کعبے کو نصیب
اُس نے جس جلوے کو وقفِ سینہ چاکاں کر دیا



زمین و آسماں ہونا، مکاں و لامکاں ہونا
فنائے عشق کیا ہے، کارواں درکارواں ہونا
ترے جلووں میں گم ہو کر، جہاں اندر جہاں ہونا
نظر صیاد کی کیا، برق بھی ہو تو لرز اٹھے
تماشہ دیدنی ہے، دیکھ لیں اہل نظر آ کر
لہو کا قطرہ قطرہ بن گیا کو شمعِ وحدت کی
زہے صورت، زہے معنی، زہے جلوہ، زہے پردہ
کسی کے سامنے وہ میری عرضِ شوق کا عالم (قطعہ)
کبھی دریائے بیتابی کا سینے میں سمٹ آنا
غرض دل کو کسی صورت محیطِ دو جہاں ہونا
یہاں تک منتشر ہونا کہ بے نام و نشان ہونا
مبارک عمرِ رفتہ کو حیاتِ جاوداں ہونا
ابھی آیا نہیں تنکوں کو جانِ آشیاں ہونا
مرے ہمراہ منزل کا بھی گردِ کارواں ہونا
بجا ہے اب مرا پروانہ عیاں ہونا، نہاں ہونا
بیک لحظہ، بیک ساعت، عیاں ہونا، نہاں ہونا
مرے ذراتِ ہستی کا مسلسل داستاں ہونا
کبھی ہر اشک کے قطرے کا بحرِ بیکراں ہونا

سنا ہے ہر طرف لٹتے ہیں جلوے حسنِ صورت کے
کبھی تم بھی جگرِ آوارہ کوئے بُتاں ہونا



جادو قلمِ کاتبِ تقدیر میں کیا تھا میں اوّلِ ساعت ہی سے ماہل بہ فنا تھا
میں اُس کی نظر، اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا اے حیرتِ خاموش! یہ منظر ابھی کیا تھا
جب تک حدِ ہستی کا تعین نہ ہوا تھا نام اس ستمِ ایجاد کا کیا جانے کیا تھا
پہنچا ہوں اسی راہ سے تانِ منزلِ عرفاں
کہتے ہیں جسے ہوش، وہی ہوش رہا تھا



یہ فصلِ گل، سماں یہ شبِ ماہتاب کا لا ساقیا شراب، مزا ہے شراب کا
چھوڑا نہ رازِ کوئی، جہانِ خراب کا سب کہہ گیا میں خواب میں افسانہ خواب کا
بگڑا ہوا ہے رنگِ جہانِ خراب کا بھریوں نظر میں حُسن، کسی کے شباب کا
اپنی نظر کی برقِ وِشی کو بھی دیکھئے مجھ سے ہی پوچھئے نہ مزاجِ اضطراب کا
نکلی تڑپ کے پردہِ خاکی سے رُوحِ پاک
ٹوٹا طلسمِ جلوۂ حُسنِ حجاب کا



آہ یہ عالمِ کثرتِ تری رعنائی کا! ایک مرکز نہ رہا چشمِ تماشائی کا
کیا ٹھکانا ہے اس آوارہ سودائی کا حشر اک لمحہ ہے جس کی شبِ تنہائی کا
نور کہتے ہیں جسے چشمِ تماشائی کا غیر فانی ہے وہ پرتو تری رعنائی کا
عشق کیا چیز ہے، اک حشرِ درِ آغوشِ خیال حُسن کیا؟ خواب ہے اک چشمِ تماشائی کا
منحصرِ جلوت و خلوت پہ نہیں وصلِ حبیب خاص اک وقت ہوا کرتا ہے یک جانی کا
رہ گئیں پردہِ ظاہر میں اُلجھ کر نظریں
حُسن دیکھا نہ کسی نے مری زسوائی کا



نظر میں ہیچ ہے، گلشنِ تمامِ دنیا کا نہ پوچھ دو صلہ مرغانِ رشتہ برپا کا
اثر ہے جس میں کہ ہر موجِ کارِ فرما کا وہ ایک قطرہ ہے حاصلِ تمامِ دریا کا
نجاتِ رُوح کو ملتی نہیں ہے نفس سے، آہ بنا ہوا ہے یہ مجنوں، حجابِ لیلیا کا
ہر ایک ذرّے سے نکلے تڑپ کے برقِ جمال بے تو کوئی طلبگارِ حُسنِ معنی کا
خدا ہی رحم کرے اس کی تشنہ کامی پر سراب پر جسے کامل یقین ہو دریا کا

رواں اگرچہ ہیں اس میں بھی سب وہی موجیں
مگر ہے قطرے پہ فرض احترام دریا کا



وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا
کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا
کیا سیر تھی، میں جب تک آوارہ ساحل تھا!
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بچ میں حائل تھا
گل اتنی حقیقت تھی منصورِ انا الحق کی
کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر
جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے
دل کے لئے اُلفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں
خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق
کیا دن تھے جگر وہ دن، جب صحبتِ اصغر میں!
مسرور طبیعت تھی، محرومِ مرا دل تھا



سینے سے دل اُچھلتے ہی رفعتِ نشاں ہوا
دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا
صیاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے
غفلت کے ساتھ ساتھ ہے یہ قیدِ جسم بھی
صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم
صیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخِ نخل
مچھوٹا نہ رشتہ طلبِ دوست ہاتھ سے
تبدیلی مقام سے بدلی فضائے عشق
یہ ذرہ جب بلند ہوا، آسماں ہوا
اے شانِ عشق! حُسنِ ترا رائیگاں ہوا
تیرا قفس ہوا کہ مرا آشیاں ہوا
پھر میں کہاں، اگر مجھے عرفانِ جاں ہوا؟
گم اس کی وسعتوں میں ہر اک کارواں ہوا
پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا
میں خاک ہو کے گردِ پسِ کارواں ہوا
جو درد تھا ابھی، وہی آرامِ جاں ہوا
عالمِ مرا تمام ثنا خواں ہوا، جگر
میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا



یہ مزا تھا خلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا
میں جنونِ عشق میں یوں ہمہ تن فگار ہوتا
میرے رہک بے نہایت کو نہ پوچھا مرے دل سے
میری بیقراریاں ہی تو ہیں اس کی وجہ تسکین
جسے چشمِ شوق میری کسی طرح دیکھ پاتی
یہ دل اور یہ بیانِ غم عشق بے محابا
تجھی یہ ملال، اُس کا نہ دکھے کسی طرح دل
مرا حال ہی جگر کیا وہ مریضِ عشق ہوں میں
کہ وہ زہر بھی جو دیتا مجھے سازگار ہوتا



عشق جب مصروفِ اصلاحاتِ روح و تن میں تھا
آشنا قیدِ مکاں سے کب رہی برقِ جمال؟
ہم نے تکمیلِ جنوں بھی جلوۂ زارِ غم میں کی
مجھ کو سب معلوم ہے افسانۂ برق و کلیم
رخصت اے بیگانگی، بس کھل گیا تیرا فریب!
ورنہ ممکن ہی نہ تھا، نظارۂ برقِ جمال
تھا جنونِ عشق خود ہی کارِ فرما، اے جگر!
تو عبث دیوانہ، فکرِ وسعتِ دامن میں تھا



دہر کی نیرنگیوں کا خوب عرفاں ہو گیا
محو رنگارنگی صحرائے امکاں ہو گیا
برق چمکی تھی کہ برپا جوشِ طوفاں ہو گیا
ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایاں ہو گیا
ذوقِ سجدہ ہر بنِ مو سے نمایاں ہو گیا
روحِ قالب سے نکل کر اصل میں گم ہو گئی
انتہائے جستجو میں دیکھئے ہوتا ہے کیا؟
روح جب تڑپی، نگاہِ شوقِ عاشق بن گئی
لا شراب گہنہ ساقی! دل پریشاں ہو گیا
اپنے جلوؤں میں مقید آپ انساں ہو گیا
الدد، اے شوق! نظارہ پریشاں ہو گیا
آج ثابت یار کا، قربِ رگِ جاں ہو گیا
میں بھی کیا شے ہوں کہ اپنا آپ عنوان ہو گیا
نے سے ہوتے ہی جدِ انغمہ پریشاں ہو گیا
ابتدا یہ ہے کہ ہر ذرہ بیاباں ہو گیا
دل جب اچھلا، جلوہ گاہِ حسنِ جاناں ہو گیا

ایک مرکز پر سمٹ آیا جہاں آرزو
کس کو دیکھا پردہ خاکی میں اپنے جلوہ گر
کم نہ تھا یہ عالم ہستی کسی صورت، مگر
دل کے پرتو بن گئے سب نقش ہائے رنگ رنگ
غم نے جنبش قلب کو دی، جاگ اٹھی روح شوق
چشم پر غم، زلف آشفستہ، نگاہیں بیقرار
زعم تھا ذوق نگاہ و جذب دل پر ناگہاں
چھوٹ سکتا تھا کہیں اس جسم سے دامن روح
دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
ورنہ کیا تھا، صرف ترتیب عناصر کے سوا

یوں بسر کی زندگی میں نے اسیری میں، جگر
ہر طریقہ داخل آداب زنداں ہو گیا



تری نگاہ ناز بایں شانِ اضطراب
اب تک تو تیرے فیض سے اے عشق معتبر
خوگر نہیں ہے تو تو بتا، اے نگاہ شوق!
ہر چند نجدِ عشق اٹھے ہزار قیس!
پھر ہے وہیں، چلا تھا جہاں سے دلِ غریب
ہم جان دردِ عشق وہم ایمانِ اضطراب
داغ سکوں سے پاک ہے، دامنِ اضطراب
پھر کون ہے یہ سلسلہ جنباںِ اضطراب؟
نکلا مگر نہ ایک بھی شایانِ اضطراب
آغاز ہی یہ لے گیا پایانِ اضطراب
بے وجہ یہ سکونِ محبت نہیں، جگر
اٹھنے کو ہے مگر کوئی طوفانِ اضطراب



ہو چکا تکملہ صورت و معنائے بہار
میری نظروں میں ہے وہ منظرِ زیبائے بہار
تیرا گلشن ہی نہ بن جائے قفس، اے بلبل!
عکسِ افسردگی شوق، سراپائے خزاں!
باہر آنا ہی نہ تھا پردہ بے رنگی سے
تو بھی اب سامنے آ، اوچن آرائے بہار!
سب بہاریں ہیں جہاں گردِ کف پائے بہار
دیکھ محدود نہ کر وسعتِ دنیائے بہار
پرتوِ حسنِ نظر، صورتِ زیبائے بہار
خود خزاں ساز بنی برقِ تجلّائے بہار

تیرے دیوانے ہیں آزادِ تعین، ورنہ
یہ خزاں کو بھی جو دیکھیں تو نظر آئے بہار



وحدت خاص عشق میں ذکر ہی غیریت کا کیا
یوں ہیں مری نگاہ میں نقش و نگارِ کائنات
حسنِ کمالِ عشق کا کوئی کمال رہ نہ جائے
مشرقِ غم سے کر طلوع ایک وہ آفتابِ حسن
دونوں جہاں میں دو قدم اول و آخر ہوں
غیر جو تلخ کام ہے، اُس کے نصیب کی کمی
توڑ کے سب قیود چل، اے دلِ مدِ عا طلب!
جلد سکون و عیش سے ہاتھ اٹھا کہ، بے خبر!
دل مرا توڑ کر کہا، اس نے زبانِ راز میں
ہو کے فنائے ذاتِ حق دلِ مرا سوز و ساز میں
دونوں جہاں تھے غرق و محو جس کی نگاہِ ناز میں
خاک بھی اس غریب کی آہ! کہ پھر نہ اٹھ سکی!
درد کا دل بڑھائے کون، پردہ در اٹھائے کون؟
پھیلے پڑے ہیں جس قدر حسن کے جلوہ لطیف
اصل سے ہو کے بے خبر، ڈھونڈنا اے دلِ حزیں!
یہ جو تمام نغمہ ہے، دعوتِ عامِ نغمہ ہے
میرے نیازِ عشق کا ہو ہی رہے گا فیصلہ
کام نہ آئی عقل کی عقدہ کشائیاں، جگر!

اور اضافہ ہو گیا سلسلہ ہائے راز میں



ندرت پسند کتنے عشاقِ خوش نظر ہیں
رنگینیِ الم میں دیکھا ہے جن کو اکثر
آساں نہیں گذرنا صحرائے بے خودی سے
اپنا نشان بتائیں کیا رہروانِ غربت؟
سینے تمام ویراں، آنکھیں تمام تر ہیں
اے دل! وہی تو جلوے سرمایہ نظر ہیں
ہشیار، اہل تمکین! رستے یہ پر خطر ہیں
بربادِ جستجو ہیں، پامال رہ گور ہیں

درماندگی کے نالے، بچا رگی کی آپیں! وہ شام کی ہیں رونق، یہ زینتِ سحر ہیں
کیوں آسماں سے مل کر اپنا وقار کھوئیں کیا کم ہے یہ کہ تیری ہم خاک رہ گور ہیں
بزمِ مشاعرہ ہے یا گلشنِ تحفیل!
بلبل چپک رہا ہے، یا حضرت جگر ہیں!



سمجھائے کون، بلبلِ غفلت شعار کو؟ محدود کر لیا ہے چمن تک بہار کو
عصیاں کی بھی نہ ہو سکی تکمیل مجھ سے، آہ! کیا منہ دکھاؤں رحمت پروردگار کو؟
اے دل، جوراءِ عشق میں رکھا ہے تونے پاؤں کرنا نہ تنگ دائرۂ اختیار کو
پھر دیکھنا بہار بیابانِ عشق کی! گلشن بنا چکوں گا جب اس خار زار کو
بھڑکا رہا ہوں آتشِ عصیاں ہر ایک سمت
پھیلا رہا ہوں رحمت پروردگار کو



بے خودی کا نہ ہوا شک کسی بیگانے کو فطرتِ عشق سنبھالے رہی دیوانے کو
جب سے معلوم کیا دل کے نہاں خانے کو آنکھ اٹھانے کو بھی فرصت نہیں دیوانے کو
عشقِ معصوم صفت، حسنِ ثقاہت دشمن مختصر کون کرے شوق کے افسانے کو
پی کے اک جام وہ جلوے نظر آئے مجھ کو دیکھتا ہوں کبھی مے کو، کبھی مے خانے کو
بجلیاں طورِ تصور پہ گرانے والے! مھونک دے، مھونک دے ہستی کے سیہ خانے کو
مے کشو! مژدہ کہ باقی نہ رہی قیدِ مکاں آج اک موج بہا لے گئی مے خانے کو
غیر از دوست نہ تھا ہستی عاشق کا وجود کم نگاہی نے دیا طول اس افسانے کو
قیس و فرہاد ہوں یا سرمد و منصور، جگر
ہم نے بے مایہ نہ دیکھا کسی دیوانے کو



نگراں کوئی بجز دیدۂ مسخور نہ ہو جلوہ اس طرح دیکھا، برق نہ ہو، طور نہ ہو
خود ضیا بار جو اک جلوۂ مسخور نہ ہو آئینہ خانۂ عالم میں کہیں نور نہ ہو
رازِ غم فاش نہ ہو، عشق جو مجبور نہ ہو دیکھنا، کوئی پس پردۂ منصور نہ ہو
آج ہر زخمِ نظر آتا ہے پیانہ بدست اس میں کچھ شعبدۂ زنگسِ محمور نہ ہو
کھول کر آنکھ ذرا دیکھ تو لے اے غافل! تیری ہستی ہی حجابِ رخ پر نور نہ ہو

خاک ہے سوزِ غمِ عشق کی تاثیرِ کلیم!
 جتنے وہ پاس ہیں، اتنا بھی نہ ہو پاس کوئی!
 عینِ ایمان ہے انا الحق کا ترانہ، لیکن
 اس تقید پہ تو عالم ہے یہ آزادی کا
 ایک اک سانس ہے اس کے لئے پیغامِ حیات
 آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو
 کوچہٴ عشق سے باہر نکل جائے، جگر!
 جیتے جی خاک میں ملنا جسے منظور نہ ہو



ابھی کچھ روز ہی گزرے نہ تھے تخلیقِ انساں کو
 ملک اور سجدہ کرتا، ایک مُشتِ خاکِ انساں کو!
 کسی صورت نہ ہونے دُوں عیاں اسرارِ جاناں کو
 خدا رکھے سلامت اس دلِ برباد و ویراں کو!
 خزاں آتے ہی ٹوٹیں جلوہٴ ظاہر کی سب قیدیں
 عزادارِ تمنا ہوں، نہ پوچھو میری بربادی
 یہیں سے روز کر لیتے ہیں سیرِ دو جہاں وحشی
 نہ پوچھی بات بھی اس شوخ کی کافرنگا ہوں نے
 ابھی اے جوشِ وحشت! کون یہ کہتا ہوا گرز ا؟
 عطا کردہ مذاقِ عشق، اے بیگانہٴ عالم!
 کمالِ لذتِ ذوقِ اسیری، تو کہاں ممکن
 نہ تھا کوئی حجابِ اک یغزشِ مستانہ کے آگے
 مزاجِ حُسن و تکلیفِ تجلی، اے معاذ اللہ!
 نہیں آپے میں کوئی، کس کو ہوا حساسِ نظارہ
 نکاتِ عشق حل کرتی ہے ہر جنبشِ نگاہوں کی
 دکھا کر اک جھلکِ سامانِ راحت جس نے لوٹا تھا

تغافل بھی کسی کا وجہٴ تسکین، اے جگر! کیا ہو

سمجھتا ہے یہ دل کم بخت پر سہائے پنہاں کو



قدرت کی آن والے، رحمت کی شان والے
 دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
 تجھ پر جہاں تصدق، او پاک جان والے
 بوسیدہ کپڑوں والے، ٹوٹے مکان والے
 ایسے تھے آپ اُسی، کھولی زبان جس دم
 دم بھر میں بے زباں تھے، ساری زباں والے
 روضہ پہ اے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے
 مہجور کب تک آخر ہندوستان والے
 اک جنبش نگہ کے سب منتظر کھڑے ہیں
 پُر درد قلب والے، پُر سوز جان والے



ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی
 چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی
 نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی
 پناہ برق نے لی میرے آشیانے کی
 یہ شرح ہے دل عشاق کے فسانے کی
 اب آگے، دیکھیں، کرے کیا ہوا زمانے کی
 جنہیں سمجھتے ہو نیرنگیاں زمانے کی
 قفس کے سامنے بجلی کچھ اس طرح چمکی
 یہ بزم دل، خس و خاشاک پر نہیں موقوف
 خزاں، دیگی شوق نا تمام مری
 تعینات کے ہیں وصل و ہجر دو پہلو
 زبان غیر گنج؟ انکشاف راز گنج؟
 کھلی نہ مجھ پہ حقیقت مرے فسانے کی

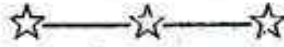


ہر پردہ ہستی میں جب تو متشکل ہے
 صحرا ہے نہ بستی ہے، دریا ہے نہ ساحل ہے
 حیران ہوں میں جلوہ پھر کون سا باطل ہے
 جو کچھ نظر آتا ہے، اک شعبہ دل ہے
 کیا چیز ہے کل عالم، کیا چیز مراد دل ہے؟
 حیرت کا اک آئینہ حیرت کے مقابل ہے
 حیرا ترا رشتہ تو بے واسطہ دل ہے
 ہنگامہ، محفل ہی برہم زن محفل ہے
 اس خون کا ہر قطرہ، کونین کا حاصل ہے
 خود شورش ہستی ہے تمہید فنا، یعنی
 جس میں کہ ترے جلوے خود تیرے پھرتے ہیں

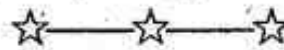
وسعت نے نگاہوں کی تاریک کیا منظر
 ایک ایک قدم ورنہ، خود عشق میں منزل ہے



جدھر کو جھوم کے مست شراب دیکھیں گے
 بغور عالم ہستی پہ جب کریں گے نگاہ
 تمام زہد ریائی خراب دیکھیں گے
 ہر ایک موج کو موجِ سراب دیکھیں گے
 وہ خاک محفلِ چنگ و رباب دیکھیں گے؟
 ادب معاملہ داں، شوق مصلحت دشمن
 خبر نہیں کہ کسے کامیاب دیکھیں گے
 جگر کی بادہ کشی ان دنوں، معاذ اللہ!
 جب آپ دیکھیں گے غرق شراب دیکھیں گے

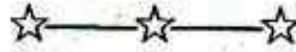


چشمِ نظر پرست میں جس کا جہان نام ہے
 کس کے فروغِ حسن کا آج یہ فیض عام ہے
 حسنِ تمام یار کا جلوہ نا تمام ہے
 شامِ نثارِ صبح ہے، صبحِ نثارِ شام ہے
 خلوتیانِ راز کا خاص یہ اک پیام ہے
 کیفِ وصالِ دوست بھی منزلِ نا تمام ہے
 حسن کی بارگاہ میں رکھے سنبھال کر قدم
 یہ وہ مقام ہے جہاں خواہشِ دل حرام ہے
 گرمی سوزِ عشق سے، دل کو جلاتو، بوالہوس!
 صبح کو بھی نہ بجھ سکے یہ وہ چراغِ شام ہے
 شوق کی انتہا کہو، یا کہ فریبِ عاشقی
 شورِ انا الحبيب کا خاصہ مقام ہے
 ایک بلا کی بے خودی، ایک غضب کی بے حسی
 دورِ حیات کہتے ہیں جس کو وہ دورِ جام ہے
 بندگیِ بخوں ادا بے خودیِ ادب سرشت
 اک ادائے پر سکوت، لاکھ نوائے پر خروش
 شیفہٴ صفات کو کوئی سکون نہ ہو تو ہو
 عاشقِ ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے
 اب تو خدا کے واسطے زیست کا دو جگر ثبوت
 خوابِ گراں وہی ہے اور وقتِ قریبِ شام ہے



بوز میں بھی وہی اک نغمہ ہے جو ساز میں ہے
 یہ سبب ہے کہ تڑپِ سینہ ہر ساز میں ہے
 فرقِ نزدیک کی اور دور کی آواز میں ہے
 مری آواز بھی شامل تری آواز میں ہے
 جو نہ صورت میں، نہ معنی میں، نہ آواز میں ہے
 دل کی ہستی بھی اسی سلسلہٴ راز میں ہے
 ہمہ تن محو دل اک نغمہٴ بے ساز میں ہے
 اب نہ مطرب میں کوئی فرق، نہ آواز میں ہے
 عاشقوں کے دلِ مجروح سے کوئی پوچھے
 وہ جو اک لطفِ نگاہ غلط انداز میں ہے
 گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے، اللہ اللہ!
 سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے
 حسنِ انجام پر کس طرح تصدق کر دوں
 وہ جو اک لطفِ ہر اک لغزشِ آغاز میں ہے؟

حرم و دیر نظر آتے ہیں سب سر بہ سجود
جلوہ گر کون مرے شوق جہیں ساز میں ہے؟



کیونکر نہ روشن تجھ سے ہوں کون و مکانِ عاشقی
اللہ رے سوزِ دلِ خون کشتگانِ عاشقی
لے کر ازل ہی سے چلے، شوریدگانِ عاشقی
کیا قصہ جوِ فلک، کیا داستانِ عاشقی؟
ناکام ہی اب تک رہے، بدنام ہی اب تک رہے
گولب پر آہِ سرد ہے، چہرہ بھی غم سے زرد ہے
اٹھنے کو ہے اُن کی نظر ہونے کو ہے وہ آنکھ تر
برہم اُدھر بزمِ جہاں، تاراج باغِ و اَشیاں
اُن کی نگاہِ لطف ہے اور کشفِ رازِ دلبری!
آؤ جہاں برہم کریں، پیدا نیا عالم کریں
یہ مصرعِ حسرت جگر نشتر سے بھی ہے تیز تر
سیرابِ غم کر دے کہیں پیرِ مغانِ عاشقی



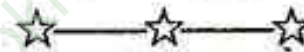
وہ بزمِ تماشا بھی کیا بزمِ تماشا ہے!
یہ حُسنِ طلب ہی کا اک جلوہٴ رعنا ہے
دُنیا یہ اُسی کی ہے، عالم یہ اُسی کا ہے
آغازِ محبت کا انجام بس اتنا ہے
بے کار ہے، اے مجنوں! یہ پیکرِ آب و گل
کیا حُسن کا افسانہ محدود ہے لفظوں میں؟
کہنے کے لئے کہہ لیں سب کچھ اسے اہلِ دل
اس دور میں مجنوں ہی کوئی نہ رہا، ورنہ
بھر دو انہیں جلوؤں سے، یا آگ لگا دو تم!
آنکھیں بھی تمہاری ہیں، سینہ بھی تمہارا ہے



تاثیر محبت کی اللہ رے مجبوری! ہر بعد میں اک قربت، ہر قرب میں اک دُوری
 یوں محو فنا ہو جا، اے دل رہ اُلفت میں ہر سانس سے پیدا ہو اک نعمۂ مصوری
 گل ہستی عالم پر طاری ہیں صفات اُس کے سب کہنے کی باتیں ہیں، مختاری و مجبوری
 خود اپنے لئے تلبیل، تجویزِ قفس کر لے اُس پر بھی جو کھل جائے صیاد کی مجبوری
 تُو نے ہی جگر اس کو مٹی میں ملایا ہے
 ورنہ یہ ترا دل تھا اک آئینہ نوری



آدمی نہ غفلت میں بھلا دیتا ہے "تجھ سے میں دُور کسی وقت نہیں ہوں غافل!"
 بادۂ ناب عجب چیز ہے، ساقی، لیکن پھر شرابی تری آنکھوں کے نہ چوٹے تاحشر
 جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ، اللہ رے، فیض! تجھ سے وحشی ترے، غافل نہیں رہنے پاتے
 ہائے کیا چیز گل داغِ محبت ہے، جگر خشک ہونے پہ بھی جو یوئے وفا دیتا ہے!



رند وہ ہوں کہ غزل بھی مری رندانہ ہے اپنی ہستی کے جو انوار سے بیگانہ ہے
 ہجرِ جاناں میں غضبِ شورشِ مستانہ ہے سلسلہِ روئے ازل سے ہے برابر جاری
 حیرتِ عشق بھی کیا چیز ہے، اللہ اللہ! چھیڑاے مطربِ غم! تازہ غزل کوئی، مگر
 کل جہاں گرم تھا ہنگامہِ تاثیر و نظر بت پرستوں پہ عبثِ طعن ہیں، اے شیخِ حرم!
 روشِ دہر کا ہر نقشِ پکارے گا مجھے یہ نہ معنی و لفظ نہیں، بادہ و پیانہ ہے
 وہ فقط چند حجابات کا دیوانہ ہے رُوحِ قالب میں نہیں، قید میں دیوانہ ہے
 نہیں معلوم کہاں تک مرا افسانہ ہے نہ یگانہ ہے یہاں کوئی، نہ بیگانہ ہے
 یہ نہ معلوم ہو مجھ کو، مرا افسانہ ہے آج دیکھا تو بس اک دشت ہے ویرانہ ہے
 اپنے بُت دیکھ کہ تُو آپ ہی بُت خانہ ہے یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے
 واہ کیا مست غزل تُو نے پڑھی آج جگر ایک اک لفظ چھلکا ہوا پیانہ ہے



دلِ حزیں کی تمنا دلِ حزیں میں رہی
حجاب بن نہ گئی ہوں حقیقتیں باہم
سرِ نیاز نہ جب تک کسی کے در پہ ٹھکا!
ہوں نے پھر دیئے اس درجہ خواہشات کے بت
بقید ظرف مئے بندگی کا جوش رہا
عدم میں بھی مری ہستی کی تھی یہ شانِ وجود!
یہ جس زمیں کی تھی دنیا اسی زمیں میں رہی
کہ بے سبب تو کشاکش نہ گفرو دیں میں رہی
برابر ایک خلش سی مری جبیں میں رہی
ذرا سی جگہ بھی نہ کعبہ یقین میں رہی
کسی جبیں سے نہ ٹپکی، کسی جبیں میں رہی
کہ راز بن کے دلِ صورت آفریں میں رہی

نگاہِ حضرتِ اصغر کی ہر ودیعتِ خاص
قرار بن کے جگر کے دلِ حزیں میں رہی



موت پر حیرانی و حیرت ہی کیا؟
روح ہے اک نغمہ سازِ الست
اُن کو اپنی شانِ رحمت پر غرور
لفظ و معنی جس کو چھو سکتے نہیں
لب تک، اے صیاد، آ سکتی نہیں
یوں نہ دیکھے کوئی تو کچھ بھی نہیں
ہوشیار، اے طائرِ جان، ہوشیار!
سرِ ہستی دو عالم کچھ نہ پوچھ
اضطرابِ دل بھی کیا شے ہے کہ اب
زندگی کیا ہے، نمودِ عاشقی
زندگی جس سے عبارت ہے، جگر
وہ کسی کی اک نگاہِ ناز ہے



مسرور ہوں کیفیتِ دردِ جگری سے
کہتے ہیں جسے اہلِ نظر ہوش کی دنیا
وہ بن گئے سب سینہ گردوں کے ستارے
پھولوں کا نہ وہ رنگ، نہ بلبل کے وہ انداز
ہر چیز پہ پڑتی ہیں تحیر کی نگاہیں
کچھ کام اثر سے ہے نہ اب بے اثری سے
کچھ کچھ ہے خبردار مری بے خبری سے
بھڑکے تھے جو شعلے مرے داغِ جگری سے
عالم ہے مبدل مری حرماں نظری سے
چھوٹا ہوں جو اب سلسلہ بے خبری سے

جب آہ مری بابِ اثر دیکھ چکی سب تب جا کے ہوا ربط کہیں بے اثری سے
سمجھا گیا اک جلوۂ بیتاب کسی کا جو راز کہ محبوب تھا فہم بشری سے
دل خون ہوا جاتا ہے، لب پر ہے تنہم ہم جان فدا کرتے ہیں کس بے جگری سے
لہ جگر! اب تو ذرا ہوش میں آجا!
تنگ آگئے احباب تری بے خبری سے

☆—☆—☆

سنا ہے حشر میں اک حُسن عالمگیر دیکھیں گے خدا جانے تجھے، یا اپنی ہی تصویر دیکھیں گے
دل برباد ہی میں حُسن کی تصویر دیکھیں گے اسی برگِ خزاں دیدہ پر اک تصویر دیکھیں گے
جدِ اہرگز نہ حُسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے وہ جب دیکھیں گے مری خاک دامن گیر دیکھیں گے
اگر فرصت ملی عرفانِ تاثیرِ محبت سے تجھے بھی ایک دن، اے آہ! بے تاثیر دیکھیں گے
رہائی ہو نہیں سکتی، کبھی قیدِ تعلق سے جو اک زنجیر ٹوٹی، دوسری زنجیر دیکھیں گے
بغور اس ہستیِ خاکی پہ بھی ہم اک نظر کر لیں قیامت تک نہ پھر ایسی کوئی تصویر دیکھیں گے

اب اس صورت سے کیا آئیں ترے آئینہ خانہ میں؟

تری تصویر ہی بن کر تری تصویر دیکھیں گے

☆—☆—☆

کس قدر جامع ہے میرا عالمِ تصویر بھی حُسن کی تشریح بھی ہے، عشق کی تفسیر بھی
روح کی رنگینیوں سے جسم بھی ہے فیضِ یاب کم نہیں تصویر سے آئینہ تصویر بھی
ٹوٹنے والے عشق میں جتنے کئے، اے بے خبر! ہو گئی اتنی ہی ضائع عشق کی تاثیر بھی
اس کی عالی ہمتی کا کیا ٹھکانہ، اے جگر!

تنگ ہو جس کے لئے فریاد بھی تاثیر بھی؟

☆—☆—☆

یہ دورِ مستعار خزاں و بہار کے دو سلسلے ہیں اک نگہِ فتنہ کار کے
وارفتگانِ عشق ہوں ہم رنگ کس طرح! عالم جدا جدا ہیں نگہ ہائے یار کے
ہونے دیا تعلقِ اصلی نہ منقطع! مجھو ریاں بھی ساتھ چلیں اختیار کے
دیوانہ جوں کی وہ ہے ایک سیر گاہ تھکتے نہیں ہیں پاؤں جہاں ہوشیار کے
آکر قفس میں اب نہ کھلا ہے معاملہ ہم اہل تھے خزاں کے نہ رنگِ بہار کے
رگ رگ میں آج دوڑ گئی موجِ سرخوشی قربان تیری لغزشِ مستانہ وار کے

! میری نزدیک صبح ہے (جگر)

رواں اگرچہ ہیں اس میں بھی سب وہی موجیں
مگر ہے قطرے پہ فرض احترام دریا کا



وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا
کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا
کیا سیر تھی، میں جب تک آوارہ ساحل تھا!
حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل تھا
گل اتنی حقیقت تھی منظور انا الحق کی
کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر
جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے
دل کے لئے الفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں
خود اپنی تجلّی میں جب عشق تھا مستغرق
کیا دن تھے جگر وہ دن، جب صحبتِ اصغر میں!
مسرور طبیعت تھی، محرومِ مرا دل تھا



سینے سے دل اُچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا
دل بتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا
صیاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے
غفلت کے ساتھ ساتھ ہے یہ قیدِ جسم بھی
صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم
صیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخِ نخل
چھوٹا نہ رشتہ طلب دوست ہاتھ سے
تبدیلی مقام سے بدلی فضائے عشق

عالمِ مرا تمام ثنا خواں ہوا، جگر

میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا



جگر پارے

مثایا جس قدر ہستی کو تصویریں ہوئیں پیدا ہوئے ہم جس قدر آزاد زنجیریں ہوئیں پیدا



پاسِ ادب سے چھپ نہ سکا رازِ حسن و عشق جس جا تمہارا نام سنا، سر جھکا دیا



جس میں آباد تھی دُنیا ئے محبت میری ہائے اس اشک کا آنکھوں سے جدا ہونا



اُمید غفوکو بھی میں نے اب دل سے مٹا ڈالا یہ تھا اک بدنما دھبہ مرے دامنِ عصیاں کا



کیا بلا عشق تماشا ساز ہے اس کا ہر انجام اک آغاز ہے



اس جلوۂ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا؟ اک ناتواں سا رشتہ تارِ نظر ہی کیا؟



مرا احساسِ غم، اے کاش! اتنا تیز ہو جاتا جو چھو جاتی ہوا، دل درد سے لبریز ہو جاتا

نہ رکھا دل کو احساسِ گنہ نے مشتعل، ورنہ یہی ظلمت کدہ اک دن تجلی خیز ہو جاتا

یہ ساری لذتیں ہیں میرے شوقِ نامکمل تک قیامت تھی، یہ پیانا اگر لبریز ہو جاتا

نشہ صہبائے غفلت جب ذرا کچھ کم ہوا مجھ کو ہر ذرہ مری ہستی کا سازِ غم ہوا

تیرے اسرارِ حقیقت کا وہی محرم ہوا رہ کے عالم میں بھی جو بیگانہ عالم ہوا

ربطِ باطن اس کو کہتے ہیں کہ روزِ اوّلین رُوح مضطر ہی رہی، جب تک نہ پیدا غم ہوا



توڑ کر سینہ و دل یار کا پیکاں نکلا جان نکلی مرے اللہ، کہ ارماں نکلا!



تھی حریم ناز کے پردوں میں بھی جنبش تمام ایک رنگِ خاص سے جب مضطرب تھا دل مرا
مڑ کے پھر میں نے نہ دیکھا میں ہوں ایسا رہ نور دیکھتی ہی رہ گئی حسرت سے منہ منزل مرا
بے دلی پر کیوں ہر اسماں ہوں کہ ہے مجھ کو خبر خود نگاہِ ناز ہی اک دن بنے گی دل مرا



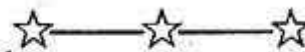
عشق کی دسترس ہو کیا جلوہ بے پناہ تک! اٹھ نہ سکی نگاہ بھی، کر نہ سکے اک آہ تک



بیانِ اہلِ دل ہے کب اسیرِ قیل و قال میں نظر ملی کہ ہو گیا تبادلہ خیال میں



تھی سکونِ یاس میں بھی موجزنِ اکِ برقِ حُسن میں یہ سمجھا تھا کہ اب کوئی شریکِ دل نہیں



کس کو رہا ہے پاسِ عشق، کس کو رہے گا پاسِ حُسن حُسن میں گم حواسِ عشق، عشق میں گم حواسِ حُسن
دیدہ شوق سے ہوئیں آج وہ گلِ فشانیاں ڈوب گئی بہار میں سادگیِ لباسِ حُسن!



بیکسانِ راہِ اُلفت کو سمجھتے کیا ہو؟ عرشِ ہل جائے اگر دل سے یہ فریاد گریں



غفلتوں میں قید کب فطرت کے کارِ بار میں رُوح کہتی ہے کہ سوئیں آپ، ہم بیدار ہیں
جمع ہیں اصداد تو قائم ہے شانِ امتیاز کلفتیں ہی مٹ گئیں تو راحتیں بیکار ہیں

قطرہ

مستِ جامِ شراب ہوتا ہوں ہمہ تن آفتاب ہوتا ہوں
کل دکھایا تھا آپ نے جلوہ آج میں بے نقاب ہوتا ہوں



قطرہ

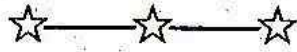
ہو گئے مرگ و زیت سے آزاد حسنِ انجامِ اس کو کہتے ہیں
بعد مرنے کے بھی قرار نہیں مرگِ ناکامِ اس کو کہتے ہیں



برق گرتی ہے کہیں، چلتی ہیں شمشیریں کہیں وہ کہیں خود عشوہ فرما، اُن کی تصویریں کہیں
جذبہٴ دل رنگ بن کر مائل پرواز ہے لے کے اڑ جائیں مصوٰر کو نہ تصویریں کہیں



جان اُن پر نثار کرتا ہوں پیار کی طرح پیار کرتا ہوں
لذتِ گریہ فراق نہ پوچھا! ہر تبسم نثار کرتا ہوں
عشق کی بے نیازیاں بن کر حُسن کو بے قرار کرتا ہوں



جو آنسو آنکھ سے ٹپکے وہ نظروں سے نہاں کیوں ہو؟ الہی! حاصلِ دردِ محبت رائیگاں کیوں ہو؟
یہی منشاءِ جاناں ہے، تو افشارِازِ جاں کیوں ہو؟ کمالِ ضبط بھی، اے دل، اک اندازِ بیاں کیوں ہو؟



عقل باریک ہوئی جاتی ہے رُوح تارِیک ہوئی جاتی ہے



یہ کس سے کلام ہو رہا ہے ہر سانسِ پیام ہو رہا ہے
ہشیار کو کب خبر ہے اس کی غفلت سے جو کام ہو رہا ہے
ہر نقشِ جبینِ عاشقی کا مسخوٰرِ انام ہو رہا ہے



بُھپ کے رہ نہیں سکتی، عاشقی وہ مستی ہے دل سے بادل اُٹھتے ہیں، آنکھ سے مئے برستی ہے
ہوش کا وہ بندہ یہ سجدہ ریڑِ مستی ہے آدمی کی فطرت میں یعنی بُت پرستی ہے
بے خبر! یہی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی مستی ہے



ناگوارا ہے یہ شانِ جہدِ آزادی مجھے میں تو مرجاؤں، جو کہہ دے کوئی فریادی مجھے



کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے جی دھک سے ہو گیا، یہ سُنا جب، وہ آگئے



شوقِ محوِ آرائش، عشقِ غرقِ وحدت ہے اک نظر میں مستی ہے، اک نظر میں حیرت ہے
کیا مزاجِ دل کہئے؟ دل کی اب یہ صورت ہے حال ہے نہ بے حالی، کچھ عجیب حالت ہے



کسی طرف سے شبِ غم صدا نہیں آتی! پُکارتا ہوں قضا کو، قضا نہیں آتی
ترے فراق کے غم نے بچا لیا سب سے مرے قریب کوئی اب بلا نہیں آتی



ہر قدم پر گر گر کر آدمی سنبھلتا ہے یعنی خضر بھی کوئی ساتھ ساتھ چلتا ہے



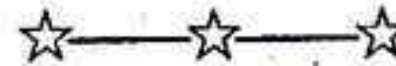
گذر سکے تو گذر جا بطرزِ بے خبری یہ کل جہاں ہے فریب تجلی نظری



میں بتاؤں تجھ کو یہ راز کیا؟ تو اسیرِ دامِ قیود ہے میں جہاں ہوں نغمہ سرا، وہاں نہ وجود ہے نہ شہود ہے



ہوشیار، اے دیدہ گستاخِ عاشق ہوشیار! اُس کے استغنائے وقتی پہ نہ جانا چاہیے!!
بزمِ ساقی میں نہیں کچھ کام عقل و ہوش کا مست جانا چاہیے مدہوش آنا چاہیے



محبت کی پُر پیچ راہوں نے مارا! تری آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا



وہ غریقِ معرفت، یہ محوِ مومن میں ہے عینِ قربت پر بھی کتنا بعدِ روح و تن میں ہے
ہم سے پوچھو، وہ کہاں ہے اور کس مسکن میں ہے درد کی بیتابیوں میں، قلب کی دھڑکن میں ہے



جذباتِ جگر

(دورِ سوم)

اُس کی نگہِ ناز کے قابل نہ سمجھنا
بے کاری سی اک ہستی باطل نہ سمجھنا
دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھنا
میں دل سے سہی دور، مگر اے غمِ جاناں!
جو موجِ نظر ہے، وہ ہے اک برقی تجلی
ہر جلوے کے پردے میں وہ خود سیر کنناں ہے
خود دے کے کہا دردِ محبت یہ کسی نے
کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگی شوق
اے قیسِ نظر! حُسنِ حقیقت سے خبردار
ہر سانس ہے در پردہ نگہبانِ محبت
اے بے خبرو! دل کو کبھی دل نہ سمجھنا
نقشِ قدمِ یار ہے یہ، دل نہ سمجھنا
اس شوخ سے خالی کوئی محفل نہ سمجھنا
دل کو مرے، آوارہ منزل نہ سمجھنا
آنکھوں کو فقط پردہِ حائل نہ سمجھنا
تنہا اسے ہنگامہِ محفل نہ سمجھنا
”اب آج سے اپنا اے تم دل نہ سمجھنا“
منزل بھی جو آ جائے تو منزل نہ سمجھنا
سایہ ہے اسے صاحبِ محفل نہ سمجھنا
نہار کبھی، حُسن کو غافل نہ سمجھنا
ہر ذرہ ہے اک پیکرِ صد حُسنِ حقیقت
ہستی کو، جگر! ہستی باطل نہ سمجھنا



محال تھا کہ میں آزادِ دو جہاں ہوتا
نہاں کئے سے کہیں رازِ غم نہاں ہوتا؟
یہ سوچتا ہوں، ٹھکانا مرا کہاں ہوتا
محال تھا کہ غمِ عشق بے نشاں ہوتا
جو میں خود اپنی حقیقت کا راز داں ہوتا
یہ سب ہیں فیضِ اسی دم قدم کے، اے بلبل!
بھلا ہوا کہ نظر حیرتوں میں ڈوب گئی
بقیدِ جسم نہ ہوتا، بقیدِ جاں ہوتا
زباں دہن میں نہ ہوتی تو دل زباں ہوتا
اگر وہ میری طرح مجھ سے بدگماں ہوتا
جو میں نہیں تو مری آہ کا دھواں ہوتا
تمام منظرِ فطرت مری زباں ہوتا!
خزاں نہ تنکے اڑاتی، نہ آشیاں ہوتا
کہاں کہاں نہ ترا حُسنِ رانگاں ہوتا!

صفاتِ عشق کی تکمیل بھی ضروری تھی
بہارِ توبہ شکن، چشمِ مستِ یارِ مُصر
کہاں فراغِ تلونِ مزاجیوں سے تری؟
کمالِ اہلِ حرمِ مستند سہی لیکن!
یہ ذوقِ سجدہ کہیں مطمئن نہ رہ سکتا
کہاں ہم، اور کہاں اب فسانہِ غمِ عشق
وہ حالِ دلِ لبِ خاموش سے بھی سُنتے ہیں
گدازِ عشق کی اب شرحِ مختصر یہ ہے
نثار ہو گئے، اک جلوۂ تبسم پر
تمام اٹھ گئے پردے، تو اس سے کیا حاصل؟

یہ سب نمود و نمائش ہے تیرے چھپنے سے
جو تُو نہ پردے میں ہوتا، تو میں کہاں ہوتا



یادِ ایام، کہ جلوؤں کا ترے ہوش نہ تھا
حسن بھی بزم میں جب تک کہ قدحِ نوش نہ تھا
ہائے آغازِ محبت کا وہ دورِ سرشار
دنِ جوانی کے جگر بے خبری میں گزرے
حیرتِ آوارہ نہ تھی، عشق جنوں کوش نہ تھا
بادۂ عشق میں نشہ تھا، مگر جوش نہ تھا
کون سا اشک تھا، جو ساغرِ سر جوش نہ تھا
ہوش کا وقت جب آیا، تو مجھے ہوش نہ تھا



جوں میں بھی کیا کم یہ سامان ہو گا؟
نہ جاں دل بنے گی، نہ دل جان ہو گا
ٹھہر، اے دلِ درد مندِ محبت!
مرے دل میں بھی اک وہ صورت ہے پنہاں
یہ کہہ کر دیا اُس نے دردِ محبت
گوارا نہیں جان دے کر بھی دل کو
کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے
گریباں سے پیدا گریبان ہو گا
غمِ عشق خود اپنا عنوان ہو گا
تصور کسی کا پریشان ہو گا
جو وہ دیکھ لے گا، تو حیران ہو گا
”جہاں ہم رہیں گے، یہ سامان ہو گا“
تری اک نظر کا جو نقصان ہو گا
تری یاد ہو گی، ترا دھیان ہو گا

چلو دیکھ آئیں، جگر کا تماشا
سنا ہے وہ کافر مُسلمان ہو گا



حُسن کے احترام نے مارا عشق بے ننگ و نام نے مارا
وعدہ نا تمام نے مارا روز کی صبح و شام نے مارا
لرزش دستِ شوق، آہ نہ پوچھا! لغزش نیم گام نے مارا
عشق کی سادگی تو ایک طرف شوق کے اہتمام نے مارا
اللہ اللہ! نفس کی آمد و شد اس پیام و سلام نے مارا
عشق مرتا نہ اپنی موت سے آہ! عاشقانِ کرام نے مارا
کاش وہ عمرِ خضر بن جاتے جن خیالاتِ خام نے مارا
میں نہیں بسمِ خیاں، جگر
حافظِ خوش کلام نے مارا



چدھر سے حُسن کا اک گوشہ نقاب اٹھا
یہ کون جامِ تہی کردہ و خراب اٹھا؟
نظر کو مستِ مئے حُسن کر، حجاب اٹھا
یہ سب جو حُسنِ حقیقت پہ ہیں حجاب، اٹھا
نشانِ منزلِ جذبِ تمام چھپ نہ سکا
کہاں مشاہدہٴ رُوح میں ہے پابستہ؟
نمودِ حُسن کی یہ گرمی مزاج تو دیکھ
کہیں نہ فتنہ کوئی اٹھ کے تھام لے دامن
رہ طلب میں نہ کر، خوفِ لغزش پاسے
جہانِ حُسن سے تکمیلِ تشنگی کر لے
بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام

تمام ذرے پکارے، وہ آفتاب اٹھا
کہ مے کدے کو لئے شورِ اضطراب اٹھا
جگر! شراب نہ پی، جہمتِ شراب اٹھا
نظر کو ہے جو اٹھانا تو کامیاب اٹھا
ادھر فنا ہوا قطرہٴ ادھر حباب اٹھا
بہت لطیف سہی، پھر بھی یہ حجاب اٹھا
ہزار قطرے فنا کر کے، اک حباب اٹھا
قدم نہ راہِ محبت میں بے حساب اٹھا
یہاں جو گر کے اٹھا، بس وہ کامیاب اٹھا
ابھی نظر سے نہ یہ پردہٴ سراب اٹھا
گناہگارِ نظر! لذتِ عذاب اٹھا

۱۔ ”آفتاب اٹھا“ درحقیقت خلافِ محاورہ ہے، مگر میرا مفہوم بجز اس کے اور کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ اگر مذاق
سلیم سے کام لیا جائے، تو یہ ایک اجتہاد ہوگا، جسے رائج ہونا چاہئے۔ (جگر)

سکونِ شوق سے بھی، کیفِ اضطراب اٹھا
 شکستِ نشہ سے اب لذتِ شراب اٹھا
 کدھر ہے مطربِ آتشِ نوا، رُباب اٹھا
 مگر جو میکدہ، عشق سے خراب اٹھا
 نظر تو اپنی، ارے شوخِ پرِ حجاب، اٹھا
 کچھ اور دن ابھی تکلیفِ اضطراب اٹھا
 تڑپ کے موج اٹھی، جھوم کر حباب اٹھا
 جو اٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا
 میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں، تو کتاب اٹھا
 اٹھا سر، اور جگر خانماں خراب! اٹھا
 قریبِ ساعتِ وصل آچکی ہے، اب تو، جگر
 نچوڑ دامنِ تر، دیدہ پر آب اٹھا



جہاں سے چاہنا اُن کا وہیں سے دُور ہو جانا
 مبارک اپنے ہاتھوں حُسن کو مجبور ہو جانا
 ترا ملنا ہے خود ہستی سے اپنی دُور ہو جانا
 جب ایسا وقت آئے، پہلے تو بے نور ہو جانا
 وہ دیکھیں آج ہر نقشِ قدم کا طور ہو جانا
 سحر ہونے سے پہلے شمع کا بے نور ہو جانا
 ترا مجبور کر دینا، مرا مجبور ہو جانا
 اسی عالم میں، پھر کچھ سوچ کر مسرور ہو جانا
 مجھے باور نہیں آتا مرا مجبور ہو جانا
 کہ ہے تنگِ نظر پابندِ برق و جود ہو جانا
 مجھی پر منحصر کر دو، میرا مجبور ہو جانا

جگر! وہ حُسنِ یکسوئی کا منظر یاد ہے اب تک

نگاہوں کا سمٹنا اور ہجومِ نور ہو جانا

وداعِ ہوش کو پابندِ انحصار نہ کر
 اٹھا چکا ہے بہت نازِ بادہ و ساغر
 فضائے عشق ہے ساکت، ہوائے شوق ہے بخ
 کوئی خرابِ تماشا وہاں پہنچ نہ سکا
 یہی تھا وعدہٴ تسکین، یہی تھا عہدِ وفا
 نسیمِ شوق، یہ لائی جوابِ نامہٴ درد
 جدھر کو مستی دریا نے رخ کیا اپنا
 مجھے اٹھانے کو آیا ہے، واعظِ ناداں!
 کدھر سے برق چمکتی ہے، دیکھیں، اے واعظ!
 کہاں یہ یار، کہاں پائے نازکِ جاناں

ہزاروں قُربتوں پر یوں مرا مجبور ہو جانا
 نقابِ روئے نادیدہ کا از خود دُور ہو جانا
 سراپا دید ہو کر غرقِ موجِ نور ہو جانا
 نہ دکھلائے خُدا، اے دیدہ تر دل کی بربادی
 جو کل تک لغزشِ پائے طلب پر مسکراتے تھے
 ان آنکھوں کا نہ پوچھو ضبط، جن آنکھوں نے دیکھا ہے
 محبت کیا ہے، تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں؟
 یکا یک دل کی حالت دیکھ کر میرا تڑپ اٹھنا
 محبت عینِ مجبوری سہی، لیکن یہ کیا باعث؟
 مگر اس رمز سے نا آشنا تھے حضرتِ موسیٰ
 نگاہِ ناز کو تکلیفِ جنبشِ تا کجا آخر؟



ترا حجاب نہ کرنا بھی اب حجاب ہوا
شراب و شیشہ بنا، نغمہ و رباب ہوا
مری نظر نہ ہوئی، آپ کا حجاب ہوا
اک آفتاب کا سایہ تھا، آفتاب ہوا
سنجالنا مجھے، ساقی! میں بے نقاب ہوا
جو بچ رہا، وہ مرا شوق کامیاب ہوا
وہ ایک دورِ محبت جو صرف خواب ہوا
کمال ضبطِ نفس، شرطِ اضطراب ہوا
جس آئینے پہ نظر کی، ترا جواب ہوا
وہ دل دیا کہ جسے قرب بھی عذاب ہوا
جو لاکھ بار بنا، اور پھر خراب ہوا
وہ ہر کرم جو پس پردہ عتاب ہوا
سمجھ لیا کہ محبت کا گھر خراب ہوا
خیال دل میں اُترتے ہی اضطراب ہوا
بہ حد تابِ نظر کوئی بے حجاب ہوا
دلیل ہستی ہر موجِ اضطراب ہوا

ادب شناسِ محبت دل خراب ہوا
سکونِ شوق جو مائل بہ اضطراب ہوا
اسی سے دل کا ہر اک نقشِ جلوہ تاب ہوا
خراب ہو کے بھی دل کب جہاں خراب ہوا
فروغِ یادہ ترے حسن کا جواب ہوا
مجھی ہیں گم، مرا ہر کیف و اضطراب ہوا
کتابِ عشق کا مشکل ترین باب ہوا
معاملاتِ محبت یہاں تک اب پہنچے
نگاہِ شوق کی جذب و کشش، ارے توبہ!
ستمِ ظریفیِ حسنِ ازل، ارے توبہ!
اس ایک دل کی حقیقت کو کوئی کیا جانے؟
نگاہِ دل بھی یکا یک اسے سمجھ نہ سکی
دلِ تباہ کی کرنی ہی تھی کوئی تاویل
نگاہِ خاک پہنچتی جمالی معنی تک
بہت ملال ہے دل کو، سنا ہے یہ جب سے
سکونِ اصلِ عدم تھا محیطِ قدرت میں

جہاں شوق کی محرومیاں نہ پوچھ، جگر
سکون تو کیا، کہ میسر نہ اضطراب ہوا!



اک پیکرِ حقیقتِ عریاں بنا دیا
ڈالی وہ اک نظر کہ مسلمان بنا دیا
میں وہ ہوں جس نے حسن کو حیراں بنا دیا
انساں کو دردِ عشق نے انساں بنا دیا
نا کامیوں کو حاصلِ عرفاں بنا دیا
اک کیفِ مستقل کو رگِ جاں بنا دیا
آئینہِ لطافتِ پنہاں بنا دیا
ایک ایک موجِ مے کو رگِ جاں بنا دیا

رحمت نے مجھ کو مائلِ عصیاں بنا دیا
ساقی نے آج بندہِ احساں بنا دیا
دل کو حریفِ جلوہ جاناں بنا دیا
تیری ہر ایک شان کے شایاں بنا دیا
بربادیوں نے لوٹ کے سامانِ آرزو
اس عشقِ ہرزہ کار سے ہوتا ہی کیا، مگر
اک اک ادائے عشق کو تاثیرِ حسن نے
ساقی کے فیضِ مست نگاہی کے میں نثار

اس کے لئے تو تنگِ محبت ہی فخر تھا تیرا کرم کہ جان کو جاناں بنا دیا
کس نے غمِ فراق میں بھر کر نشاطِ روح اک محشر تبسمِ پنہاں بنا دیا
آج اُس نظر نے دل سے کیا یوں معافہ سمجھا یہ میں کہ درد کو درماں بنا دیا
ہم بھی ہیں کلمہ گو اُسی کافر نگاہ کے
کافر جگر کو جس نے مسلمان بنا دیا



خالی ز ادا ہائے پریشاں نہیں دیکھا ہم نے کسی آئینے کو حیراں نہیں دیکھا
مذت ہوئی چھیڑے ہوئے افسانہ ہستی اب تک اثرِ خوابِ پریشاں نہیں دیکھا
اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبت
گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا



دارتگی شوق میں جد سے نہ گزر جا ٹھہر، اے جہانِ مصلحتِ عشق! ٹھہر جا
کونین کی ان بھول بھلیوں سے گزر جا اپنی ہی طرف دیکھ ادھر جا، نہ ادھر جا
تقلیدِ صبا اک روشِ عام ہے، اے دل! تو موجِ فنا بن کے ابھر اور ٹھہر جا
مجھ سا کوئی دیوانہ تجھے کون ملے گا؟ آ، اے اجل آ، تو بھی مرے ساتھ ہی مر جا
قاتل کی نگاہوں میں ہے، اک معنیِ پنہاں
اے جانِ بلب آمدہ! کچھ دیر ٹھہر جا



نہ دیکھا، رُخِ بے نقابِ محبت محبت ہے شاید حجابِ محبت
برستا ہے کیفِ شبابِ محبت ہر آنسو ہے جامِ شرابِ محبت
عجب جوش پر ہے شبابِ محبت محبت ہے، مستِ شرابِ محبت
زہے خواب و تعبیرِ خوابِ محبت! محبت ہی نکلی جوابِ محبت
مجھے کیا پڑی ہے ترے در سے اٹھوں ٹھہر نے جو دے، اضطرابِ محبت
دلِ ذرہ ذرہ ہے طورِ تجلی زہے، جلوۂ آفتابِ محبت
سبھی اٹھ گئے دیدہ و دل سے پردے نہ اٹھا، مگر اک حجابِ محبت
لبو کی ہر اک بوندِ دل بن گئی ہے خوشا لذتِ کامیابِ محبت!

حدودِ محبت سے بھی بڑھ گئے ہم
سلامت رہے اضطرابِ محبت



ترے جلووں میں گم ہو کر، خودی سے بے خبر ہو کر
نہ چو نکلے اہل دل تا حشر مست و بے خبر ہو کر
جنونِ بخودی نے کہہ دیا کیا؟ پردہ در ہو کر
بہارِ لالہ و گل، شوخی و برق و شر ہو کر
نگاہِ اہل دل بھی رہ گئی زیر و زبر ہو کر
بھرم کھونا کہیں، اے دل، نہ عشقِ معتبر ہو کر
حجاب اندر حجاب و جلوہ اندر جلوہ کیا کہیے!
یہاں تک جذب کر لوں کاش! تیرے حسنِ کامل کو
اب اس رحمت کے آگے حشر میں کیا ہاتھ پھیلائیں
معاذ اللہ! ان کا کیف و جدائی، معاذ اللہ!
پڑا رہ سبزہ بیگانہ پر تو صورتِ شبنم
کہاں جاتی ہے مل کر، اونگاہِ نازِ بے پروا؟
لطافتِ مانعِ نظارہ صورتِ سہی، لیکن
حریمِ حسنِ معنی ہے، جگر! کاشانہِ اصغر!
جو بیٹھو با ادب ہو کر، تو اٹھو با خبر ہو کر



مجھ سے سنو، مالِ غم انتہائے عشق
اللہ ری یہ شانِ فنا و بقائے عشق!
وہ جانتا ہے اس کو، جو ہے آشنائے عشق
اب کوئی سن سکے تو سنئے ماجرائے عشق
میں سازِ عشق ہوں، مری نظریں صدائے عشق
اب حسنِ آپ جلوہ نما ہے بجائے عشق
ہر ذرہ ہے مقام پر اپنے خدائے عشق
اک اک نظر ہے مطربِ آفت نوائے عشق
دُنیا ئے آب و گل کی ہوا گرم ہو چلی
کھلنے نہ پائے تھے ابھی بندِ قبائے عشق



ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالم کیف
بن گیا عالم ہستی، ہمہ تن عالم کیف
زائد خشک کو سمجھا تھا میں نا محرم کیف
رقص کرتا ہے نگاہوں پہ مری عالم کیف
دیکھئے آج برستی ہے بکھر شبنم کیف
اب جو دیکھی بھی تو کیا انجمن برہم کیف
چھا رہا تھا نگہ شوق پہ جو عالم کیف
محرم کیف ہو کوئی کہ ہونا محرم کیف
پوچھ، اس مست سے اندازہ نشرو دم کیف
تو نہ بنتی اگر، اے جان حزیں محرم کیف
انتہا کیف کی خود بن گئی وجہ رم کیف
حلقہ ہست زصد سلسلہ برہم کیف

ایک دن منظر فطرت ہی بدل دے نہ کہیں
یہ تری مست نگاہی، یہ مرا عالم کیف



یہ تو فریاد کی توہین ہے، فریاد نہیں!
دل گذر گاہ تری ہے، تجھے کیا یاد نہیں
ہے یہ تیری ہی صدا، درد کی فریاد نہیں
دل سے آجائے جوں تک، مری فریاد نہیں
دل ستم ساز ہے خود، تو ستم ایجاد نہیں
دل کی آواز ہے یہ درد کی فریاد نہیں
بیخودی کا ہے یہ عالم کہ خدا یاد نہیں
سچ کہا آپ نے، ہستی تری برباد نہیں!
دل سے کیا کہہ کے چلے تھے، ہمیں کچھ یاد نہیں
خود میں فریاد ہوں میری کوئی فریاد نہیں
سعی برباد ہے جو سعی کہ برباد نہیں
ہستی دل کا ہے احساس، تری یاد نہیں

نالہ پابند نفس، اے دل ناشاد! نہیں
اب یہ کیا بات کہ آباد نہیں، شاد نہیں؟
عشق محروم اثر او ستم ایجاد نہیں
آنکھ کہہ دے جسے وہ عشق کی رُوداد نہیں
تجھ سے، اے دوست کوئی شکوہ بیداد نہیں
نقش بن کر اسے رہنا ہے، سنو یا نہ سنو
دور ہے منزل عرفان خودی، اور یہاں
غم سلامت ہے تو کر لے گا بہت دل پیدا
ہم وہ مدہوش ازل ہیں کہ الہی توبہ!
مری ہستی ہے مری عرض تمنائے دوست!
موت ہے ذوق طلب کے لئے عرفان حصول
مستی غم کا ہے ادراک جسے کہتے ہیں درد

پھونک دے قیدِ تعین کو بھی، اے برقِ جمال! دل ہے آزاد نگاہیں ابھی آزاد نہیں
 آنکھ غافل ہے کہ ہے تشنہ دیدار ہنوز دل ہے آگاہ، کہ تو خود ہے، یہ تری یاد نہیں
 تم نے کیوں انجمنِ ناز میں تیور بدلے؟ دل دھڑکنے کی صدا ہے، کوئی فریاد نہیں
 دیکھنا بیخودی عشق کا اعجاز، جگر
 کہہ رہا ہوں وہ فسانہ، جو مجھے یاد نہیں!



عشق کا پیغامِ مستی، شوق کی روداد ہوں عشق کا پیغامِ مستی، شوق کی روداد ہوں
 ہر نفس سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا ہر نفس سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا
 مائلِ فرزانگی ہے اب مرا ذوقِ بخوں مائلِ فرزانگی ہے اب مرا ذوقِ بخوں
 عشق بے پروا مرا، کافی حقیقت ہے، مری عشق بے پروا مرا، کافی حقیقت ہے، مری
 اور بھی مشقِ فنا سے بڑھ گئی ایذائے فکر اور بھی مشقِ فنا سے بڑھ گئی ایذائے فکر
 میری ہستی جستجو، میری حقیقت احتیاج میری ہستی جستجو، میری حقیقت احتیاج
 کچھ نہیں کھلتا، جگر! رازِ طلسمِ کائنات کچھ نہیں کھلتا، جگر! رازِ طلسمِ کائنات
 مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں میں آباد ہوں مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں میں آباد ہوں



لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو
 منزلِ غم میں کہاں، وقفہِ راحت مجھ کو؟ منزلِ غم میں کہاں، وقفہِ راحت مجھ کو؟
 گر پڑی روحِ تعینِ کدہِ ہستی میں گر پڑی روحِ تعینِ کدہِ ہستی میں
 عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض
 علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم
 برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ



قلزمِ آشامی یک قطرہ بیتاب تو دیکھ قلزمِ آشامی یک قطرہ بیتاب تو دیکھ
 رندِ میخوار وہ ہوں، میکدہِ ہستی میں رندِ میخوار وہ ہوں، میکدہِ ہستی میں
 اڑ چلا ہوں نگہ یار سے شوخی لے کر اڑ چلا ہوں نگہ یار سے شوخی لے کر
 لے لیا کام جو لینا تھا غمِ ہستی نے لے لیا کام جو لینا تھا غمِ ہستی نے

گل ویرانہ کو کیا اہل ہوس سے مطلب؟ نگ ہے، میری پریشانی نکلت مجھ کو
فرد عسیاں کو مری اے عرق شرم نہ دھو اس سے ہوتا ہے کچھ اندازہ رحمت مجھ کو
یوں تو ہونے کو جگر اور بھی ہیں اہل کمال
خاص ہے حضرت اصغر سے ارادت مجھ کو



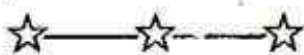
اے وہ! کہ تجھ سے تازہ گلستان آرزو بھر دے گل مراد سے دامن آرزو
اللہ رے، فیض جلوہ تابان آرزو! صبح ازل ہے شام غریبان آرزو
نکلی تڑپ کے آنکھوں سے اک موج بیقرار اب آرزو کہو اسے، یا جان آرزو
قطرے تمام خون شہیداں کے بن گئے نقش و نگار پردہ ایوان آرزو
جنش میں ہیں تمام حروف خط نیاز اللہ رے، فیض شوخی عنوان آرزو!
سب کچھ ہوا، مگر نہ کھلا آج تک یہ راز تم جان آرزو ہو کہ ہم جان آرزو

ہاں، اس طرف بھی اک نگہ نیشتر نواز
کب سے تڑپ رہی ہے رگ جان آرزو



اندازہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ! ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خط پیمانہ
انجام سے بے پروا، آغاز سے بیگانہ پروانے کی دنیا ہے، بیتابی پروانہ
شیشے سے نہ رکھ مطلب، اے ساقی میخانہ! ان مست نگاہوں سے بھر دے میرا پیمانہ
آجائے اگر اپنی ضد پر کوئی دیوانہ! خود گرد پھرے آکر، کعبہ ہو کہ بت خانہ
ادراک ہے ہستی کا، احساس ہے مستی کا ہاں اے نگہ ساقی، اک اور بھی پیمانہ!

ٹکرا دیا شیشوں کو، لڑوا دیا رندوں کو
نچلی نہ کبھی بٹھی، وہ زرگس مستانہ



بے نقاب آج تو یوں جلوہ جاناں ہو جائے جو جہاں پر ہے وہیں بیخود حیراں ہو جائے
واقف سر حقیقت اگر انساں ہو جائے غم سے نزدیک ہو، راحت سے گریزاں ہو جائے
اس کی اک موج تبسم جو نمایاں ہو جائے دل کا ہر ذرہ بے کیف خمستاں ہو جائے
ایک ذرے کا اگر حسن نمایاں ہو جائے آدمی شدت انوار سے حیراں ہو جائے

حُسنِ خود ہونگراں، عشق جو حیراں ہو جائے
 کُفر ہی کا اگر انسان کو عرفاں ہو جائے
 تُم سنا دو کسی پردے پے جو اپنی آواز
 دل ہے گنجینہ اسرار، نگاہیں محدود
 مستی عشق کا افسانہ اگر چھیڑ دوں میں
 عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی، نہ سہی
 اس سے بڑھ کر کوئی دل سوز بھی دُنیا میں نہیں
 یوں بڑھے پائے طلب حُسنِ قدم کی جانب
 عام ہے بیعتِ ساقی، درِ میخانہ ہے باز
 اللہ اللہ! یہ عرفانِ جُوں کی تاثیر

خام سمجھو طلب و شوق کا اعجاز، جگر
 ہر نفسِ عشق میں جب تک نہ رگِ جاں ہو جائے



دل کو کسی کا تابع فرماں بنائیے
 درماں کو درد، درد کو درماں بنائیے
 پھر دل کو محوِ جلوۂ جاناں بنائیے
 پھر کیجئے اسی رُخِ تاباں سے کسبِ نور
 پھر لکھئے خطِ شوق میں بیتابیِ فراق
 پھر پیکرِ حیات میں بھریئے فنا کا رنگ
 منشائے حُسنِ دوست ہے، نکلیں نہ حسرتیں
 آباد اگر نہ دل ہو، تو برباد کیجئے
 ایک اک لہو کی بوند میں بھریئے دردِ عشق
 دل کو اسی نگاہ کے دیجئے سپرد
 اُن کی طرف سے دل پہ جو پڑ جائیں مشکلیں

برقِ جمالِ یار یہ کہتی ہے، اے جگر!
 کون اہلِ ہوش ہے، کسے حیراں بنائیے؟



خود اپنے عکس کو اپنے مقابل دیکھنے والے!
 حقیقت کو حقیقت کے مقابل دیکھنے والے!
 یہ محفل ہے، یہاں ہیں رنگِ محفل دیکھنے والے
 نقوشِ پرتو رنگینیِ دل دیکھنے والے!
 تیرے جلووں کو دیکھیں اور مرے دل کی طرف دیکھیں
 ترے گونچے میں آ کر فخر سمجھے ہیں اسیری کو
 نہ دیکھیں آنکھ اٹھا کر بھی جمالِ شاہدِ مقصد
 تری صورت کا مظہر ہے ترا ہر پرتو رنگیں
 شہادتِ انتقامِ عشق کی صورت بدلتی ہے
 مری ہستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہے منزل سے
 زمین و آسمان کیا ہیں؟ مکان و لامکان کیا ہے؟
 انہیں تہ کی خبر کیا، گوہرِ مقصد کو کیا جانیں؟
 شہیدانِ محبت سے لڑا آنکھیں نہ، اے ناصح!
 ادھر آ، ہر قدم پر حسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں
 مری آتشِ نوالی کا بھی کچھ اندازہ فرمائیں
 انہیں میں کھینچ کر روحِ محبت میں نے بھر دی ہے

مجھے آغوشِ طوفاں ہی جگر، آغوشِ مادر ہے

وہ کوئی اور ہوں گے امنِ ساحل دیکھنے والے



اک حسن کا دریا ہے، اک نور کا طوفاں ہے
 اک سازِ محبت ہی کل عالم! امکاں ہے
 پھر عشقِ بچوں پیشہ یوں سلسلہ جنباں ہے
 تو رازِ محبت کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ!!
 مجھ کو مری عصیاں سے کیا خاک ڈرائے گا
 صدقے ترے ہونٹوں کے، رنگینی و رعنائی!

اس پیکرِ خاکی میں یہ کون خراماں ہے؟
 تو چھپڑ تو دے ظالم، ہر تارِ رگ جاں ہے
 راہیں بھی گریزاں ہیں، منزل بھی گریزاں ہے
 پابندیِ انساں ہی آزادیِ انساں ہے
 زاہد، وہی زاہد جو رحمت سے گریزاں ہے
 اک موجِ تبسم میں گلِ رازِ گلستاں ہے

اک شلبد بیتابی، اک پیکر محبوی
عالم کا تلون کیا، ہستی کا تعین کیا؟
ہر درد میں شامل ہے، ہر سانس میں پنہاں ہے
تو خود جو خراماں ہے، سایہ بھی خراماں ہے
بے ہوشی و ہشیاری، مجبوری و آزادی
جو کچھ ہے محبت میں، احسان ہی احساں ہے
اللہ تجھے رکھے محفوظ حوادث سے! اے کفر! ترے دم تک آرائش ایماں ہے
یہ ثریب عاشق ہے ٹھکرا کے نہ چل، غافل
اس خاک کا ہر ذرہ خورشید بداماں ہے



فطرت نے محبت کی اس طرح بنا ڈالی
ہر ذرے کے پیکر میں اک روح وفا ڈالی
جو قید نظر آئی، اک بار اٹھا ڈالی
اپنی ہی سی کل دنیا عاشق نے بنا ڈالی
اس جلوہ رنگیں کی دیکھے تو کوئی شوخی!
بُت خانے کے پردے میں کعبہ کی بنا ڈالی
بربادِ ستم ہو کر، پامالِ کرم بن کر
میں نے بھی نقاب اپنے چہرے سے اٹھا ڈالی
ہستی جسے کہتے ہیں اک سادہ حقیقت تھی
رنگین نگاہوں نے رنگین بنا ڈالی



عشق میں مقصودِ اصلی کو مقدم کیجئے
ہر طرف بے فائدہ کیوں سعی پیہم کیجئے
شرح و تفصیلات پر یعنی نظر کم کیجئے
تشنگی سے اپنے پیدا بحرِ اعظم کیجئے
عشق کی عظمت نہ ہرگز جیتے جی کم کیجئے
جان دے دیجے مگر آنکھیں نہ پرِ غم کیجئے
اپنی ہستی پر نہ طاری کیجئے کوئی اثر
دور سے نظارہِ حسنِ دو عالم کیجئے
آنسوؤں میں کھینچ لیجے جلوہِ حسنِ ازل
مہر پیدا کیجئے اور غرقِ شبنم کیجئے
بیخودی میں چھڑ دیجے، نغمہ ہائے سازِ دل
پھر انہیں موجوں پہ خود ہی رقصِ پیہم کیجئے



احساسِ عاشقی نے بے گانہ کر دیا ہے
اب کیا اُمید رکھوں، اے حسنِ یار تجھ سے؟
یوں بھی کسی نے اکثر دیوانہ کر دیا ہے
تو نے مُسکرا کر، دیوانہ کر دیا ہے
تجھ سے خدا ہی سمجھے، تو نے کسی کو، اے دل!
مجھ سے بھی کچھ زیادہ دیوانہ کر دیا ہے
پھر اس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں
یادش بخیر! جس نے دیوانہ کر دیا ہے

مجھ کو جنوں سے اپنے شکوہ جو ہے تو یہ ہے میری محبتوں کو افسانہ کر دیا ہے
اے حسن روز افزوں، عمرت دراز باد! دونوں جہاں سے مجھ کو بیگانہ کر دیا ہے
جب دل میں آگیا ہے، اک جنبش نظر نے دیوانہ کہہ دیا، دیوانہ کر دیا ہے
مجھ ہی سے پوچھتے ہیں، یہ شوخیاں تو دیکھو
میرے جگر کو کس نے دیوانہ کر دیا ہے؟



ہم سے رندوں کا زمانے سے جدا میخانہ ہے اک نمود مضرب، اک جوش بیتابانہ ہے
حیرت آباد فنا بھی کیا تجلی خانہ ہے اللہ اللہ! بخودی شوق کی صورت گری
کھینچ کر اک آہ کس نے رکھ دیا جام شراب؟ ہوشیار، اور جان و دل سے چھپنے والے، ہوشیار!
اس کے دل سے پوچھو راز جلوہ بے رنگ حسن فیض ساقی نے مجھے لبریز مستی کر دیا
اس تبسم کے تصدق، اس تجاہل کے ثار! یہ بہار آئی ہوئی، ایسی گھٹا چھائی ہوئی
میں ہوں رند لم یزل اک ساقی بے نام کا کوئی قید ہوشیاری ہے نہ شرط بخودی
جس کا جتنا ظرف ہے، اس سے سوا ملتا نہیں ہر قدم پر ناصح مشفق کی دل سوزی نہ پوچھ
پی کے اک جام شراب شوق آنکھیں کھل گئیں عشق وحدت آشنا و شوق صورت آفریں
آسمان خم ہے، فضائے آسمان پیمانہ ہے عشق دیوانہ سہی، کیا حسن بھی دیوانہ ہے
ہر تصور شمع محفل، ہر نگہ پروانہ ہے ہر قدم پر اس طرف کعبہ، ادھر بت خانہ ہے
دیدنی آج اضطراب ساقی و پیمانہ ہے آج چشم شوق کا انداز بیباکانہ ہے
کعبہ بھی جس کی نظر میں صورت میخانہ ہے ہر نظر جام و سنو ہے، ہر نفس میخانہ ہے
خود ہی مجھ سے پوچھتے ہیں کون یہ دیوانہ ہے جو مے کرتا ہے زاہد، کیا کوئی دیوانہ ہے؟
شش جہت میرے لئے ٹوٹا سا اک پیمانہ ہے تم سمجھ لو جس کو دیوانہ وہی دیوانہ ہے
جلوہ ساقی بقدر ہمت مردانہ ہے آدمی لہجھا ہے، لیکن اک ذرا دیوانہ ہے!
دیکھتا ہوں جس طرف میخانہ ہی میخانہ ہے اک نظر اپنی ہے کعبہ، اک نظر بت خانہ ہے

آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرما دیجئے!

سب یہ کہتے ہیں، جگر دیوانہ ہے دیوانہ ہے



حشر کیا شے ہے مذاقِ حشرِ ساماں چاہیے
مجھ کو اب تیرے سوا سب کچھ پریشاں چاہیے
دل کی خاطر ایک دلِ سادِ شمنِ جاں چاہیے
اب بجائے ہر نگہ تصویرِ جاناں چاہیے
مجھ کو جو کچھ چاہیے بے حد و پایاں چاہیے
کچھ تو بہرِ امتیازِ جان و جاناں چاہیے
ہر نگاہِ مستِ ساقی، ساغرِ ستاں چاہیے
ذوقِ عصیاں چاہیے، عرفانِ عصیاں چاہیے
اب ترا جلوہ گستاں در گستاں چاہیے
اب تجھے کیا، اے حیاتِ فتنہ ساماں، چاہیے
دیکھنے والی نظرِ گلشنِ بداماں چاہیے
آنکھ لگ ہی جائے گی، گہوارہِ جنباں چاہیے
عشق کی تصویر کا ہر رخ نمایاں چاہیے
حسن بے تابِ تجلیِ خود ہے، لیکن، اے جگر !
ایک ہلکا سا حجابِ چشمِ حیراں چاہیے



جو پردہ اٹھاتا ہوں، قاتلِ نظر آتا ہے
بسل ہے وہی جس کو قاتلِ نظر آتا ہے
باطل ہے نظر جب تک باطلِ نظر آتا ہے
ہم خود ہی نہیں رہتے، جب دلِ نظر آتا ہے
اپنا بھی نظر آیا مشکلِ نظر آتا ہے
کیا صورتِ بسل میں قاتلِ نظر آتا ہے
تصویر کا یہ رخ بھی باطلِ نظر آتا ہے

پروردہ طوفاں کو کشتی کی نہیں حاجت
موجوں کے تلاطم میں ساحلِ نظر آتا ہے



ہر گھڑی پیشِ نظر اک تازہ طوفاں چاہیے
ذوقِ برہم چاہیے، شوقِ گریزاں چاہیے
یہ کرم بھی، اے نگاہِ فتنہ ساماں چاہیے
اک جمالِ نو بہ نو طوفاں بہ طوفاں چاہیے
عشق بے قیدِ تصورِ شوق بے قیدِ نظر !
لذتِ باقی کو اے ذوقِ فنا رہنے بھی تو دے
ایک دو چلو میں بجھتی ہے کہیں رندوں کی پیاس ؟
عفو کیسا، جلوہ رحمت بھی نکلے گا یہیں !
آرزو و شوق تو ہیں انجمن در انجمن !
حسن کی کافر نگاہیں، عشق کا معصوم دل
سیرگاہِ عشق میں کانٹے ہی کانٹے ہوں تو ہوں
آرزوئے دل سلامت، دردِ پیہم برقرار
منتشر کر دے فضائے حسن میں ذراتِ دل

یہ جذبِ شہادت کا حاصلِ نظر آتا ہے
عالم مجھے نادیدہ بسلِ نظر آتا ہے !
تصدیقِ حقیقت بھی محتاجِ حقیقت ہے
اس جانِ تمنا کا کس طرح پتا پوچھیں !
اب اس رخِ رنگیں کے جلووں کو تو کیا کہئے
ہر سمت سے مقتل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں ؟
ہستی کے عدم پر بھی شک ہے ترے مستوں کو

فکر منزل ہے نہ ہوشِ جادہ منزل مجھے
اب زباں بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے
یوں تڑپ کر دل نے تڑپا سر محفل مجھے
اب کدھر جاؤں، بتا اے جذبہِ کامل، مجھے
روک سکتی ہو تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے
جان دے کر حشر تک میں ہوں، مری تنہائیاں
ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردنِ تسلیم خم
جا بھی اے ناصح! کہاں سودا اور کیسا زیاں؟
میں ازل سے صبحِ محشر تک فروزاں ہی رہا
خونِ دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس وہم سے
کیسا قطرہ؟ کیسا دریا، کس کا طوفاں کیسی موج؟
بھونک دے لے غیرتِ سوزِ محبت لہو تک دے
توڑ کر بیٹھا ہوں راہِ شوق میں پائے طلب
اے ہجومِ نا اُمیدی! شاد باش و زندہ باش!
دردِ محرومی سہی، احساسِ ناکامی سہی

یہ بھی کیا منظر ہے، بڑھتے ہیں نہ ہتے ہیں قدم
تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں، منزل مجھے



اکے بے نام جو اس دل کے پیمانے میں ہے
پوچھنا کیا، کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
یوں تو ساقی، ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
ایک ایسا زار بھی دل کے نہاں خانے میں ہے
یادِ لیتا ہے کہ جب تھا ہر نفس اک زندگی!
ایک کیفِ نا تمام درد کی لذت ہی کیا؟
غرق کر دے جھکو زاہد! تیری دنیا کو خراب
پھر نقاب اس نے الٹ کر زورِ تازہ بھونک دی

وہ کسی شیشے میں ہے، ساقی، نہ میخانے میں ہے
سب الٹ دے ساقی! جتنی بھی میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جوان آنکھوں کے پیمانے میں ہے
لطفِ جس کا کچھ سمجھنے میں نہ سمجھانے میں ہے
زندگی اب ہر نفس کے ساتھ مرجانے میں ہے
درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے
کم سے کم اتنی تو ہرے کش کے پیمانے میں ہے
اب نہ کعبے میں ہے سناٹا، نہ بت خانے میں ہے

منتشر کر دے اسے بھی حُسن بے پایاں کے ساتھ زندگی شیرازہ دل کے بکھر جانے میں ہے
 پی بھی جا زائد! خدا کا نام لے کر پی بھی جا بادہ کوثر کی بھی اک موج پیمانے میں ہے
 شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست آج پینے کا مزا پی کر بہک جانے میں ہے
 بے تحاشہ پی رہے ہیں کب سے زندانِ الست آج بھی اتنی ہی مے ہر دل کے پیمانے میں ہے
 حُسن کی اک اک ادا پر جان و دل صدقے، مگر
 لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے



عشق نے توڑی سر پہ قیامت، روزِ قیامت کیا کہیے؟
 سننے والا کوئی نہیں، رُودادِ محبت کیا کہیے؟
 دل ہے کسی کا رازِ حقیقت، رازِ حقیقت کیا کہیے؟
 حیرتِ جلوہ مُہر بہ لب ہے، جلوہ حیرت کیا کہیے؟
 جب سے اُس نے پھیر لی نظریں، رنگِ تباہی، آجانہ پوچھ!
 سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیا کہیے؟
 ایک تجلی، ایک تبسم، ایک نگاہِ بندہ نواز
 اس سے زیادہ، اے غمِ جاناں! دل کی قیمت کیا کہیے؟
 شیشہ دل وہ ہستی نازک ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا
 اس پہ کسی کے تیر ستم کی مشقِ سیاست کیا کہیے؟



ذرہ ذرہ دیدہ و دل ہے، گوشہ گوشہ بستی ہے
 عشق ہے جب تک سلسلہ جنباں، دل کی ہستی ہستی ہے
 جینے تک ہیں ہوش کے جلوے، آگے ہوش کی مستی ہے
 موت سے ڈرنا کیا معنی، موت بھی جُورِ ہستی ہے
 معنی صورت، صورتِ معنی، فکر و نظر کے دھوکے ہیں
 فکر و نظر تک ہی رہ جانا، فکر و نظر کی پستی ہے
 چشمِ حُسن و عشقِ مبارک، دیدہ و دل خرم و شاد
 حشر تک اب یہ بحث سلامت کس کی کہاں تک ہستی ہے



نالہ بے قرار کون کرے؟ حسن کو شرم سار کون کرے؟
 ہوش کی مستیاں، ارے توبہ! ہوش کو ہوشیار کون کرے؟
 عشق سے اعتماد کے قابل حسن کا اعتبار کون کرے؟
 ہمیں بن جائیں کیوں نہ صورت یار دل کو پابند یار کون کرے؟
 جان و دل پر نہیں رہا قابو جان و دل اب ثار کون کرے؟
 سوئے صحرا نکل چلے وحشی
 انتظار بہار کون کرے؟



لازم ہے کچھ تو خاطر دلدار کے لئے دنیا سمیٹ لوں نگہ یار کے لئے
 بے ہوش کے لئے ہیں، نہ ہشیار کے لئے جلوے ہیں خاص چشم گہر بار کے لئے
 ہم سے نہ پوچھ شورشِ درماندگی کا راز جیتے ہیں اک نگاہِ طرف دار کے لئے
 اُن کی حریمِ خاص میں جلوؤں کا ذکر کیا؟ وہ خود ہیں اپنے طالبِ دیدار کے لئے
 دل تک خیالِ غیر بھی لانا روا نہیں مخصوص ہے یہ جام لبِ یار کے لئے
 آساں نہیں معاملہ جلوہ و نظر
 چشمِ کلیم چاہیے دیدار کے لئے



جو جہنم میں بھی فردوسِ بداماں ہوں گے دیکھ لینا وہ ہمیں سوختہ ساماں ہوں گے
 ایک در پردہ کشاکش سے پریشاں ہوں گے خود کو جتنا وہ چھپائیں گے، نمایاں ہوں گے
 نہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہوں گے جن پہ تیرے ستمِ خاص کے احساں ہوں گے
 وہ جدھر تاز سے بے پردہ خراماں ہوں گے ذرے سب جامِ بکف، مست و غزلخواں ہوں گے
 جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہوں گے ہم تو ہم، بُت بھی کسی روز مسلمان ہوں گے
 میری حیرت کی قسم! آپ اٹھائیں تو نقاب میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے
 میں چھیپاتا ترے اسرارِ محبتِ ظالم! کیا خبر تھی، مری رگ رگ سے نمایاں ہوں گے
 حسن تک دیکھ لیں سب حسن کے جلوؤں کی بہار مجھ تک آئے تو مرا حالِ پریشاں ہوں گے
 نغمہٗ بربطِ غم، کیفِ اثر، شورشِ جاں انہیں پردوں سے کسی دن وہ نمایاں ہوں گے
 لطفِ آزادیِ زندانِ بلا کیا کہیے! اب جو چھوٹے تو اسیرِ غمِ زنداں ہوں گے
 تجھ کو گلشن کی قسم چھیڑ نہ اے بادِ سحر! کھل گئی غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہوں گے

حُسن بے قید سہی، عشق بھی محدود نہیں مجھ کو پائیں گے، جہاں تک وہ نمایاں ہوں گے
 شعلہ سامانی غم پر نہ کرو ناز، جگر
 تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہوں گے



کوئی نہ گھر ہے اپنا، کوئی نہ آستاں ہے
 تو سامنے ہے، پھر بھی بتلا کہ تو کہاں ہے
 میں اپنی اس نظر کی رعنائیوں کے صدقے
 میں عشق ہوں مکمل میں شوق ہوں مسلسل
 سب نذر حُسن کر کے بیٹھا ہے عشق رُسوا
 میں کس کے سامنے اب اپنی جبین جھکاؤں؟
 ہر شاخ ہے نشیمن، ہر پھول آشیان ہے
 کس طرح تجھ کو دیکھوں، نظارہ درمیاں ہے
 جو شکل ہے حسیں ہے، دوشیزہ ہے، جواں ہے
 گویا تمام عالم میری ہی داستاں ہے
 کوئی نہ راز ہے اب، کوئی نہ راز داں ہے
 میری جبین نہیں ہے، تیرا ہی آستاں ہے

رنگین ہیں فضا میں، جاری ہیں اشکِ خونین
 افسانہ حُسن کا ہے اور عشق کی زباں ہے



پارہ ہائے جگر

زبانِ شوق سے شکرِ وصال ہو نہ سکا وہ حال تھا کہ کچھ احساسِ حال ہو نہ سکا
نگاہِ شوق نے بدلے ہزارہا منظر مرے لئے کوئی شایانِ حال ہو نہ سکا



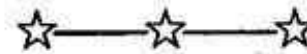
ستمِ کشوں نے نہ سمجھا کمالِ حیرت میں چھپے ہوئے تھے وہ خود پردہٴ محبت میں
اگر نہیں پس پردہ کوئی حقیقت میں یہ کون بول رہا ہے طلسمِ صورت میں؟
جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت میں نظر کا بن گئے پردہٴ نظر کی صورت میں



آنکھوں کے سامنے اب منزل رہی نہ راہیں جلوؤں نے ترے مل کر سب لوٹ لی نگاہیں
سینے سے حُسن نے خور لپٹا لیا تڑپ کر! فریاد بن کے اُنھیں آج اس طرح نگاہیں
اک بزمِ ناز میں چل، زاہد، تجھے دکھا دوں مینا بدوش آنکھیں، ساغر بکف نگاہیں



دوستِ الفت نہ کریں، غیرِ عداوت نہ کریں میں کہیں کا نہ رہوں وہ جو عنایت نہ کریں
وقت آئے تو ہمیں جان بھی کر دیں گے فدا کیا یہ ممکن ہے، تیرے نام کی عزت نہ کریں؟



یہ بھی گر اک جلوۂ جانا نہ ہو! میری محرومی عجب افسانہ ہو!



یہ حاصلِ سرمایۂ عرفاں طلبی ہے یعنی ہوشِ دید خود اک بے ادبی ہے
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے



حُسن میں جب تک کہ یہ شانِ خود آرائی نہ تھی عشق میں مستی تھی لیکن خُئے رسوائی نہ تھی



یہ کس نے منتشر کر دیں جُوں سامانیاں میری؟

زمیں سے آسمان تک ایک میں ہوں یا فغاں میری



راس آئی مجھ کو حیرانی مری اب وہ کرتے ہیں نگہبانی مری
ہو گیا سیراب باغِ آرزو اللہ اللہ! شبنم افشانی مری



وارداتِ جگر

(دورِ چہارم)

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا
ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو، محشر میں کیا ہوگا
سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا!
جہنم ہو کہ جنت، جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا
ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
یہ نسبتِ عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
اسی امید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں!
نگاہِ قہر پر بھی جانِ دوں، سب کھوئے بیٹھا ہے
یہ مانا بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں
سمجھتا کیا ہے تو دیوا نگانِ عشق کو، زاہد!

جگر کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرت

شکایت ہو کہ شکوہ، جو بھی ہوگا، بر ملا ہوگا



عشق کو بے نقاب ہونا تھا آپ اپنا جواب ہونا تھا
مست جامِ شراب ہونا تھا (قطعہ) بے خود اضطراب ہونا تھا
تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں ہاں، مجھ کو خراب ہونا تھا
آؤ، مل جاؤ، مسکرا کے گلے ہو چکا، جو عتاب ہونا تھا
کوچہٴ عشق میں نکل آیا! جس کو خانہٴ خراب ہونا تھا

۱۔ میں اس پابندی کا مخالف ہوں کہ قطعہ کو مطلع سے شروع نہ ہونا چاہئے (جگر)

مست جام شراب خاک ہوئے غرق جام شراب ہوتا تھا
 دل کہ جس پر ہیں نقشِ رنگا رنگ اُس کو سادہ کتاب ہوتا تھا
 ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا آخرش کامیاب ہوتا تھا
 ہائے وہ لمحے سکوں کہ جسے مٹھر اضطراب ہوتا تھا
 نگہ یار خود تڑپ اٹھتی شرطِ اوّل خراب ہوتا تھا
 کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں کرم بے حساب ہوتا تھا
 کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی موجِ صد اضطراب ہوتا تھا
 ہو چکا روزِ اوّل میں ہی، جگر !
 جس کو جتنا خراب ہوتا تھا



ایک رنگیں نقاب نے مارا حُسن بن کر حجاب نے مارا
 جلوۂ آفتاب کیا کہے! سایۂ آفتاب نے مارا
 اپنے سینے ہی پر پڑا اکثر تیر جو اضطراب نے مارا
 نگہ شوق و دعویٰ دیدار اس حجاب الحجاب نے مارا
 ہم نے مرتے تیرے تغافل سے پُرسش بے حساب نے مارا
 لذت دید بے جمال، نہ پوچھا! دردِ بے اضطراب نے مارا
 چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا اس ادائے حجاب نے مارا
 حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو مرگِ ناکامیاب نے مارا
 پاتے ہی اک اشارۂ نازک دم نہ پھر اضطراب نے مارا
 دل کہ تھا جانِ زیت، آہ! جگر !
 اسی خانہ خراب نے مارا



ستم کامیاب نے مارا کرم لا جواب نے مارا
 خود ہوئی گم، ہمیں بھی کھو بیٹھی نگہ بازیاب نے مارا
 زندگی تھی حجاب کے دم تک برہمی حجاب نے مارا
 عشق کے ہر سکونِ آخر کو حُسن کے اضطراب نے مارا
 خود نظر بن گئے حجابِ نظر ہائے اس بے حجاب نے مارا
 میں تیرا عکس ہوں کہ تو میرا اس سوال و جواب نے مارا

کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں تیر کیا اضطراب نے مارا
 بچ رہا جو تیری تجلی سے اس کو تیرے حجاب نے مارا
 اب نظر کو کہیں قرار نہیں کاوش انتخاب نے مارا
 سب کو مارا جگر کے شعروں نے
 اور جگر کو شراب نے مارا



شورشِ کائنات نے مارا موت بن کر حیات نے مارا
 پرتوِ حسنِ ذات نے مارا مجھ کو میری صفات نے مارا
 ستمِ یار کی دہائی ہے نگہِ التفات نے مارا
 میں تھا رازِ حیات اور مجھے میرے رازِ حیات نے مارا
 ستمِ زیتِ آفریں کی قسم! خطرۂ التفات نے مارا
 موت کیا؟ ایک لفظ بے معنی جس کو مارا، حیات نے مارا
 جو پڑی دل پہ، سہ گئے، لیکن ایک نازک سی بات نے مارا
 شکوۂ موت کیا کریں کہ جگر
 آرزوئے حیات نے مارا



عاشق کو غمِ عشق کے آزار نے مارا ایک یار کو اک یارِ وفا دار نے مارا
 تو نے نہ اٹھا یا رُخِ نادیدہ سے پردہ دنیا کو تری حسرتِ دیدار نے مارا
 ہاں اسے لبِ جاں بخش! دہائی ہے دہائی انکار سے بڑھ کر ترے اقرار نے مارا
 ہونے کو تو ہر مرگِ محبت ہے مبارک اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا
 کیا اُس کی محبت کا ٹھکانا کہ جسے آہ انکارِ محبت کے بھی اقرار نے مارا
 کچھ کہہ تو گیا، برقی غضب نے جسے بھونکا اُف کر نہ سکا، جس کو ترے پیار نے مارا
 دونوں ہی جفا جو ہیں، جگر، عشق ہو یا حسن
 اک یار نے لوٹا، مجھے اک یار نے مارا



عشق کی یہ نمودِ پیہم کیا؟ ہو تمہیں تم اگر، تو پھر ہم کیا؟
 آہ بیتاب و اشکِ پیہم کیا؟ نقدِ غم ہے تو حاصلِ غم کیا؟

مجھ ترے کچھ نظر نہیں آتا آرزو بن گئی مجھم کیا!
 ترا ملنا، ترا نہیں ملنا اور جنت ہے کیا؟ جہنم کیا؟
 میں وہاں ہوں جہاں نہیں میں بھی عالم ماورائے عالم کیا؟
 ہم ہیں تیرے، ودیعتیں تیری شکرِ راحت، شکستِ غم کیا؟
 ان نگاہوں کے سب کرشمے ہیں ورنہ یہ اضطراب پیہم کیا؟
 کر لیا دل نے عیشِ وصل قبول پا گیا کچھ شبہاتِ غم کیا!
 نیتِ شبِ بخیر، اے سیاقی! بزمِ جسم کیا ہے، ساغرِ جم کیا؟
 شوقِ گستاخ کر چکا تقصیر دیکھتا اب ہے حسنِ برہم کیا؟
 موت کی نیند چھائی جاتی ہے کہہ چکا ہوں فسانہِ غم کیا؟
 ہمہ تن عشقِ بر ملا بن جا درد کی اک صدائے مہم کیا؟
 اس نظر میں نہیں سماتا کچھ جان بیتاب و چشمِ پر غم کیا؟

عشقِ خاموش کے مرے ہیں جگر
 جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا؟



کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا دل کچھ اس صورت سے تڑپا، اُن کو پیار آ ہی گیا
 جب نگاہیں اٹھ گئیں، اللہ رے معراجِ شوق! دیکھتا کیا ہوں، وہ جانِ انتظار آ ہی گیا
 ہائے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو میں یہ سمجھا، جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا
 ہاں سزا دے، اے خدائے عشق، اے توفیقِ غم! پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا
 اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدہِ فردا پہ میں در حقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا
 ہائے، کافرِ دل کی یہ کافرِ جُلوں انگیزیاں! تم کو پیار آئے نہ آئے، مجھ کو پیار آ ہی گیا
 درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے دفعتاً پردہ اٹھا اور پردہ دار آ ہی گیا
 دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آ ہی گیا

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
 عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا



کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا
 حُسن سے بھی دل کو بے پروا کیا
 تُو نے سو سو رنگ سے پروا کیا
 وہ بھی نکلی اک شعاع برقِ حُسن
 لذتِ ناکامیابی، الاماں!
 اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار
 اُن کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی
 مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں
 میں نے صحرا کو جگر صحرا کیا



دل نے سینے میں تڑپ کر انہیں جب یاد کیا
 وصل سے شاد کیا، ہجر سے ناشاد کیا
 تم میرے رونے پہ روئے، ستم ایجاد کیا
 صبر دو دن نہ ہوا، روئے، بہت یاد کیا
 لاکھ جانیں ہوں تو پھر اُن پہ تصدق کردوں
 کیا طریقہ ہے یہ صیاد کا، اللہ اللہ!
 ہم کو دیکھ او غمِ فرقت کے نہ سننے والے
 اور کیا چاہئے سرمایہ تسکین، اے دوست!
 شرحِ نیرنگی اسباب کہاں تک کیجئے؟
 پردہ شوق سے اک برق تڑپ کر نکلی
 مہرباں ہم پہ رہی چشمِ سخن گو اُن کی
 دل کا کیا حال کہوں، جوشِ جنوں کے ہاتھوں
 اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رسوا
 عشق کیوں سوگ مناتا، یہ خوشی کیا کم ہے؟
 بد دُعا تھی کہ دُعا، کچھ نہیں گھٹتا، لیکن

در و دیوار کو آمادہ فریاد کیا
 اُس نے جس طرح سے چاہا، مجھے برباد کیا
 عشق کی رُوح کو آمادہ فریاد کیا
 اب نہ کہنا یہ زباں سے، تجھے آزاد کیا
 وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اسے برباد کیا
 ایک کو قید کیا، ایک کو آزاد کیا
 اس بُرے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا
 اک نظروں ڈ کی طرف دیکھ لیا، شاد کیا
 مختصر یہ کہ ہمیں آپ نے برباد کیا
 یاد کرنے کی طرح سے انہیں جب یاد کیا
 جب ملی آنکھ، نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا
 اک گھروند سا بنایا، کبھی، برباد کیا
 شاید ان مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا
 دل یہ جس کا تھا، اُسی نے اُسے برباد کیا
 چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا



اُس کی نظروں میں انتخاب ہوا
 عشق کا سحر کامیاب ہوا
 ہر نفس موج اضطراب ہوا
 جذبہ شوق کامیاب ہوا
 میں بنوں کس لئے نہ مست شراب
 نگہ ناز! لے خبر، ورنہ
 میری بربادیاں درست، مگر
 عین قربت بھی، عین فرقت بھی
 مستیاں ہر طرف ہیں آوارہ
 دل کو چھونا نہ اسے نسیم کرم!
 عشق بے امتیاز کے ہاتھوں
 جب وہ آئے تو پیشتر سب سے
 دل کی ہر چیز جگمگا اٹھی!
 دور ہنگامہ نشاط نہ پوچھ
 تُو نے جس اشک پر نظر ڈالی
 ستم خاص یار ہی کی قسم
 کرم یار بے حساب ہوا



عرضِ نیازِ غم کو لب آشنا نہ کرنا
 جب یاد آ گیا ہے، پہروں رُلا گیا ہے
 میں خوگرِ ستم ہوں، پروردہ الم ہوں
 دل جب سے مر مٹا ہے، کچھ اور ہی فضا ہے
 کوئی سمجھ سکے تو کم بخت دل سے سمجھے
 دل سے خطا ہوئی تو اب دل ہے اور میں ہوں
 یہ رازِ عشق اے دل! ہے رازِ خاص اُن کا
 یا رب! غمِ محبت سب بخش دے مجھی کو
 جتنی ضدیں ہیں اے دل! تُو شوق سے کئے جا
 یہ بھی اک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا
 دل کا وہ مجھ سے کہنا، مجھ کو جدا نہ کرنا
 جور و جفا کے مالک، مہر و وفا نہ کرنا
 میری یہ التجا ہے، تم سامنا نہ کرنا
 دل میں بھی اس کے رہنا، پھر دل میں جانہ کرنا
 نازک معاملہ ہے، تم فیصلہ نہ کرنا
 وہ بھی جو تجھ سے پوچھیں، تو اعتنا نہ کرنا
 میرے سوا کسی کو اب مُبتلا نہ کرنا
 مجھ کو بھی تاقیامت تیرا کہا نہ کرنا

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا

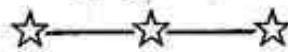


میرا جو حال ہو سو ہو، برقِ نظر گرائے جا
دل کے ہر ایک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا
لحظہ بہ لحظہ، دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا
جتنی بھی آج پی سکوں، عذر نہ کر، پلائے جا
لطف سے ہو کہ قہر سے، ہو گا کبھی تو روبرو
عشق کو مطمئن نہ رکھ حسن کے اعتماد پر
وہ تجھے آزما چکا، تو اُسے آزمائے جا



کیا کر گیا اک جلوہ مستانہ کسی کا
کہتا ہے سرِ حشر یہ دیوانہ کسی کا
آپ میں اُبھتے ہیں عبث شیخ و برہمن
جس کی نگہ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں
بے ساختہ آج اُن کے بھی آنسو نکل آئے
ہر دل میں غمِ عشق ہے، اقرار در اقرار
یوں عام نہ کر کیفِ غمِ عشق کو، اے دل!

اس کو بھی جگر دیکھ لیا خاک میں ملتے
وہ اشک جو تھا گوہر یک دانہ کسی کا



جو اب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا
نگاہوں سے چھپ کر کہاں جائیے گا؟
مرا جب بُرا حال سن پائیے گا
مٹا کر ہمیں آپ پچھائیے گا
نہیں کھیل نا صبح! جنوں کی حقیقت
ہمیں بھی یہ اب دیکھنا ہے کہ ہم پر
تو بس ہاتھ ملتے ہی رہ جائیے گا
جہاں جائیے گا، ہمیں پائیے گا
خراں خراں چلے آئیے گا
کمی کوئی محسوس فرمائیے گا
سمجھ لیجئے گا تو سمجھائیے گا
کہاں تک توجہ نہ فرمائیے گا؟

ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں یہ دل ہے، اسے دل ہی بس رہنے دیجئے
 تڑپ جائے گا، جو تڑپائے گا کرم کیجئے کا تو پچھتائے گا
 نہ فرمائے گا، تو فرمائے گا مگر شرط یہ ہے، نہ یاد آئے گا
 ان آنکھوں میں آنسو نہ بھر لائے گا ذرا پھر تو ارشاد فرمائے گا
 کسے دیکھ کر آپ شرمائے گا؟ یہ مانا کہ دے کر ہمیں رنجِ فرقت (قطعہ)
 مدوائے فرقت نہ فرمائے گا محبت محبت ہی رہتی ہے، لیکن کہاں تک طبیعت کو بہلائے گا؟
 نہ ہو گا ہمارا ہی آغوش خالی کچھ اپنا بھی پہلو تہی پائے گا
 جنوں کی جگر! کوئی حد بھی ہے آخر
 کہاں تک کسی پر ستم ڈھائے گا؟



نظر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا
 شکستِ حسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا
 دہائی ہے، میرے اللہ کی دہائی ہے
 سلام اس پہ کہ جس نے اٹھا کے پردہ دل
 انہیں کے دل سے کوئی اس کی عظمتیں پوچھے
 یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار
 خوشا، وہ جان، جسے دی گئی امانتِ عشق!
 نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے
 بڑے وہ آئے دل و جاں کے لوٹنے والے
 رہا خرابِ محبت ہی وہ جسے تُو نے
 کہی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا
 کرشمہ سازی، حسنِ ازل، ارے توبہ
 نظر ہٹی تھی کہ پھر مسکرا کے لوٹ لیا
 نگاہ نیچی کئے، سر اٹھکا کے لوٹ لیا
 کسی نے مجھ سے بھی مجھ کو چھپا کے لوٹ لیا
 مجھی میں رہ کے، مجھی میں سما کے لوٹ لیا
 وہ اک دل، جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا
 وہ اور ہوں گے، جنہیں مسکرا کے لوٹ لیا
 زہے وہ دل، جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا
 اسے بھی حسنِ مجسم بنا کے لوٹ لیا
 نظر سے چھوڑ دیا، گدگدا کے لوٹ لیا
 خود اپنا دردِ محبت بنا کے لوٹ لیا
 تمام ہستی دل کو جگا کے لوٹ لیا
 مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا

نہ لٹتے ہم، مگر ان مست آنکھریوں نے، جگر
نظر بچاتے ہوئے، ڈبڈبا کے لوٹ لیا



نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
نگاہ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ لیا
نہ پوچھ شومئی تقدیر خانہ بربادی!
کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ
قسم ہے، تیری پشیمان نگاہیوں کی قسم!
وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ انہیں
قریب دل ہی یکا یک اٹھے تھے کچھ فتنے
وہ ایک قطرہٴ نون، بچ رہا تھا جو دل میں
وہی ہے لے وہی انداز ہے، وہی آواز
یہی وہ حضرتِ دل ہیں، یہی وہ خضرِ جنہیں
دلِ تباہ کی رُوداد، اور کیا کہیے!
زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق

نہ اب خودی کا پتہ ہے، نہ بے خودی کا جگر
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا



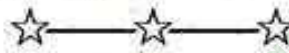
اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس!
عشق جب تک نہ کر چکے رسوا
لوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق
وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب
ہائے کیا ہو گیا طبیعت کو؟
دل ہمارا ہے، یا تمہارا ہے
جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی
میں کہ بیزارِ غم بھر کے لئے
وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں
دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے!

درد ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا
آدنی کام کا نہیں ہوتا
بیشتر دیرپا نہیں ہوتا
باسوا، ماسوا نہیں ہوتا
غم بھی راحت فرا نہیں ہوتا
ہم سے یہ فیصلہ نہیں ہوتا
اس کی جانب خدا نہیں ہوتا
دل کہ دم بھر خدا نہیں ہوتا
جب ہمارا پتہ نہیں ہوتا
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

ہو کے اک بار سامنا اُن سے
پھر کبھی سامنا نہیں ہوتا!



شبابِ حُسن کا، حُسنِ شباب دیکھ لیا
کہاں تک اب تری باتوں پہ اعتماد کریں
جو ہم نہیں، نہ سہی، کامیاب غم، غمِ یار
کہیں نہ ہم، تو یہ ہے اپنی مصلحت، ورنہ
یہی بہت ہے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے
اچھال اچھال کے جامِ شراب دیکھ لیا
بہت تو اے دل خانہ خراب دیکھ لیا
تجھے تو اپنی جگہ کامیاب دیکھ لیا
ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا
خراب عشق کو اپنے خراب دیکھ لیا
غمِ نشاط و سرورِ الم، نہ پوچھ جگر
کبھی جب اُس نے بہ چشمِ پر آب دیکھ لیا



ہر دم دہائیں دینا، ہر لحظہ آئیں بھرنا
ہاں کس کو ہے میسر، یہ کام کر گذرنا
تیری عنایتوں سے مجھ کو بھی آچلا ہے
ساحل کے لب سے پوچھو، دیا کے دل سے پوچھو
جو زیست کو نہ سمجھیں، جو موت کو نہ جانیں
اے شوق تیرے صدقے پہنچا دیا کہاں تک
ہر ذرہ آہ جس کا لبریز تشنگی ہے
دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں
رگینیاں نہیں تو رعنائیاں بھی کیسی؟
اشکوں کو بھی یہ جرات، اللہ رے تیری قدرت!
اے جانِ ناز! آجا آنکھوں کی رہ سے دل میں
ہم بخود انا غم سے یہ راز کوئی سیکھے
کچھ آچلی ہے آہٹ اس پائے ناز کی سی

خونِ جگر کا حاصل اک شعرِ تر کی صورت
اپنا ہی عکس، جس میں اپنا ہی رنگ بھرنا



شمسِ حسن و عشق کا بسمل بنا دیا
 ہر جہت نگاہ پہ مائل بنا دیا
 آج اک حسیں نے رشک کے قابل بنا دیا
 قاتل نگاہ ناز نے بسمل بنا دیا
 نازک مزاجِ عشق کی اللہ ری خاطریں!
 ان شاعرانِ دہر پہ ہو عشق کی ہی مار!
 دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے حسن کا
 دونوں جہاں تو اپنی جگہ پر ہیں برقرار
 کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا



اس چشمِ مست نے مجھے مخمور کر دیا
 میں ان کا ہو گیا، انہیں مسرور کر دیا
 سرشار و مست، بے خود و مسحور کر دیا
 اک وہم اعتبار سہی دو جہاں، مگر
 ہشیار، او نگاہِ ستم آشنائے دوست!
 وہ اور نازِ عشق گوارا کریں، مگر
 اب حسن کو بھی آنچ سے اس کی مفر نہیں
 یہ عشق وہ بلا ہے کہ حسنِ ازل کو بھی
 اُن کو بھی نازِ فتح اگر ہو، تو بات ہے
 فیضِ جمالِ دوست کے قربان جائے
 مدت کے بعد آج تو موجِ نسیم نے
 حسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے، مگر
 توبہ تو کر چکا تھا، مگر اس کا کیا علاج
 واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا

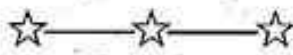


اب کہاں زمانے میں دُوسرا جواب اُن کا؟
 فصلِ حسن ہے اُن کی، موسمِ شباب اُن کا
 اوج پر جمال اُن کا، جوش پر شباب اُن کا
 عہدِ ماہتاب اُن کا، دورِ آفتاب اُن کا

خاص اک ادا کے ساتھ اُف وہ پھر حجاب اُن کا
عشق فرش بزم اُن کا حُسن فرش خواب اُن کا
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالم پر آب اُن کا
ہائے وہ رُخ خنداں، اُف رے وہ شباب اُن کا
اک نفس سوال اپنا، اک نفس جواب اُن کا
شوق نارسا اپنا، ناز کامیاب اُن کا
جاں کہ ہے صدا اُن کی، دل کہ ہے رُباب اُن کا
چھپ سکا چھپائے سے کیا کہیں شباب اُن کا
ہم نے حال دیکھا ہے بیشتر خراب اُن کا
عشق آپ آڑ اپنی، حُسن خود حجاب اُن کا
ہر سکون کے پردے میں حشر اضطراب اُن کا
ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشہ نقاب اُن کا
نیم واسی آنکھوں میں اُف وہ کیف خواب اُن کا
رہ گئے وہ تو ”اُونھ“ کر کے، سن لیا جواب اُن کا
نام تو نہ کر رُسا، خانماں خراب، اُن کا

تو جگر سے مستوں پر طعن نہ کراے واعظ!

تو غریب کیا جانے مسلک شراب اُن کا

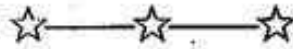


اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا
دنیا میں ترا نقش کف پا نہ رہے گا
پردہ جو گرا دوں گے تو پردا نہ رہے گا
کہتے ہیں جسے دل، کبھی تنہا نہ رہے گا
آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا
کیا آج بھی شغل سے دینا نہ رہے گا

تم اس دل وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا
مٹ جائے گی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت
بے پردگی حُسن سے ہیں سب یہ حجابات
وہ لاکھ مٹاتے رہیں دُنیا ئے تمنا
مانا لب نازک کو وہ تکلیف نہ دیں گے
اللہ! یہ ساون کی گھٹائیں، یہ ہوائیں

۱۔ میں تشبیہات و استعارات کو بالطبع پسند نہیں کرتا اور ان چیزوں کی بہتات کو مجرطع کی دلیل سمجھتا ہوں۔ تاہم کہیں کہیں بے اختیارانہ اس طرح کے اشعار بھی کہہ گیا ہوں۔ لیکن اکثر خاص قسم کی عذرت اور جذبات کے ساتھ۔ (جگر)

اسی چمن میں ہمارا بھی اک زمانہ تھا
 الٰہی توبہ! میں اس جذبِ دل سے باز آیا
 شباب و عشق کا اپنا بھی اک زمانہ تھا
 خوشا وہ دور کہ جب عشق ہی زمانہ تھا
 تمہیں گزر گئے دامن بچا کے، ورنہ یہاں
 چمن چمن تھامری چشمِ شوق میں جب تک
 کہاں کے حُسن و محبت، کہاں کے مہر و وفا
 مٹا مٹا سہی ظالم! وہ دل تھا میرا دل
 نصیب اب تو نہیں شاخ بھی نشیمن کی
 کہاں کا واقعہ، اتنا تو یاد ہے اب تک
 نظر نے اور کیا کیا، حُصولِ غم کے سوا
 تری قسم، ارے او جلد روٹھنے والے!
 بھلا دیا ہمیں تو نے، تو رنج کیا، لیکن
 سمدِ عشق کہاں، سیر گاہِ شوق کہاں
 کہ ہر نفس رہ منزل میں تازیانہ تھا



ہر اک جان و تن میں سماتا چلا جا
 مے شوق پیتا، پلاتا چلا جا
 قدم والہانہ بڑھاتا چلا جا
 نہیں یہ کہ بچتا بچاتا چلا جا
 مبارک یہ عزمِ سفر تجھ کو، لیکن
 شبابِ محبت کو خود لوثا چلا جا
 ترے ہر نفس میں ہزار آندھیاں ہیں
 محبت کے دریا کا طوفان بن کر
 قیودِ دو عالم سے آزاد ہو کر
 زمانہ کے ہم دوش و ہم راہ کب تک

محبت کی بستی بساتا چلا جا
 یونہی لوثا چلا جا
 جدھر سے گذر، مُسکراتا چلا جا
 محبت کی ہر چوٹ کھاتا چلا جا
 زلاتا اٹھا ہے، ہنساتا چلا جا
 شبابِ محبت لٹاتا چلا جا
 انہیں آندھیوں کو اٹھاتا چلا جا
 خس و خوار کو بھی بہاتا چلا جا
 حدودِ محبت بڑھاتا چلا جا
 زمانے کو پیچھے ہٹاتا چلا جا

یہ سب کہہ کے در پردہ رازِ حقیقت
جگر یوں نہ دامن بجاتا چلا جا



عشق بن کے محشر میں حُسن کامیاب آیا	خاک کی تھی جو دنیا، خاک ہی میں داب آیا
یہ بھی کیا محبت میں دورِ انقلاب آیا	اس طرف اٹھتی نظریں، اُس طرف حجاب آیا
حُسن کی حقیقت میں اس طرح شباب آیا	جیسے کچی نیند اٹھ کر کوئی مستِ خواب آیا
حشر در جلو آیا، نشر در رکاب آیا	حُسن کی کھلی آنکھیں، عشق کا شباب آیا
گودیوں میں عصمت کی کھیلتا شباب آیا	شوخیوں کے جھر مٹ میں شہدِ حجاب آیا
اک لفافہ رنگیں، ایک پرچہ سادہ	اے دل سکوں دشمن! لے ترا جواب آیا
تم سے میں اگر کہہ دوں، کیا ہی تم کو رشک آئے	رات جو نظر مجھ کو اک حسین خواب آیا
تُو وہ نغمہ چھیڑاے دل، سب کہیں کہ گلشن میں	ہر گلِ فردہ پر اک نیا شباب آیا
وہ جھکی جھکی پلکیں، وہ عرق عرق عارض	شکوہ ستم کر کے خود مجھے حجاب آیا

دھیان ترا کیا آیا، جانِ صد بہار آئی
یاد تیری کیا آئی، حاصلِ شراب آیا



خدایا اس مرض کی ہے دوا کیا	کہ ہم کیا ہیں، ہمارا مدعا کیا
جنونِ عشق میں اچھا، بُرا کیا	روا کہتے ہیں کس کو، ناروا کیا
سراپا حُسن کا آئینہ بن کر	ہمیں ہم ہیں، ہمارا پوچھنا کیا
محبت خود برس پڑتی ہے اکثر	بیانِ شوق و عرضِ التجا کیا
بجسم ساز بے آواز بن جا	کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا کیا
جدھر دیکھو، ہمیں ہم ہیں، وہی وہ	اب ان کا اور ہمارا پوچھنا کیا

اگر ہے جستجوئے زندگانی!!
تو آخر زندگانی کا مزا کیا



ہاں نگاہِ شوق، وہ اٹھی نقاب	”آفتاب آمد دلیلِ آفتاب“
شوق بے پایاں و جوشِ بے حساب	عشق کیا ہے، اک مسلسل اضطراب
دستِ رنگین و جمالِ بے حجاب	اے خوش آں دقت و خوش جامِ شراب

لکھ چکے خط، جا چکا خط کا جواب
 آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں
 کچھ کہوں، تو کیا کہوں، کس سے کہوں؟
 میری ہستی ہے، غبارِ گوئے دوست
 پوچھنا کیا؟ چشمِ بینا ہو تو دیکھ
 ہوش ہے پھر مائلِ فرزاگی
 میرے جام و بادہ کی رنگینیاں
 غرقِ موجِ بادہ کردے ساقیا!
 جاں سরাپا، کچھ ہے راحت، کچھ خلش
 عشق کیا ہے؟ پر تو حُسنِ تمام
 ان لبوں کی جاں نوازی دیکھنا
 مختصر ہے شرحِ ہستی، اے جگر
 زندگی ہے خواب، اجل تعبیرِ خواب



میرا جنونِ شوق، وہ عرضِ وفا کے بعد
 تیری خبر نہیں، مگر اتنی تو ہے خبر!
 شاید اسی کا نام مقامِ فنا نہ ہو
 گودل سے تنگ ہوں، مگر آتا ہے یہ خیال
 وہ شانِ احتیاط تری ہر ادا کے بعد
 تو ابتدا سے پہلے ہے، تو انتہا کے بعد
 نازک سا ہوتا جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد
 پھر جی کے کیا کروں گا دلِ مبتلا کے بعد
 ہاں پھر انہیں حسین نگاہوں کا واسطہ
 تھوڑا سا زہر بھی مری خاطرِ دوا کے بعد

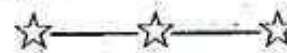


کبھی شان و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
 میں چمن میں چاہے جہاں ہوں، مراحق ہے فصلِ بہار پر
 مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں
 میری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر
 جنہیں کہئے عشق کی وسعتیں، جو ہیں خاصِ حُسن کی عظمتیں
 یہ اُسی کے قلب سے پوچھئے، جسے فخر ہو غمِ یار پر

مرے اشکِ خوں کی بہار ہے کہ مرقعِ غم یار ہے
 مری شاعری بھی نثار ہے، مری چشمِ سحر نگار پر
 عجب انقلابِ زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے
 یہ ہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر تھا زانوائے یار پر
 یہ کمالِ عشق کی سازشیں، یہ جمالِ حسن کی نازشیں
 یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مُشتِ غبار پر
 مری سمت سے اُسے اے صبا! یہ پیامِ آخرِ غم سنا
 ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر
 یہ فریبِ جلوہ ہے سرِ بر، مجھے ڈر یہ ہے، دلِ بے خبر
 کہیں جم نہ جائے تری نظر، انہیں چند نقش و نگار پر
 میں رہیں دردِ سہی مگر، مجھے اور چاہیے کیا جگر؟
 غم یار ہے مرا شیفۃ، میں فریفتہ غم یار پر



ہجومِ تجلّی سے معمور ہو کر نظر رہ گئی شعلہ طور ہو کر
 مجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر بہت پاس نکلے، بہت دور ہو کر
 بس اک نشہِ عشق میں پور ہو کر پڑے رعبے اس در پہ مجبور ہو کر
 کہیں اُن کے روکے سے رکتے ہیں وحشی! نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر
 وفا پر ہزار ایسی جانیں تصدق اگر رہ نہ جائے یہ دستور ہو کر
 تمہیں بھی خبر ہے جو تم کہہ گئے ہو؟ خود اپنی اداؤں سے مستور ہو کر



شبِ غم بھی تیری توجہ کے صدقے نمایاں ہوئی، مطلعِ نور ہو کر
 سنانے چلے ہیں انہیں قصۂ غم بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر
 سنبھل جائیں آسودگانِ محبت نگاہیں اُنھیں شورِ منصور ہو کر
 نظرِ عیشِ فانی پہ کیا خاک ڈالیں ترے دردِ مندانِ مجبور ہو کر؟
 خبر بھی ہے، تم کیا سے کیا ہو گئے ہو زسرتا قدمِ حُسنِ مجبور ہو کر
 وہی نور میں ہے، وہی نار میں ہے کبھی نار ہو کر، کبھی نور ہو کر

تجاہل، تغافل، تبسم، تکلم یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر
ترے حسنِ مغزور سے نسبتیں ہیں کہیں ہم نہ رہ جائیں مغزور ہو کر
جگر کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا
تری مست نظروں سے مخمور ہو کر

☆—☆—☆

نوید بخشش عصیاں سے شرمسار نہ کر گناہ گار کو یا رب! گناہ گار نہ کر
نظر ملی ہے، تو اس کو بہار ساز بنا نظر کو مائل رنگینی بہار نہ کر
کہاں کی قربت و فرقت، گزر بھی جائے دل! یہ راہ عام ہے، تو اس کو اختیار نہ کر
بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے
یہ چاہتا ہے تو تجزیہ! بہار نہ کر

☆—☆—☆

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ
گرچہ اہل شراب ہیں ہم لوگ (قطعہ) یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ
شام سے آگے جو پینے پر صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ

☆—☆—☆

ہم کو دعائے عشق بازی ہے مستحق عذاب ہیں ہم لوگ
ناز کرتی ہے خانہ ویرانی ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ
ہم نہیں جانتے خزاں کیا ہے کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ
تو ہمارا جواب ہے تھا! (قطعہ) اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ
تو ہے دریائے حسن و جُوبی شکل موجِ جناب ہیں ہم لوگ
گو سراپاِ حجاب ہیں، پھر بھی تیرے زخ کی نقاب ہیں ہم لوگ
خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ
ہم سے غفلت نہ ہو تو پھر کیا ہو؟ رہرو ملکِ خواب ہیں ہم لوگ
جاننا بھی ہے اُس کو تو، واعظ! جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

۱۔ اس لفظ کو یقیناً مشدّد طریقہ پر کہنا درست نہیں لیکن محض اس مکتبی غلطی کی خاطر اپنے لطیف شعر کو ضائع نہیں کر سکتا (جگر)

ہم پہ نازل ہوا صحیفہ عشق! صاحبانِ کتاب ہیں ہم لوگ
 ہر حقیقت سے جو گزر جائیں وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ
 جب ملی آنکھ، ہوش کھو بیٹھے کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ
 ہم سے پوچھ جگر کی سرمستی
 محرم آں جناب ہیں ہم لوگ



تو بھی او نا آشنائے دردِ دل! کاش ہوتا مبتلائے دردِ دل
 اللہ اللہ! انتہائے دردِ دل! اب تمہیں تو ہو بجائے دردِ دل
 اس نظر کی بے قراری، آہ آہ! باش اوگستاخ ادائے دردِ دل
 دردِ دل میرے لئے گر ہے، تو ہو میں نہیں ہرگز برائے دردِ دل
 ذرہ ذرہ ہے قیامت گاہِ عشق صاف سنتا ہوں صدائے دردِ دل
 جس طرف وہ شوخ نظریں اٹھ گئیں لے اڑی موج ہوائے دردِ دل
 مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کی! آپ ہی دے لیں سزائے دردِ دل
 کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور دیکھنا شانِ عطاءئے دردِ دل
 دردِ دل! غیرت تری کیا ہو گئی؟
 ان لبوں پر، اور ہائے دردِ دل!



اب تو نامِ عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل اے مرے اللہ! کیا سے کیا ہوا جاتا ہے دل
 کیا بتائیں، دل سے مل کر کیا غضب ڈھاتا ہے دل جس طرح آندھی کوئی آتی ہے، یوں آتا ہے دل
 رہ گیا ہے اب تو بس اتنا ہی ربط اک شوخ سے سامنا جس وقت ہو جاتا ہے، بھر آتا ہے دل
 دل تو سینے ہی میں رہتا ہے، مگر اُس کے حضور جیسے اب جاتا ہے دل سینے سے، اب جاتا ہے دل
 جب ستم ہی مدعا ٹھہرا، ستم بھی کیا ضرور کچھ نہ کچھ تسکین سی یوں بھی تو پا جاتا ہے دل
 سامنے اُن کے ہمیں سے اس کی ظالم شوخیاں وہ نہیں ہوتے، تو کیا نادان بن جاتا ہے دل
 رحم بھی، غصہ بھی، کیا کیا آہ آتا ہے جگر! خود تڑپ کر عشق میں جب مجھ کو تڑپاتا ہے دل



حسنِ معنی کی قسم، جلوۂ صورت کی قسم تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم
 حسن کے معجزہ وحدت و کثرت کی قسم چشمِ حیرت میں ہے سب کچھ، میری حیرت کی قسم

اپنی کم مائنگی جرأت و ہمت کی قسم
حسنِ کافر! تیری معصوم شرارت کی قسم
تیری اس اشکِ بھیر چشمِ ندامت کی قسم
ناوکِ غم کی قسم، سینہِ حسرت کی قسم
نگہِ ناز کے اقرارِ محبت کی قسم
تیری غیرت کی قسم، اپنی حمیت کی قسم
میں محبت ہی محبت ہوں، محبت کی قسم
مذہبِ عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم
کون کھائے گا تری چشمِ مروت کی قسم
شبِ نیم اشک و گلِ داغِ محبت کی قسم
نگہِ شوق کی بیتاب طبیعت کی قسم
اپنی محبوبہِ شامِ شبِ فرقت کی قسم
میں نہ کھاؤں گا ترے دردِ محبت کی قسم
سینہِ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم
خلشِ درد! ترے حسنِ نزاکت کی قسم
غمِ عشرت کی قسم، اشکِ مسرت کی قسم
تیری آنکھوں کے پیامِ دمِ رخصت کی قسم
اپنے اُجڑے ہوئے آغوشِ محبت کی قسم

تجھ کو دیکھا، مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں
مجھ سے کچھ دل نے کہا تھا ابھی سچ ہو کہ نہ ہو
ظلم کیا، اب تو کرم بھی ہے گوارا مجھ کو
اک نظر دیکھ تو لے، پھول کھلے ہیں کیا کیا!
دل کی دنیا پہ ہے اک اور ہی عالم طاری
تو بھی اب سامنے آئے تو لٹا دوں تجھ پر
مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں، اے پیکرِ حسن!
نگہِ حسن ہی سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں!
تیرا احسان مٹانا ہے، مٹا دے مجھ کو
اک ترے واسطے خود عشق ہے جنت بکنار
اب ترے حسن کے جلوے نہیں روکے رکتے
صبحِ عشرت بھی جواب آئے تو دیکھوں نہ اُسے
اب تجھے میری محبت کا یقیں ہو کہ نہ ہو
تو بھی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے
نگہِ ناز میں سب کچھ تو ہے، یہ بات کہاں؟
اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے
تیرے ہمراہ ہیں جان و دل و ایماں سب کچھ
اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز

خلوتِ خاص کو اک دن تو بنا دے جلوت
تجھ کو اپنے جگرِ شوخِ طبیعت کی قسم



آ، اے غمِ محبت! تجھ کو گلے لگائیں
کانوں میں آرہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں
اشکوں کی آرزوئیں، آنکھوں کی التجائیں

اب اُن کا کیا بھروسہ، وہ آئیں یا نہ آئیں
بیٹھا ہوں مست و بیخود خاموش ہیں فضائیں
سب اُن پہ ہیں تھدق وہ سامنے تو آئیں

۱۔ ایک شخص نے آغوش کی تذکیر پر اعتراض کیا تھا۔ مگر اُن کا اعتراض غلط ہے۔ تذکیر و تائید دونوں طرح

جائز ہے اور کہا جاتا ہے (جگر)

عشاق پا رہے ہیں ہر جرم پر سزائیں
اس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادا میں
مسجد میں معتکف ہیں بے کاری ہی تو زاہد
اس حسن برق و ش کے دل سوختہ وہی ہیں
عاشق خراب ہستی، زاہد خراب تمکین
جیسا وہ چاہتے ہیں، جو کچھ وہ چاہتے ہیں
اک جامِ آخری تو پینا ہے اور، ساقی
اب ہاتھ مل رہے ہیں، وہ خاکِ عاشقاں پر
آلودہ خاک ہی تو رہنے دے اس کو ناصح
بیابانی محبت وجہ سکونِ غم ہے
اشعار بن کے نکلیں جو سینہ جگر سے
سب حسنِ یار کی تھیں، بے ساختہ ادا میں



کدھر ہے تیرا خیال اے دل! یہ وہم کیا کیا سا رہے ہیں!
نظر اٹھا کر تو دیکھ، ظالم! کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہیں!
تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں، وہ جیسے خود ہیں، بنا رہے ہیں
نظرِ نظر میں سا چکے ہیں، نفسِ نفس میں سا رہے ہیں
کرشمے، ذات و صفات کے ہیں، جمالِ قدرت دکھا رہے ہیں
کہ ہر تصور سے دور رہ کر، وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں
کہاں کا دیدار، کس کا عرفاں، حواسِ گم ہیں، نظر پریشاں
جو ایک پردہ اٹھا رہے ہیں، تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں
یہ حادثاتِ زمانہ کیا ہیں، اسی کے حسنِ طلب کے جلوے
دلوں کو ٹھوکر لگا لگا کر، دلوں کی دنیا جگا رہے ہیں
کرشمے ہیں حسنِ بے جہت کے، فسوں میں چشمِ مناسبت کے
ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں، ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں
نفسِ نفس میں صفاتِ تازہ، ممتِ تازہ، حیاتِ تازہ
انہیں میسر ہے ذاتِ تازہ، جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں

(قطعہ)

ہماری ہستی تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت
 اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت ہمیں خود اُن کو ستا رہے ہیں
 ہوا کچھ ایسی ہی تھل گئی ہے، دلوں کی دُنیا بدل گئی ہے
 وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں، ہم اُن کو طالب بتا رہے ہیں!
 ذرا سا اک وقفہ محبت، اٹھا گیا اور ہی قیامت
 ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں!
 خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرور اُن کا
 وہ ہم سے نظریں ملاتا رہے ہیں، ہم اُن سے نظریں ہٹا رہے ہیں
 نظر نظر التجائے پیہم، ادا ادا شکوۂ جسم!
 ذرا جو بن کر بگڑ رہے ہیں، ہمیں وہ کیا کیا منا رہے ہیں
 گلوں سے مستی چھلک رہی ہے، سراپنا بلبل پٹک رہی ہے
 جگر کسی گوشہ چمن میں، غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں



کرم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں	بس اک دل کی خاطر یہ تئیاں ہیں
چمن سوز گلشن کی گلکاریاں ہیں	یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں
نہ بے ہوشیاں، اب نہ ہشیاریاں ہیں	محبت کی تنہا فئوں کاریاں ہیں
نہ وہ مستیاں ہیں، نہ سرشاریاں ہیں	خودی کا ہے احساس، خود داریاں ہیں
محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے	محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں
نگاہ تجسس نے دیکھا جہاں تک	پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں
تجلی سے کہہ دو، ذرا ہاتھ روکے	بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں
نہ آزاد دل ہیں، نہ بے قید نظریں	گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں
نہ ذوقِ تخیل، نہ ذوقِ تماشا	محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں
تغافل ہے اک شانِ محبوب، لیکن	تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں
کہاں ہیں، کہاں تازہ اشعارِ رنگیں	تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں
ازل سے ہے صرف دُعا ذرہ ذرہ	خدا جانے کیا کچھ طلب گاریاں ہیں

بچے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل تری آمد آمد کی تئاریاں ہیں
 قدم ڈمگائے، نظر بہکی بہکی! جوانی کا عالم ہے، سرشاریاں ہیں
 جگر زندگی لطف سے کٹ رہی ہے غم آزاریاں ہیں، جنوں کاریاں ہیں
 کہاں پھر یہ مستی، کہاں ایسی ہستی؟
 جگر کی جگر تک ہی سے خواریاں ہیں



خطاؤں سے پہلے پشیمائیاں ہیں محبت کی معصوم نادانیاں ہیں
 قیامت، تری جلوہ سامانیاں ہیں جدھر دیکھتا ہوں، پریشانیاں ہیں
 دل و جان و حسرت ہیں، قربانیاں ہیں خوشا وہ کہ جس کی یہ مہمانیاں ہیں
 مسلسل غم کی غریبانیاں ہیں نگاہیں نہیں ہیں، پریشانیاں ہیں
 سنا کر غم و درد پچھتا رہا ہوں پشیمانیوں کی پشیمائیاں ہیں
 ازل سے جو دل کے مقدر پڑی تھیں! وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں
 دلوں پر حکومت، نگاہوں سے پردے (قطعہ) جہانبنائیاں ہیں، ستم رانیاں ہیں
 تجسس میں شامل، تحیر میں پنہاں نظر سوزیاں ہیں، نگہبنائیاں ہیں



وہ دشواریاں عش کی حل ہوں کیونکر؟ جو دشواریاں ہیں نہ آسانیاں ہیں
 محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم انہیں بھی میرے ساتھ حیرانیاں ہیں
 ترے جلوہ جُودِ کل کے تصدق پریشانیوں کو پریشانیاں ہیں
 غضب میں پھنسی ہیں مرا ساتھ دے کر نہ اب حسرتیں ہیں، نہ حیرانیاں ہیں
 درِ بُت کدہ اور سجدوں پہ سجدے
 جگر! واہ، کیا گھر سامانیاں ہیں!



نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں ہم اُن میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں
 شروع راہِ محبت، ارے معاذ اللہ! یہ حال ہے کہ قدم ڈمگائے جاتے ہیں
 یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر! نظر ملاتے نہیں، مسکرائے جاتے ہیں
 مرے جنونِ تمنا کا کچھ خیال نہیں لجائے جاتے ہیں، دامن مٹھوائے جاتے ہیں
 جو دل سے اُٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن بن کر تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں

میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی
رواں دواں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال
کہاں منازل ہستی، کہاں ہم اہل فنا!
مری طلب بھی، اسی کے کرم کا صدقہ ہے
الہی ترک محبت بھی کیا محبت ہے!

سنائے تھے لب نئے سے کسی نے جو نغے
لب جگر سے مکرر سنائے جاتے ہیں



نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں
ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں
عدم کی راہ میں رکھا ہے پہلا ہی قدم میں نے
مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں
قریب آ کے منزل تک پلٹ جاتے ہیں منزل سے
نہ جانے دل میں کیا آوارہ منزل سمجھتے ہیں
الہی! ایک دل ہے، تو ہی اس کا فیصلہ کر دے
وہ اپنا دل بتاتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں



کیا غرض مجھ کو ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں
نہیں معلوم محبت میں اثر ہے کہ نہیں
میں نہ کھاؤں گا کبھی حسنِ تغافل کے فریب
اب یہ عالم ہے کہ جو ہجر کی شب آتی ہے
پوچھ مجھ سے نہ مرے زخمِ جگر کی حالت
تو ہی کہہ دے کہ بجوں مجھ کو نہ کیونکر ہو عزیز
وصل کہتے ہیں جسے اس کی حقیقت معلوم
اک نظر دیکھ تو لے، دل کے مٹانے والے
پوچھتا پھرتا ہوں اک ایک سے اس کو چپے میں
اور درکار ہے کیا تیری توجہ کے لئے؟
عشق بے جذب ہوئے رہ نہیں سکتا ہرگز

میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں؟
جو ادھر سے مری حالت وہ ادھر ہے کہ نہیں؟
مری جانب تری دور پردہ نظر ہے کہ نہیں؟
میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کو سحر ہے کہ نہیں؟
میرے دامن میں ہر آنسو گل تر ہے کہ نہیں؟
اس کو حاصل تری تائیدِ نظر ہے کہ نہیں؟
ورنہ اک سلسلہ شام و سحر ہے کہ نہیں؟
ابھی اس خاک میں طوفانِ شرر ہے کہ نہیں؟
جس کا دیوانہ ہوں، اس کو بھی خبر ہے کہ نہیں؟
آہِ ظالم، مری محروم اثر ہے کہ نہیں؟
تیری ہر شان میں ان شانِ جگر ہے کہ نہیں؟

لے اٹھا جاتا ہوں میں جھاڑ کے دامن اپنا
پھر نہ کہنا مرا دیوانہ جگر ہے کہ نہیں؟



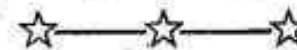
ترے بیان میں قاصد کچھ اشتباہ نہیں
نہ ہو، جو حسن کی ہم پر کوئی نگاہ نہیں
خود اپنے حسن کی تاثیر کو وہ کیا جانے؟
جہائے حسن کا صدقہ، سزائے حسن کی خیر!
ہزار چشم عنایت ہو، پھر بھی کیا حاصل؟
وہ ایک شے بھی، اگر شامل نگاہ نہیں

انہیں بھی دست بہ دل، بے قرار دیکھ لیا
سنا تھا، عشق کی آنکھیں تو ہیں، نگاہ نہیں



دل حریفِ حال و بے حالی نہیں
دیکھنا دل سے سلوکِ چشم یار
ہاں، مبارک شغل ہے زاہد، مگر
اللہ اللہ! تیرے غم کی وسعتیں
اس طرف بھی دیکھ، او محشرِ خرام!
حسن ہے اس طرح سرگرمِ خرام
عشق رنگِ حسن سے ہے بے نیاز

شوق بھی دل میں رہے ہمراہ دوست
اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں



لفظ و معنی میں نہیں، جلوہ و صورت میں نہیں
وہ حقیقت کہ جو محدود حقیقت میں نہیں
غم میسر ہے تیرا، غم پہ نہ کیوں نالہ کروں
وہ جو اک ربطِ محبت ہے، مٹانا اس کا
جلوہ پھر جلوہ ہے، نظارہ ہے پھر نظارہ
یوں بھی تکمیلِ غم عشق ہوا کرتی ہے

عشق اک چیز ہے جو حرف و حکایت میں نہیں
دل کی وسعت میں ہے، کونین کی وسعت میں نہیں
یہ بھی کیا تو ہے کہ جو عشق کی قسمت میں نہیں
مری طاقت میں نہیں، آپ کی قدرت میں نہیں
حیرت آئینے میں ہے، آئینہ حیرت میں نہیں
اس کی قسمت میں ہوں میں، جو میری قسمت میں نہیں

ہر نفس میں ہے یہاں جلوہ نو کا عالم
غمِ فرقت بھی مرا، اب غمِ فرقت میں نہیں



غمِ عاشقی کا صلہ چاہتا ہوں خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں
بلا پر نزولِ بلا چاہتا ہوں سزاوارِ غم ہوں، سزا چاہتا ہوں
محبت بقیدِ وفا چاہتا ہوں بڑا نا سمجھ ہوں، یہ کیا چاہتا ہوں
جنونِ محبت یہاں تک تو پہنچا کہ ترکِ محبت کیا چاہتا ہوں
وہ یوں پُر ششِ شوق فرما رہے ہیں کوئی خود یہ کہہ دے، سزا چاہتا ہوں
طلسمِ تمنا سمجھ میں نہ آیا کوئی مجھ کو سمجھائے، کیا چاہتا ہوں
ظہورِ دو عالم، اک اعجازِ جس کا اسی نقشِ پا پر مٹا چاہتا ہوں
کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں تجھے دیکھ کر دیکھنا چاہتا ہوں
کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی کا نگاہِ کرم! آسرا چاہتا ہوں

محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے، لیکن
طریقِ محبت جدا چاہتا ہوں



محبت میں کیا یہ ستم دیکھتے ہیں! بہت فرصتِ شوق کم دیکھتے ہیں
غم و درد و رنجِ الم دیکھتے ہیں محبت دکھائی ہے، ہم دیکھتے ہیں
وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں جہاں موت کا سرِ قلم دیکھتے ہیں
کہاں تیرے جلوے، کہاں اپنی نظریں غنیمت ہے، جو کوئی دم دیکھتے ہیں
وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادائیں! ہمیں دیکھتے ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں
ہماری نظر سے بھی سمجھو تو جانیں! بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں
تجھے بھی کسی دن سمجھنا ہے ظالم! ابھی اور، اے چشمِ نم! دیکھتے ہیں
نگاہِ محبت دکھاتی ہے سب کچھ نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں
غنیمت تھا حرمانِ اُمید افزا سو یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں

نہ جانے محبت ہے کیا چیز لیکن
بڑی ہی محبت سے ہم دیکھتے ہیں



محبت کی محبت تک ہی جو دُنیا سمجھتے ہیں
جمال رنگ و بو تک حُسن کی دُنیا سمجھتے ہیں
کمالِ تشنگی ہی سے بجھالیتے ہیں پیاس اپنی
سمجھنے دے انہیں، اے غیرتِ جذبِ طلب، ظالم
ہم اُن کا عشق کیسا؟ اُن کے غم کے بھی نہیں قابل
یہ کیا طاقت کہ ہم پر ڈال دے ٹیڑھی نظر کوئی
ہمیں ہیں عشق کے مارے، ہمیں پر ہے نظر اُن کی
محبت میں نہیں سیرِ مناظر کی ہمیں پروا
نگاہِ شوق ہی کچھ جانتی ہے رازِ مستوری
اشاروں میں لُفا دیتے ہیں دولتِ دین و دنیا کی
مے و مینا کے پردے اُن کو دھوکا دے نہیں سکتے
خبر اس کی نہیں ان خام کارِ ان محبت کو

فضائے نجد ہو، یا قیسِ عامر، اے جگر! ہم تو
جو کچھ ہے، ہم اُسے عکسِ رُخ لیلیا سمجھتے ہیں



رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں، انہیں ہوش نہیں
کونسا جلوہ یہاں آتے ہی بے ہوش نہیں؟
مرنے والے! تجھے مرنے کا بھی کیا ہوش نہیں؟
پاؤں اٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کے خلاف
حُسن سے عشقِ جُدا ہے، نہ جُدا عشق سے حُسن
مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گذشتہ کے نقوش
ایک گوشہ میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم
اب تو تاثیرِ غمِ عشق یہاں تک پہنچی!
زیست، زیست جو رگِ رگ میں رواں ہے مئے عشق
کبھی ان مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام
عشق اگر حُسن کے جلوؤں کا ہے مرہونِ کرم
اپنے ہی حُسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!

میکدہ ساز ہوں میں، میکدہ بر ہوش نہیں
دل مرا دل ہے، کوئی ساغرِ سر جوش نہیں
ماں کا آغوش ہے، یہ موت کا آغوش نہیں
اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں
کون سی شے ہے، جو آغوشِ در آغوش نہیں
پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں
میرا دامن ہے کسی اور کا آغوش نہیں
کہ ادھر ہوش اگر ہے، تو ادھر ہوش نہیں
موت ہے موت، اگر رقص نہیں، جوش نہیں
آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں
حُسن بھی عشق کے احساں سے سبکدوش نہیں
میرے، آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

موتیج تو سب ہیں، مگر ادراک کہاں! زندگی خود ہی عبادت ہے، مگر ہوش نہیں
 مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر
 مجھ کو یہ وہم ہے جیسے مرا آغوش نہیں!



مر کے بھی کب تک نگاہ شوق کو زسوا کریں
 جذبِ دل ممکن نہیں، تو چشمِ دل ہی وا کریں
 اے میں قرباں! مل گیا عرضِ محبت کا صلہ
 دیکھئے کیا شور اٹھتا ہے حریمِ ناز سے
 ہائے یہ مجھوریاں، محرومیاں، ناکامیاں
 عشقِ خود اپنی جگہ عینِ حقیقت ہے جگر
 عشق ہی میں کیوں نہ شانِ دلبری پیدا کریں؟



جب اپنا اپنا غم احباب سے احباب کہتے ہیں
 محبت بہتی گنگا ہے، نہالے جس کا جی چاہے
 زمانے بھر کی دولت کو غمِ جاناں سے کیا نسبت
 عطا کر، اے جمالِ حسن! وہ داغِ محبت بھی!
 عبادت گاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا
 اسی صورتِ سنا دیتے ہیں اُن کو وارداتِ اپنی
 الہی! آگ ہی لگ جائے تاثیرِ محبت کو!
 محبت جن کی ایک اک موج میں لہریں نہ لیتی ہو
 ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی، اے عشق، سنتے ہیں!
 محبت کی ہر اک موجِ بلا ہے بحرِ بے پایاں!
 بہت بیتاب سنتے ہیں، بہت بیتاب کہتے ہیں
 نہ بے پایاں بتاتے ہیں، نہ ہم پایاب کہتے ہیں
 یہی نعمت ہے وہ نعمت، جسے نایاب کہتے ہیں
 زبانِ عشق میں جس کو گلِ شاداب کہتے ہیں
 خمِ ابروئے جاناں کو خمِ محراب کہتے ہیں
 کہ جیسے ہم کسی کی داستانِ خواب کہتے ہیں
 وہ آج اپنا بھی غمِ بادیدہ پر آب کہتے ہیں
 ہم ایسے آنسوؤں کو گوہرِ بے آب کہتے ہیں
 ہمارے پاس بھی تھا اک دلی بیتاب کہتے ہیں
 خوشا وہ اہلِ ہمت، پھر بھی جو پایاب کہتے ہیں

۱۔ اگر میرا نفس مجھ کو دھوکا نہیں دیتا تو یہ شعر خالص الہامی ہے۔ آیۃ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
 الْاَرْضِ اکثر میرے پٹر نظر رہا کرتی تھی۔ خیال یہ ہوتا تھا کہ یقیناً ایسا ہی ہے۔ پھر ہمیں مزید تکلیف تسبیح و
 جہلیل و عبادت کیوں دی گئی۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں شریک تھا کہ بے قصد و بے ارادہ یہ شعر نازل ہوا۔ اور
 اُسی دن سے مجھے بہت تسکین حاصل ہو گئی۔ (جگر)

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے ماروں نے نہیں مانگا
انہیں آنکھوں کے ماروں کو جگر سیراب کہتے ہیں



اللہ اللہ! عشق کی رعنائیاں
ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں
عشق ہے ہر موعے تن سے نغمہ زن
کوئی دیکھے تو حریم شوق میں
یاد ظالم کو تم اپنی روک لو
دل کی چوٹیں ابھری آتی ہیں تمام
حسن کی جان توجہ بن گئیں
سامنے جیسے وہ خود میں جلوہ گر
خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف
اب کہاں انساں، جسے انساں کہیں
غیر تو غیر، اپنے سائے سے بھی رم
حسن بھی ہے، عشق بھی ہے جلوہ گر
کون پہنچا تافراز بام حسن؟
رہ گئی رکھی ہی عقل پختہ کار
حسن کے بھی ڈمگاتے ہیں قدم
یاد ہے اب تک جگر! آغاز عشق
شب، ہمہ شب وہ خیال آرائیاں



عشق کی بڑھنے تو دو بربادیاں
اللہ اللہ! اعتبارات نظر!
اس نگاہ ناز ہی سے پوچھے
خود نہ تھی اپنی بھی جب تجھ کو خبر
کشور دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں
کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں
اور پھر اُن سب کی بے بنیادیاں
اک اسیر شوق کی صیادیاں!
یاد کر اے عشق وہ آزادیاں
کیسی کیسی نازیں شہزادیاں

عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست
حسن کو دیجے مبارکبادیاں!



عہدِ رنگیں کی یادگار ہوں میں یعنی اپنا ہی سوگوار ہوں میں
آکہ بیتابِ انتظار ہوں میں دل کی اک آخری پُکار ہوں میں
ذرہ آستانِ یار ہوں میں صد مہ و مہر درکنار ہوں میں
میری ہستی کا واہ کیا کہنا تیری ہستی کا پردہ دار ہوں میں
نہ سہی تُو، ترا خیال تو ہے یوں بھی فردوسِ درکنار ہوں میں
اُف، جواں مرگیاں محبت کی! ہائے کس کس کا سوگوار ہوں میں
نکبتِ گل کا بھی دماغ نہیں کتنا آزرده بہار ہوں میں
وہ حقیقت ہے خود مری ہستی جس حقیقت کا پردہ دار ہوں میں
اللہ اللہ! نزاکتیں میری! اپنی خاطر پہ بھی تو بار ہوں میں
تجھ کو تکلیفِ حدِ نظر، ہے ہے! اپنے ہونے پر شرمسار ہوں میں
مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ

مژدہ آمد بہار ہوں میں



جونہ کعبے میں ہے محدود نہ بت خانے میں ہائے، وہ اور اک اُجڑے ہوئے کاشانے میں!
ملتی ہے عمرِ ابدِ عشق کے مے خانے میں اے اجل، تُو بھی سما جا مرے پیانے میں
ہم کہیں آتے ہیں واعظ، ترے بہکانے میں اسی میخانے کی مٹی، اسی مے خانے میں
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں خلدِ شیشے میں ہے فردوس ہے پیانے میں
حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانا ہی نہ تھا وہ تو یہ کہئے، اماں مل گئی مے خانے میں
بام پر آکے اٹھا دو رُخِ تاباں سے نقاب اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں
آج تو کر دیا ساقی نے مجھ مستِ الست ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیانے میں
آج ساقی نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے! کبھی میخانے سے باہر، کبھی میخانے میں

۱۔ ”مبارک باد“ صحیح ہے۔ مبارک باد کو غلط کہا جاتا ہے لیکن داغِ مرحوم نے کہا ہے اور یہ
سند کافی ہے (جگر)

آپ دیکھیں تو سہی، ربطِ محبت کیا ہے اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں
 بھوے نے تراے شیخ بھرم کھول دیا تو تو مسجد میں ہے، نیت تری میخانے میں
 مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگر
 رند سن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

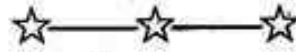


دشاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں روح بن کر ڈرے ڈرے میں سما جاتا ہوں میں
 آ کہ تجھ بن اس طرح، ہائے دوست، گھبراتا ہوں میں جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں
 جس قدر افسانہ ہستی کو دہراتا ہوں میں اور بھی بیگانہ ہستی ہوا جاتا ہوں میں
 جب مکان و لامکان، سب سے گزر جاتا ہوں میں اللہ اللہ! تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں
 تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں اپنے دل پر آپ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں
 یک بیک گھبرا کے جتنی دُور ہٹ آتا ہوں میں اور بھی اس شوخ کو نزدیک تر پاتا ہوں میں
 میری ہستی شوقِ پیہم میری فطرت اضطراب کوئی منزل ہو مگر گزرا چلا جاتا ہوں میں
 ہائے ری مجبوریاں، ترکِ محبت کے لئے مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ اور اُن کو سمجھاتا ہوں میں
 میری ہمت دیکھنا، میری طبیعت دیکھنا جو سلجھ جاتی ہے کتنی، پھر سے اُلجھاتا ہوں میں
 حُسن کو کیا دشمنی ہے، عشق کو کیا بیر ہے اپنے ہی قدموں کی خود ہی ٹھوکریں کھاتا ہوں میں
 تیری محفل تیرے جلوے، پھر تقاضا کیا ضرور لے اٹھا جاتا ہوں، ظالم، لے چلا جاتا ہوں میں
 تاکجا یہ پردہ داری ہائے عشق و لافِ حُسن؟ ہاں سنبھل جائیں دو عالم، ہوش میں آتا ہوں میں
 میری خاطر اب وہ تکلیف تجلی کیوں کریں؟ اپنی گردِ شوق میں خود ہی چھپا جاتا ہوں میں
 دل مجسمِ شعر و نغمہ وہ سراپا رنگ و بو کیا فضا میں ہیں کہ جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں
 تاکجا ضبطِ محبت، تاکجا دردِ فراق! رحم کر مجھ پر کہ تیرا راز کہلاتا ہوں میں!
 واہ رے شوقِ شہادت! کوئے قاتل کی طرف گنگناتا، رقص کرتا، تھومتا جاتا ہوں میں
 یا وہ صورتِ خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا یا یہ عالم اپنے سائے سے دبا جاتا ہوں میں
 دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا وہ جفا کرتے ہیں مجھ پر اور شرماتا ہوں میں

۱۔ سطحی نظر سے اگر دیکھا جائے تو ردیف ”میں“ صحیح نہیں ہوگی بلکہ اس کی جگہ ”سے“ درست ہے۔

لیکن اس محلِ خاص پر ردیف ”میں“ ہی مناسب سمجھتا ہوں (جگر)

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث، اے جگر!
ایک شیشہ ہے، کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں



آئینہ زُبرو ہے، کچھ ٹٹکنا رہے ہیں زلفیں سنور چکی ہیں، قشقہ لگا رہے ہیں
کافر جمال والے کافر بنا رہے ہیں ایمان لانے والے ایمان لا رہے ہیں
جھوٹے نفس میں خوشبو کے آ رہے ہیں شاید وہ آج خود ہی تشریف لا رہے ہیں
شاعر ہے خوفِ فطرت، جذبات چھا رہے ہیں پیغام جا رہے ہیں، پیغام آ رہے ہیں
ساون کی رین اندھیری، تنہائیوں کا عالم
بھولے ہوئے فسانے سب یاد آ رہے ہیں



بے تاب ہے، بے خواب ہے، معلوم نہیں کیوں دل ماہی بے آب ہے، معلوم نہیں کیوں
بے کیف مئے ناب ہے، معلوم نہیں کیوں پھکی شبِ مہتاب ہے، معلوم نہیں کیوں
ساقی نے جو بخشا تھا بصدِ لطف و باصرار وہ جُرعہ بھی زہر آب ہے، معلوم نہیں کیوں
بے نام سی اک یاد ہے، کیا جانئے کس کی بے وجہ تب و تاب ہے، معلوم نہیں کیوں
دیکھا تھا، کبھی خواب سا، معلوم نہیں کیا اب تک اثرِ خواب ہے، معلوم نہیں کیوں
خلوت میں بھی، جلوت میں بھی گھیرے ہوئے مل کو اک شعلہ بے تاب ہے، معلوم نہیں کیوں
کل تک یہی دُنیا سدا گل تھی، مگر آج! بے رنگ ہے، بے آب ہے، معلوم نہیں کیوں
منہ تکتے ہیں، تدبیر کوئی کر نہیں سکتے شل ہمتِ احباب ہے، معلوم نہیں کیوں
محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیر میرے لئے بے تاب ہے، معلوم نہیں کیوں
جو ساز کہ خود نغمہ غریاں تھا، اُسی کو اندیشہ مضراب ہے، معلوم نہیں کیوں
دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے، لیکن کشتی سے تر آب ہے، معلوم نہیں کیوں

اس پردہ رنگیں پہ نظر آتا ہے جو کچھ
جیسے کہ یہ اک خواب ہے، معلوم نہیں کیوں



ہم ہوں اور آپ زیبِ محفل ہوں ہر طرف آئینے مقابل ہوں
وہ سنیں میرے درد کی آواز وہ مجسمِ نزاکتِ دل ہوں
رُشک! یہ بھی نہیں پسند کہ وہ اپنی صورت پہ آپ مائل ہوں

کیوں نکلیوں سے وہ ہمیں دیکھیں
ایک جانب برس رہے ہوں جمال
جتنے آساں ہوں عشق کے عقدے
پس منظر بھی سامنے ہے اگر!
دور کیوں جائیں آرزو لے کر
کیف احساس عشق ہی نہ رہے
زندگی جن کے ہر قدم پر نار
اب تو پہلو کا یہ تقاضا ہے
نغمے ساکت ہوں بن کے روح، مگر
آپ ہی میرے جان و دل کی صدا
دیکھ لی ہم نے عشق کی تاثیر
زندگی تھے کبھی

اب وہی گھونٹ زہر قاتل ہوں



اوس پڑے بہار پر، آگ لگے کنار میں
لطف ہے کیا، ستم ہے کیا، عالم اعتبار میں
راحت جان عاشقان، کاہش انتظار میں
کون کرے یہ عرض جا کے حریم یار میں
اس پہ کرے خدا ہی رحم، گردش روزگار میں
عشق ہے کس قطار میں، حسن ہے کس شمار میں
اور تو کچھ کی نہیں آپ کے اقتدار میں
ہم کہیں جانے والے ہیں دامن عشق چھوڑ کر
قدرت کار ساز کی اف! یہ ستم ظریفیاں
راحت بے خلش اگر مل بھی گئی تو کیا مزا

دور غم فراق کی اتنی تو یاد ہے، جگر!
اور بھی اک صدا سی تھی درد کی ہر پکار میں



الہی ! ایک دعا ہے اگر قبول نہ ہو
تجھے بھی شاق نہ ہو، شوق بھی ملول نہ ہو
دعاے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر
کمال عشق ! یہ توفیق چاہتا ہوں میں !
جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں
کسی کے خاطر نازک کا آگیا ہے خیال
جو تیرے جگر میسر کا راز فاش کرے
کوئی گناہ نہیں، شوق دید و ذوقِ نظر
نہو اینکہ فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو

☆—☆—☆

ستم ہو، قہر ہو، آفت، بلا ہو
کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو
یہ سب کچھ ہو، مگر پھر دل رہا ہو
کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو
بتاؤ، کیا تمہارے دل پہ گذرے
اگر کوئی تمہیں سا بے وفا ہو

☆—☆—☆

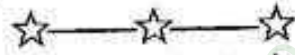
حسن کے ہاتھ میں گر عشق کی تلوار نہ ہو
وصلِ شایاں نہ رہے، ہجرِ سزا وار نہ ہو
میں بھی ہر حال کو اب ہجر بنا دوں تو سہی
میں خطا وار، سیہ کار، گنہ گار، مگر
مجھ کو سب کچھ دیا اک بت نے، مگر یہ کہہ کر
میں چلوں عشق میں وہ راہ جو ہوسب سے الگ
کوئی یوں ٹھوم کے سر دینے کو تیار نہ ہو
میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرف دار نہ ہو
میرا انکار ترے وصل کا انکار نہ ہو
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہ گار نہ ہو
تجھ کو، اللہ کرے، کچھ بھی سزا وار نہ ہو !
کچھ سجھائی بھی نہ دے، سطح بھی ہموار نہ ہو

آتشِ شوق جو بھڑکی ہے، بھڑکتی ہی رہے
مجھ کو اللہ کرے، تو بھی سزا وار نہ ہو

☆—☆—☆

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
تو صبحِ ازل، آئینہِ حسنِ ازل بھی
ہاں کوئی نظر، رحمتِ سلطانِ مدینہ !
اے صلِ علی صورتِ سلطانِ مدینہ !
اے طلعتِ حق، طلعتِ سلطانِ مدینہ !
دامانِ نظر تنگ و فراوانیِ جلوہ

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق
اس طرح کہ ہر سانس ہر مصروفِ عبادت
اک تنگِ غمِ عشق بھی ہے منظرِ دید
کونین کا غم، یادِ خدا، دردِ شفاعت
اے عالمِ تلوں! ترے اسرارِ حقیقت
ظاہر میں غریبِ الغرباء پھر بھی یہ عالم
اس اُمتِ عاصی سے نہ منہ پھیر دیا!
اے جانِ بلبِ آمدہ، ہشیار، خبردار
کچھ ہم کو نہیں کامِ جگر! اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ!



میری نظروں میں ہے اک جانِ وفا کا نقشہ
عشق میں فرقت و قربت ہیں برابر دونوں
دل میں کچھ بھی نہیں اب کفرِ محبت کے سوا
تُو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا زائد؟
دل میسر ہو تو کیا سیرِ دو عالم کی ہوس
دل میں جب درد اٹھا نور کا طوفاں بھی اٹھا
آج جھکتی نظر آتی ہے جبینِ کونین
کس نے دیکھا ہے اس اندازِ ادا کا نقشہ؟
یہ قیامت کا سماں ہے، وہ بلا کا نقشہ
جم گیا ایک بُتِ ہوش ربا کا نقشہ
ہائے ان شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ
اسی نقشہ میں ہے گلِ ارض و سما کا نقشہ
کھنچ گیا سامنے اک برقِ ادا کا نقشہ
دیکھنا یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ
پاک رکھ، اشکِ ندامت سے بہر حال جگر
دیکھنا ہے انہی آنکھوں سے خدا کا نقشہ



اُف! یہ تیغِ آزمائیاں توبہ! تیری نازک کلائیوں، توبہ!

۱۔ غریب بمعنی مفلس صحیح نہیں۔ لیکن زبان کے متعلق میرے نظریات دوسروں سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ (جگر)

۲۔ یہ مسلسل غزل یا نظم میری حیاتِ معاشقہ کے ایک اہم اور بہت ہی درد انگیز واقعہ سے متعلق ہے۔ (جگر)

کیا کریں بندگانِ محبوبی! عشقی کی خدائیاں، توبہ!
 منزلِ عشق، اے خدا کی پناہ! ہر قدم کربلائیوں، توبہ!
 یادِ ایامِ شوق و عشق و جُوں! چرخ کی فتنہ زائیاں، توبہ!
 لطفِ برگانگی، معاذ اللہ! اُن کی سادہ ادائیاں، توبہ!
 حُسن میں رقص کا سا اک عالم شوق کی نئے نوائیاں، توبہ!
 ہائے غمازیاں نگاہوں کی! اپنی بے دست و پائیاں، توبہ!
 اُف! وہ احساسِ حُسن پہلے پہل یک بیک کج ادائیاں، توبہ!
 اللہ اللہ! عشق کی وہ جھجک حُسن کی کہربائیاں، توبہ!
 اُس کے دامن پہ دل کا جا پڑتا ہم سے یہ بے وفائیاں، توبہ!
 غیظ سے ابروؤں پہ وہ شکنیں دل پہ زور آزمائیاں، توبہ!
 استیوں کا وہ چڑھا لینا گوری گوری کلائیوں، توبہ!
 نظروں نظروں میں کاوشِ سرِ بزم دل ہی دل میں لڑائیاں، توبہ!
 سوزِ غم کی شکایتیں، ہے ہے! دردِ دل کی دہائیاں، توبہ!
 بر ملا سخت رنجشیں باہم غائبانہ صفائیاں، توبہ!
 اپنے مطلب سے عشق کی چھڑیں ظاہری بے وفائیاں، توبہ!
 حُسن و توہینِ عشق، ہائے غضب! اپنی وہ خودستائیاں، توبہ!
 غیرتِ عشق، اے معاذ اللہ! ایک دم بے وفائیاں، توبہ!
 شبنمِ آلودہ وہ حسیں آنکھیں رُخ پہ اڑتی ہوائیاں، توبہ!
 اس کی غمِ التفاتیاں، ہے ہے! اپنی بے اعتنائیاں، توبہ!
 سرِ سودا کی شورشیں پیہم! ہر طرف جگ ہنسائیاں، توبہ!
 رفتہ رفتہ وہ بے پناہ سکوت سب سے نا آشنائیاں، توبہ!
 موت سے ہر نفس وہ راز و نیاز موت کی ہم نوائیاں، توبہ!
 ناگہاں آمد آمدِ محبوب غم کی بے انتہائیاں، توبہ!
 یک بیک آنکھ چار ہو جانا دیر تک رونمائیاں، توبہ!

۱۔ بے دست و پا جس مفہوم میں مستعمل ہے، اس اعتبار پر میں نے اسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے اور

اس بنا پر مہند بنالینا غلط نہیں سمجھتا۔ (جگر)

نظروں نظروں میں سرگذشتِ فراق
 دُنوں جانب دہائیاں، توبہ!
 حُسن کی لہر پھر سے دوڑا کر
 اس کی معجز نمایاں، توبہ!
 پھر وہی چشمِ مست و جامِ بدست
 پھر وہی نغمہ زائیاں، توبہ!
 پھر وہی لب، وہی تبسمِ ناز!
 پھر وہی کج ادائیاں، توبہ!
 پھر وہ اک بیخودی کے عالم میں
 مل کے باہم جدائیاں، توبہ!



کچھ نہ زمان و مکاں، کچھ نہ سفید سیاہ
 غنچہ و نسرین و گل، انجم و خورشید و ماہ
 عشقِ نظر آفریں اور نظرِ معصیت
 حاصلِ صد عرضِ غم، مایہِ صد عرضِ شوق
 کون تجھ کو پا سکے، کس کو ہے یہ دستگاہ
 دورِ ازل تا ابد، یہ بھی کوئی سیر گاہ
 اس کے سوا اور کیا پیش کشِ حُسنِ دوست
 قصہٴ ناز و نیاز، کیا کہیں ہوتا ہے ختم
 تو ہے خودی ناشناس، تجھ کو خدا سے غرض
 جانبِ مُلکِ حبیب، پھر ہوں میں یوں گامِ زن
 اپنے بھی سایہ سے چل بچ کے رہ دوست میں
 اس کا وہیں تک گذر، جس کی جہاں تک سکت
 چیر کے دیکھوں اگر سینہٴ مستیِ عشق
 اے کہ تو ناواقفِ مصلحتِ حسن و عشق (قطعہ)
 میرا تخیلِ جگر! طائرِ جبریلِ فکر
 میرا تصورِ جگر! بلبلِ عنقا نگاہ
 درسِ حقیقت سمجھ، حاصلِ فرصت سمجھ
 فرضِ محبت سمجھ، معصیتِ گاہ گاہ



مذہبِ عشقِ کربول، مسلکِ عاشقی نہ دیکھ
 شمرِ التجا تو بن، صورتِ ملتجی نہ دیکھ
 تجھ کو خدا کا واسطہ، تو مری زندگی نہ دیکھ
 جس کی سحر بھی شام ہو، اس کی سیہ شمی نہ دیکھ

ہو کے نثارِ زندگی، حاصلِ زندگی نہ دیکھ
 شمع کو جب بجھا چکا، شمع کی روشنی نہ دیکھ
 رازِ شکستگی سمجھ، رنگِ شکستگی نہ دیکھ
 پوچھ نہ روزِ محاسب! تھوڑی سی آج پی کے دیکھ
 نالہ نیم شب نہ سن، آہ سحر گہی نہ دیکھ
 نغمہ شوق گائے جا، حُسن کی برہمی نہ دیکھ
 کام سے اپنے کام رکھ، بے خودی و خودی نہ دیکھ
 حُسن پہ اپنے رحم کر، عشق کی سادگی نہ دیکھ
 دل جسے چاہے دیکھنا، دیکھ، جگر؟ وہی نہ دیکھ

دل کو مٹا کے عشق میں، دل کی طرف کبھی نہ دیکھ
 جان کو جب گھلا چکا، جان کی فکر ہی نہ کر
 ناصح کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے
 کس لئے جان دیتے ہیں رند شراب ناب پر
 تجھ کو بھی اب قسم ہے یہ، تیرے ستم کا واسطہ
 ہو کے رہے گا ہم نوا، وہ بھی ترے ہی ساتھ ساتھ
 عشق ادا شناس حُسن، حُسن ادا شناس عشق
 یہ بھی تری طرح کبھی رُخ سے نقاب الٹ نہ دے
 فتنہ روزگار میں ہے یہی رازِ عافیت



جلوہ آفتاب بن، ذرہ میں روشنی نہ دیکھ
 آگ دبی ہوئی نکال، آگ بجھی ہوئی نہ دیکھ
 ایک جگہ ٹھہر نہ جا، غور سے ٹو کبھی نہ دیکھ
 اُس کی خوشی خوشی سمجھ، اپنی خوشی خوشی نہ دیکھ!
 ہاں مگر اس قدر کہ بس، ایک ہی رُخ کبھی نہ دیکھ
 زہبتِ شوق کی قسم، فرصتِ زندگی نہ دیکھ
 دیکھ کے ایک بار پھر بارِ دگر کبھی نہ دیکھ
 عشق کا ہے یہ فیصلہ، آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ
 اپنے سوا کسی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ
 ساز کی نغسگی ہی کیا، ساز کی نغسگی نہ دیکھ
 رہرو منزلِ سلوک، اپنی طرف ابھی نہ دیکھ
 اپنے کو زندگی بنا، جلوہ زندگی نہ دیکھ
 دستِ کرم بڑھائے جا، غیر کی دشمنی نہ دیکھ

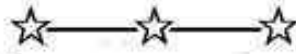
عشق فنا کا نام ہے، عشق میں زندگی نہ دیکھ
 شوق کو رہنما بنا، جو ہو چکا، کبھی نہ دیکھ
 جلوہ رنگ رنگ کی، دیکھ، ہما ہی نہ دیکھ
 شوق کا مرثیہ نہ پڑھ، عشق کی بے بسی نہ دیکھ
 یہ تو نہیں کہ آنکھ کو دعوتِ ماسوا نہ دے
 دل کی لگی بڑھائے جا، تیز قدم اٹھائے جا
 حُسنِ مجاز سے گذر، یعنی جو تجھ سے ہو سکے
 حُسن کا ہے یہ مقتضی، دیکھ تو دیکھتا ہی رہ
 تو ہی کمالِ عشق ہے، تو ہی کمالِ حُسن ہے
 تُو ہی تمام نغمہ ہے، تُو ہی تمام نغمہ بن
 پہلے جہانِ رنگ و بو، تا بہ کمال دیکھ جا
 موت و حیات میں ہے صرف ایک قدم کا فاصلہ
 ہے یہی عین دوستی، اپنی طرف سے، اے جگر!



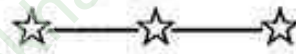
پاس رہتا ہے، دُور رہتا ہے
 کب دلِ ناصُور رہتا ہے؟
 اب تو چہرے پہ نور رہتا ہے

دل میں اک رشکِ حُور رہتا ہے
 میں تو رکھوں ہزار پہلو میں!
 ہو گیا کیا مُریدِ نئے زاہد؟

پوچھنا ہے یہ اُن نگاہوں سے عشق کیوں ناصُور رہتا ہے؟
چشمِ ساقی کی خیر ہو، یا رب! بے پئے ہی سرور رہتا ہے
عشق مرنے پہ بھی نہیں مٹتا یہ تعلق ضرور رہتا ہے
وہی آہیں، وہیں ہوں میں، لیکن
اب دُھواں دور دور رہتا ہے



سُن تو اے دل یہ برہمی کیا ہے؟ آج کچھ درد میں کمی کیا ہے؟
دیکھ لو! رنگِ رُوئے ناکامی! یہ نہ پوچھو، کہ بے کسی کیا ہے
اپنی ناکامی طلب کی قسم!! عین دریا ہے، فشگی کیا ہے
جسمِ محدود، رُوحِ لا محدود پھر یہ اک ربطِ باہمی کیا ہے
اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں زورِ بازوئے بے کسی کیا ہے
ہم نہیں جانتے محبت میں! رنج کیا چیز ہے، خوشی کیا ہے
اک نفسِ خلد، اک نفسِ دوزخ
کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے؟



اک شوقِ دید بے حد سب کچھ دکھا رہا ہے کوئی نہ آ رہا ہے، کوئی نہ جا رہا ہے
غمِ عشق کے خزینے خوش خوش لٹا رہا ہے اس ہاتھ کھورہا ہے، اُس ہاتھ پا رہا ہے
آنکھیں بنی ہوئی ہیں میخانہِ تصوّر اک مست آ رہا ہے، اک مست جا رہا ہے
ہم کو کیا اس سے مطلب، ناصح کو کیا شکایت میرا مٹانے والا مجھ کو مٹا رہا ہے
معراجِ شوق کہئے یا حاصلِ تصوّر جس سمت دیکھتا ہوں، تو مُسکرا رہا ہے
منتِ گزار ہوں میں، اے عشقِ ناشکیبا! دل تیرے نشتروں سے تسکین پا رہا ہے
اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم اک رنگ آ رہا ہے، اک رنگ جا رہا ہے
جب حُسن و عشق دونوں رویا کریں گے مجھ کو
وہ بھی جگرِ زمانہ نزدیک آ رہا ہے



اُسے حال و قال سے واسطہ، نہ غرض مقام و قیام سے
جسے کوئی نسبتِ خاص ہو، ترے حسنِ برقِ خرام سے

مجھے دے رہے ہیں تسلیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے
 کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے
 کہوں کیا؟ رہا جو مقابلہ، خطراتِ گام بہ گام سے
 سرِ بامِ عشق تمام تک، رہ شوقِ نیم تمام سے
 نہ غرض کسی سے، نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
 ترے ذکر سے، تری فکر سے تری یاد سے، ترے نام سے
 مرے ساقیا، مرے ساقیا! تجھے مرحبا، تجھے مرحبا!
 تُو پلائے جا، تُو پلائے جا، اسی چشمِ جام بہ جام سے
 تری صبحِ عیش ہے کیا بلا؟ تجھے اے فلک! جو ہو حوصلا
 کبھی کر لے آ کے مقابلہ، غمِ ہجر یار کی شام سے
 مجھے یوں نہ خاک میں تُو ملا، میں اگرچہ ہوں ترا نقشِ پا
 ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرے شوقِ نامِ بنام سے
 تری چشمِ مست کو کیا کہوں کہ نظرِ نظر ہے فسوں فسوں
 یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں، اسی ایک گردشِ جام سے
 یہ کتابِ دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا جو ہیں نسبتیں
 مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقشِ ہائے خرام سے
 مجھے چاہیے وہی ساقیا! جو برس چلے، جو چھلک چلے
 ترے حُسنِ شیشہ بدست سے، تری چشمِ بادہ بجام سے
 جو اٹھا ہے درد، اٹھا کرے، کوئی خاک اس سے گلہ کرے
 جسے ضد ہو حُسن کے ذکر سے، جسے چڑ ہو عشق کے نام سے
 وہیں چشمِ خور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی
 کبھی یک بیک جو چھلک گئی، کسی رندِ مست کے جام سے
 تو ہزار عذر کرے، مگر ہمیں شک ہے اور ہی کچھ جگر!
 ترے اضطرابِ نگاہ سے، تری احتیاطِ کلام سے



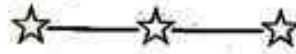
اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی ہو چلا ہے مری صورت سے نمایاں کوئی
 بچھپ کے رہتا ہے کہیں رازِ گلستاں کوئی؟ غنچے غنچے کی زباں سے ہے گل افشاں کوئی

اب اسے وصل کہے یا غم ہجراں کوئی
اس طرح آج سے محسوسِ رگِ جاں کوئی
خیر ہے آپ نے کیوں غیظ میں تیور بدلے؟
کیا وہ نظروں کا مری حسنِ تلاطم سمجھے
چشمِ دیوانگی شوق یہاں بھی نہ کھلی!
عشق بھی رنگِ تعین کا اٹھا دے پردہ
بے حقیقت نہ سمجھ ناصحِ ناداں ان کو
شوق نے توڑ دیئے وہ بھی جو باقی تھے قیود
اور کیا چاہتی ہے، بلبلِ شوریدہ مزاج؟
یک بیک سامنے آیا نہ کرو بے پردہ
غنجِ اس کے ہیں گل اس کے ہیں، بہدیس اس کی
نگہ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا
اللہ اللہ! مرے جوشِ جنوں کی لہریں
چاہیئے تیرے تصور سے بھی ایسے میں گریز
ہائے وہ حسن کا انداز کہ جس وقت جگر
عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی



نظرِ فروز رہے، سامعہ نواز رہے
کہاں جمالِ حقیقت؟ کدھر مجاز رہے؟
ہمیں وہ اب ہیں، بوکھلے ہوئے سے پھرتے ہیں
الہی! اس دلِ راز آشنا کو کیا کہئے؟
نفس کے پردے میں بھی ہے اسی کا عکسِ جمال
کھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں
جبینِ سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی
ترے سوا تری محفل سے کیا غرض مجھ کو
تری امامتِ غم کا تو حق ادا کر لوں
ترے بغیر تو جینا روا نہیں لیکن
زہے مجاز کہ وہ زینتِ مجاز رہے!
جو تیرے رخ پہ نہ حائلِ حجابِ ناز رہے
ہمیں وہ تھے کہ ترے رازدارِ راز رہے
جو اس طرح سے بھی نا آشنائے راز رہے
بہت نہ سوزِ محبت نفسِ گداز رہے
جو تجھ سے دُور رہے، آشنائے راز رہے
وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے
خروشِ نغمہ رہے یا سکوتِ ساز رہے
خدا کرے، شبِ فرقت ابھی دراز رہے!
میں کیا کروں، جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

جراثیں دل بسمل کی رُوح تک پہنیں دراز دستی قاتل، ابھی دراز رہے
یہ حکم خاص ہے ساقی کا آج محفل میں
جگر سا ایک بھی کافر نہ پاک باز رہے



کچھ اس طرح وہ پس پردہ مجاز رہے
نہ کوئی راز رہا ہے، نہ کوئی راز رہے
تری نگہ جو اسی طرح گرم ناز رہے
خطا معاف، کسی اور کا تُو ذکر ہی کیا
جنونِ سجدہ کو کیا اہلِ ہوش سے مطلب؟
یہاں تو کام ہے اک نشترِ توجہ سے
محبت اصل حقیقت، محبت اصل مجاز
جبین و سجدہ کی توہین ہے جبیں سائی
ترے ثار! عطا کر وہ اک لطیف خلش
نگاہِ ناز سے چھلکا رہا ہے نئے کوئی
زمانہ آج ہی غرقِ شراب تھا، زاہد!
دکھاؤں عشق کی خود داریاں جگر! میں بھی

جو ایک بات پہ قائم غرورِ ناز رہے



ملا کے آنکھ نہ محروم ناز رہنے دے
میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر
ترے ہی شیوہ عاشق کشی کی تجھ کو قسم
ہٹا نہ سینہ عاشق سے رُخ کسی جانب
گلے سے تیغ ادا کو جدا نہ کر قاتل!
یہ تیر ناز ہیں، تُو شوق سے چلائے جا
قتیلِ غمزہ خوں ریز ہوں، قصور معاف!
تجھے قسم، جو مجھے پاک باز رہنے دے
یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے
اسی طرح مژہ ہائے دراز رہنے دے
نگاہِ ناز کو نشترِ نواز رہنے دے
ابھی یہ منظرِ راز و نیاز رہنے دے
خیالِ خاطرِ اہلِ نیاز رہنے دے
اشارہ نگہ دل نواز رہنے دے

بجھا نہ آتش پنہاں کرم کے چھینٹوں سے
دل جگر کو بجسم گداز رہنے دے



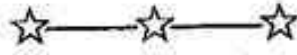
مجھے ہلاک فریب مجاز رہنے دے
یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر
میں رازِ عشق کو بیگانہ جہاں رکھوں
خدا نے دی ہے یہ نعمت تو رکھا سے بے عیب
یہ بات کیا کہ حقیقت وہی، مجاز وہی
یہ جان ایک بلا نوش کی ہے، اے ساقی!
یہ خانقاہ نہیں، پی بھی جا، ارے زاہد!
ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن
اسے نہ آئینہ سمجھو، وہ اور ہی شے ہے
لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے
گذرتی ہے جو دلِ عشق پر، نہ پوچھ جگر
یہ خالص رازِ محبت ہے، راز رہنے دے



حال بھی، ماورائے حال بھی ہے
پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں
کرتے جاتے ہیں صاف غدیرِ کرم
دل کے ہر اضطراب نازک میں
ہر ستم ہے کرم کے پردے میں
رہ گئے محو یک نظر ہو کر
دور ہٹنا نہ منزلِ دل سے
چھائے جاتے ہیں زردِ دل بن کر
حسن کے ہر جمال میں پنہاں،
دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں

عشق ممکن بھی ہے، محال بھی ہے
جاننا ہوں، مرا خیال بھی ہے
اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے
شانِ بیتابیِ جمال بھی ہے
اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے
اس کے فرصتِ خیال بھی ہے
وصل بھی ہے، یہیں وصال بھی ہے
اس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے
میری رعنائیِ خیال بھی ہے
کچھ خوشی بھی ہے، کچھ ملال بھی ہے

لاکھ رسوا سہی جگر، لیکن
خوش نظر بھی ہے، خوش خیال بھی ہے



کیا خاک سیر کیجئے دنیائے رنگ و بو کی
یہ حدِ آخری ہے عاشق کی جستجو کی
تم دل اسے سمجھ لو، یا جان آرزو کی
اللہ شرم رکھ لے، تو میرے جنگِ بو کی
تو وہ بہارِ تازہ، دنیائے رنگ و بو کی
طے منزلیں ہوئی ہیں یوں عشق و آرزو کی
اب کیا جواب دوں میں، کوئی مجھے بتائے
یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے
پھر دِلنوازیں ہیں، پھر چارہ سازیاں ہیں
ہاں نشترِ نوازش! اک اور بھی اشارہ
مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں
ناکام جستجو سب فریاد کر رہے ہیں
وہ ایک گوشہٴ دل جس میں ہیں لاکھ شکوے
آئے مرے مقابل جس کو ہو زعمِ تمکین
عالم سے چھپنے والے! معلوم تیرا چھپنا
پردہ جب اٹھ گیا ہے، دیکھا یہی ہے اکثر
مجرم بنا ہوا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں
راتیں گزارتے ہیں یوں بیکسانِ فرقت
دل خود بھی تنگ ہے اب، لیکن علاج اس کا
عین شگستگی ہی حسنِ شگستگی ہے

تو خوب جانتا ہے، اور جان و دل کے مالک!

ہر حال میں جگر نے تیری ہی آرزو کی



یہ مے کشی ہے تو پھر شانِ مے کشی کیا ہے؟
 بس ایک سمت اڑا جا رہا ہوں وحشت میں
 میں زہر مرگ گوارا کروں کہ نخی زیست
 لبوں پر موجِ تبسم، نگہ میں برقِ غضب
 کسے مجال کہ افشائے رازِ یار کرے
 ستم کشانِ محبت سے کوئی پوچھے تو
 کہاں کی خانقہ و مسجد و کنشت و بہشت
 یہ درس میں نے لیا ملکِ محبت سے
 بہک نہ جائے جو پی کر، وہ رند ہی کیا ہے؟
 خبر نہیں کہ خودی کیا ہے، بیخودی کیا ہے؟
 مری خوشی تو ہے سب کچھ، تری خوشی کیا ہے؟
 کوئی بتائے، یہ اندازِ برہمی کیا ہے؟
 یہ زندگی ہی سے سمجھ کہ زندگی کیا ہے؟
 اُمید پر ہے بھروسہ، امید ہی کیا ہے؟
 فقیر ہوں، مرے ساتی کے گھر کی کیا ہے؟
 کسی طرح جو بہل جائے، زندگی کیا ہے؟

اسی کے واسطے مے بھی ہے، مے کشی بھی جگر
 خبر نہیں جسے مے کیا ہے؟ مے کشی کیا ہے؟



شائستہ غرورِ تمنا نہ کیجئے
 تسکینِ مضطرب کا مداوا نہ کیجئے
 محدود وصلِ شوق کی دُنیا نہ کیجئے
 رعنائیِ خیال کو رُسوا نہ کیجئے
 کیا جانئے، کب آہ کی تاثیر جاگ اُٹھے!
 کافی ہے اک نگاہِ کرم التجا کے بعد
 موسیٰ کی طرح کون سے لن ترانیاں؟
 یا دیکھ کر نہ دیکھئے کچھ ماسوائے دوست
 دیوانہ کر کے دیجئے پھر مجھ کو اذانِ ہوش
 ماتم گسار کون ہے اب دل کی لاش پر؟
 تاثیرِ شوق و یاس کا پردا اُلٹ نہ دے
 ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوتِ نگاہ
 یوں چشمِ شوق دیکھ ہی لیتی ہے کچھ نہ کچھ
 ایسی نگاہ سے مجھ دیکھا نہ کیجئے
 وعدہ تو کیجئے مگر ایفا نہ کیجئے
 مری جائیے، یہ نگ گوارا نہ کیجئے
 ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجئے
 گہری نگاہ سے مجھے دیکھا تو کیجئے
 تازہ کوئی فسوں تماشا نہ کیجئے
 بے عیب ہے جو حسن، تو پروا نہ کیجئے
 یا دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجئے
 ہشیار کر کے پھر مجھے دیوانہ کیجئے
 کہتے نہ تھے کہ خونِ تمنا نہ کیجئے
 اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہ کیجئے
 کیا کیجئے جو تیری تمنا نہ کیجئے؟
 پردے کا ہے خیال تو پردا نہ کیجئے

تفسیرِ حسن و عشق، جگر! مصلحت نہیں

افشائے رازِ قطرہ و دریا نہ کیجئے!



محبت میں جدھر دیکھو، بہارِ جاودانی ہے
جنونِ عشق میں حاصل یہ لطفِ زندگانی ہے
ترے سر کی قسم، تجھ سا ہی اک محبوبِ ثانی ہے
خدایا، خیر کرنا، نبضِ بیمارِ محبت کی
کسی کو آج مجبورِ ترنم کر بھی دے، اے دل!
الہی! بھیج دے ایسے میں اس جانِ تمنا کو
تجھے اے عشقِ سینے سے لگاؤں دیدہ و دل سے
یہ بتلا اور کچھ تیرے سوا کونین میں بھی ہے
نہ کر آلودہ لفظ و بیاں شرحِ محبت کو
ترے حسنِ حیاتِ افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
الہی، شرم تیرے ہاتھ ہے آدابِ محفل کی!
لئے پھرنا ہوں اک تصویرِ حسرتِ اپنی آنکھوں میں
انہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا، ظالم!
ترے جورِ مسلسل کی قسم، او پوچھنے والے!
جگر کے حال پر تیرا کرم ہے، مہربانی ہے



جنونِ عشق کا اتنا تو حق ادا کرتے
حیاتِ درد سہی، پھر بھی آہ کیا کرتے!
تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے
محبتِ اصلِ حقیقت ہے، اس کو کیا کرتے؟
وہ ہنس رہے ہیں مرے حال پر، ہنسا کرتے
نہ تھا پسند کہ محرومِ التجا کرتے
یہ کیا مجال کہ ہم ترکِ التجا کرتے
نمازِ عشق یہاں ہے نفسِ نفسِ جاری
یقین کرو کہ تمہاری جگہ جو ہم ہوتے
دل ایک شلبدِ معنی سہی، مگر پھر بھی
حجاب نے انہیں رکھا حجاب میں، ورنہ

اسے بھی اپنی طرح عالم آشنا کرتے
فنا کی چیز جو ہوتی، تو ہم فنا کرتے
پھر اپنی شرحِ محبت جدا جدا کرتے
ہم التجا جو نہ کرتے، وہ التجا کرتے
یہ بہ رہے ہیں جو آنسو، یونہی بہا کرتے
وگرنہ دل وہ کسی کا پسند کیا کرتے
دہن کو سی بھی جو لیتے، نظر کو کیا کرتے
کبھی ادا ہی نہ ہوتی، اگر قضا کرتے
محبوتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے
تمہارے سامنے ہم بے نقاب کیا کرتے؟
جب آتے سامنے، اپنا ہی سامنا کرتے

وہ عرضِ شوق پر، اے کاش! اور کچھ نہ سہی نگاہِ نیچی کئے مُسکرا دیا کرتے
 نہ انتہا ہے، نہ کچھ ابتدا محبت کی جو انتہا کوئی ہوتی تو ابتدا کرتے
 نہیں جو وصلِ میتر، نصیبِ ہجر تو ہے
 ہم اتنے فرق کا اُن سے ملال کیا کرتے



عشق کی حد سے نکلتے، پھر یہ منظر دیکھتے
 غنچہ و گل دیکھتے، یا ماہ و اختر دیکھتے
 دُور جا کر دیکھتے، نزدیک آ کر دیکھتے
 فطرتِ مجبور پر قابو ہی کچھ چلتا نہیں
 پھر وہی حسرت ہے ساقی پھر اسی انداز سے
 میرے چُپ رہنے پہ کیا وہ باز رہتے، چھیڑ سے
 عشق سرتا پا نظر، نازک مزاجِ حسنِ دوست
 مل گئیں نظروں سے نظریں، اور مل کر رہ گئیں
 تشنگانِ دیدِ جلوہ میں ہمیں سمجھا ہے کیا؟
 مرثا اک بات پر کس آن سے، کس شان سے
 زلبدِ مسجدِ نشیں ہے اور اک ٹوٹا سا ظرف
 وائے محرومی قسمت! رہ گئی حسرت یہی
 ہائے وہ چہرہ اور اس میں وہ تڑپتی بجلیاں
 دمِ نچوڑ ہیں حضرت زاہد یہیں تک دیکھ کر

کاش! حُسنِ یار کو، ہم حُسنِ بن کر دیکھتے
 تم نظر آتے ہمیں، ہم کوئی منظر دیکھتے
 ہم سے ہو سکتا تو ہم ان کو برابر دیکھتے
 ورنہ ہم تو تجھ سے بھی تجھ کو چھپا کر دیکھتے
 پھر سوا ساغر کے سب کچھ غرقِ ساغر دیکھتے
 مُسکرا کر دیکھتے، پھر مُسکرا کر دیکھتے
 دیکھتے بھی ہم اگر اس کو تو کیونکر دیکھتے؟
 چشمِ ساقی دیکھ کر کیا جام و ساغر دیکھتے؟
 تم اگر صورت دکھاتے، جان دے کر دیکھتے؟
 آپ اگر ایسے میں ہوتے، دل کے تیور دیکھتے
 میکدے میں اہتمامِ جام و ساغر دیکھتے
 ایک دن تو ہم انہیں اپنے میں آ کر دیکھتے
 کاش اک دن پھر اسے گستاخ بن کر دیکھتے
 ہوش اُڑ جاتے، اگر شیشے سے باہر دیکھتے

یا مذاقِ دید کی تہمت نہ لیتے، اے جگر!
 یا مجسمِ دل، سراپا آنکھ بن کر دیکھتے!



کیا برابر کا محبت میں اثر ہوتا ہے؟
 ہم نے کیا کچھ نہ کیا، دیدہ و دل کی خاطر؟
 دل تو یوں دل سے ملایا کہ نہ رکھا میرا
 میں گنہگارِ جنوں، میں نے یہ مانا، لیکن
 تو نے دیکھا ہی نہیں، تجھ سے کہوں کیا نا صح
 دل ادھر ہوتا ہے ظالم نہ ادھر ہوتا ہے
 لوگ کہتے ہیں دُعاؤں میں اثر ہوتا ہے
 اب نظر کے لئے کیا حکمِ نظر ہوتا ہے؟
 کچھ ادھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے
 وہ جو مخصوص اک اندازِ نظر ہوتا ہے

کون دیکھے اسے بیتابِ محبت، اے دل!
تو وہ نالے ہی نہ کر، جن میں اثر ہوتا ہے



ستم ایجاد کرتے ہو، کرم ایجاد ہوتا ہے
”ہم اُس کے ہیں جو ہم پر ہر طرح برباد ہوتا ہے“
بتاؤں کیا، جو میرا عالم فریاد ہوتا ہے
کہ نظریں قید ہوتی ہیں تو دل آزاد ہوتا ہے
ادھر آباد ہوتا ہے، ادھر برباد ہوتا ہے
کبھی پہلے بھی دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے
جو خود آزاد، جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے
زبانِ حُسن سے ایسا بھی کچھ ارشاد ہوتا ہے
کوئی اپنی خوشی سے خانماں برباد ہوتا ہے؟
مگر وہ شرمِ آزادی سے بھی آزاد ہوتا ہے
کہ جیسے اب لبِ نازک سے کچھ ارشاد ہوتا ہے

خوشا بیدار! خونِ حسرت بیدار ہوتا ہے
بظاہر کچھ نہیں کہتے مگر ارشاد ہوتا ہے
مرے ناشادر بنے پروہ جب ناشاد ہوتا ہے
یہی ہے رازِ آزادی، جہاں تک یاد ہوتا ہے
دلِ عاشق بھی کیا مجموعہ اضداد ہوتا ہے
وہ ہر اک واقعہ جو صورتِ افتاد ہوتا ہے
بڑی مشکل سے پیدا، اک وہ آدم زاد ہوتا ہے
نگاہیں کیا کہ پہروں دل بھی واقف ہو نہیں سکتا
تمہیں ہو طعنہ زن مجھ پر تمہیں انصاف سے کہہ دو
یہ مانا تنگ پابندی سے کیا آزاد کو مطلب؟
تصور میں ہے کچھ ایسا تری تصویر کا عالم

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی!

سناتا جا رہا ہے، جس کو جتنا یاد ہوتا ہے



اب تو جو مہرباں ہے، دل مہرباں نہیں ہے
شاید مرے دہن میں میری زباں نہیں ہے
دُنیا مری نظر میں اب تک جواں نہیں ہے
یعنی جہاں ابھی تھی، دُنیا وہاں نہیں ہے
ظاہر میں دیکھئے تو کوئی نشان نہیں ہے
کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے
عینِ مشاہدہ ہے، وہم و گماں نہیں ہے

یوں بھی نیچے۔ تو حاصل آرامِ جاں نہیں ہے
جو داستاں ہے اپنی، افسانہ ہے کسی کا
ہاں اے جمالِ جاناں! اک اور بھی تجلی
ہر لحظہ کہہ رہا ہے، یہ انقلابِ فطرت
دل کی جراحوں کو کچھ دل ہی جانتا ہے
شاید تری نظر سے کچھ رازِ دل سمجھ لوں
جو کچھ میں دیکھتا ہوں، میری نظر سے دیکھو

تیرے کرم کے صدقے، کر لے ستم بھی شامل
دل شادماں ہے لیکن غم شادماں نہیں ہے



دل ترے عشق میں ناشاد بھی ہے، شاد بھی ہے
اب بھی کیا دل کو نہ سمجھو گے سزا وار سزا
تم میری آنکھ سے دیکھو تو یہ دنیائے جمال
ہر وہ ناچیز سا ذرہ جسے تم دیکھتے ہو
تم جو ایسے میں چلے آؤ تو رولوں دم بھر
یہی نغمہ، یہی فریاد، یہی یاد بھی ہے
بجرم شوق بھی ہے ملزم فریاد بھی ہے
ہائے کیا چیز مرا عشق خدا داد بھی ہے!
اُس کو سن لو تو یہ نغمہ بھی ہے، فریاد بھی ہے
صبح کا وقت بھی ہے، خاطر ناشاد بھی ہے

اب کہاں، آہ، مجھے فرصت یک لحظہ جگر؟

سینہ عشق بھی ہے، نشتر فریاد بھی ہے



وہ کون ہے ایسا کہ تری شکل دکھا دے
ہاں، جذبِ غمِ عشق کی تاثیر دکھا دے
تو چاہے تو اے جلوۂ اعجازِ محبت
تو حسن ہے، میں عشق ہوں، تو جاں ہے، میں جسم
اے جانِ دو عالم! ترے عالم کے تصدق
احسان ہے اس کا جو مجھے مجھ سے ملا دے
محبور نہ بنِ حسن کو مجبور بنا دے
تصویر کو تصویر کا دیوانہ بنا دے
کس کی ہے یہ طاقت کہ مجھے تجھ سے چھرا دے؟
اپنا جو بنایا ہے، تو اپنا سا بنا دے

جنت میں بھی ایسا تو نہ ہو گا گلِ خنداں

اے زخمِ جگر! نیتِ قاتل کو دُعا دے



کیوں دُور ہٹ کے جائیں ہم دل کی سرزمین سے
یہ راز سن رہے ہیں اک موجِ تہ نشیں سے
خونِ وفائے بسمل، جرمِ نگاہِ قاتل
اس چشمِ خشک سے تم چھیڑیں تو کر رہے ہو
انکار اور اس پر اصرار، وہ بھی پیہم
اب کیا بتاؤں کیا کیا عالم گزر رہے ہیں!
دُلوں جہاں کی سیریں حاصل ہیں سب یہیں سے
ڈوبے ہیں ہم جہاں پر، ابھریں گے پھر وہیں سے
ظاہر تو ہر جگہ ہے، ثابت نہیں کہیں ہے
تڑپے نہ موجِ کوئی دریائے آستیں سے
تم مجھ کو چاہتے ہو، ثابت ہوا یہیں سے
میرے دلِ حزیں پر، میرے دلِ حزیں سے

یوں آج مل رہا ہے جانِ جگر سے کوئی!

جس طرح مل رہا ہو کوئی حسین، حسین سے

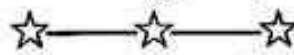


اے حسنِ یارِ شرم، یہ کیا انقلاب ہے
جب تک شبابِ عشق مکمل شباب ہے
تجھ سے زیادہ دردِ ترا کامیاب ہے
پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے

جو خود نہ زندگی ہو نہ پیغامِ زندگی!
عاشق کی بے دلی کی تغافل نہیں جواب
تیری عنایتیں کہ نہیں نذرِ جاں قبول
اے حسن! اپنی حوصلہ افزائیاں تو دیکھ
میں عشقِ بے پناہ ہوں، تم حسنِ بے پناہ
میخانہ ہے اسی کا، یہ دُنیا اسی کی ہے
اُس سے دلِ تباہ کی رُو داد کیا کہوں؟
انے محسب! نہ پھینک، مرے محسب! نہ پھینک
اپنے حُذُود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں
وہ لاکھ سامنے ہوں مگر اس کا کیا علاج؟
میری نگاہِ شوق بھی کچھ نہیں، مگر
مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے؟
میں اس کا آئینہ ہوں، وہ ہے میرا آئینہ
تنہائیِ فراق کے قربان جائے

سرمایہِ فراقِ جگر! آہ کچھ نہ پوچھ

اک جان ہے سواپنے لئے خود عذاب ہے



سُختا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے
زاہد مگر اس رمز سے آگاہ نہیں ہے
جس دل میں تری یاد ہے، تو صدرِ نشیں ہے
وہ آئے ہیں، اسے دل! ترے کہنے کا یقین ہے
جس رنگ میں دیکھو اسے، وہ پردہ نشیں ہے
ہر ایک مکاں میں کوئی اس طرح مکیں ہے
نزدیک ہو یا دُور، جہاں تم ہو وہیں ہے
یہ دل ہے ترا دل، مجھے کیا تابِ تصرف
میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو ہجر میں بیتاب
اس طرح نہ ہو گا کوئی عاشق بھی تو پابند

جس حال میں ہوں، اب مجھے افسوس نہیں ہے
سجدہ وہی سجدہ ہے کہ جو تنگِ جبیں ہے
وہ دل بھی حسیں، اس کی محبت بھی حسیں ہے
لیکن میں کیا کروں، مجھے فرصت ہی نہیں ہے
اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے
پوچھو تو کہیں بھی نہیں، دیکھو تو یہیں ہے
عاشق وہی عاشق ہے، جو مجبور نہیں ہے
تو دیکھ لے، جو چیز جہاں پر تھی، وہیں ہے
ہر سانس کے ساتھ آج اک آوازِ حزیں ہے
آوازِ جہاں دو اُسے، وہ شوخ وہیں ہے

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادائیں
کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے، کیا ربط ہے، کیا ضبط
ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان
میں بے اثر جذبِ محبت سہی، لیکن
میں اور ترے جبرِ جفا کار کے صدقے
معلوم ہیں اس سحر نگاری کے کرشمے!
اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا؟
دُنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے
سجدہ ہے جبین میں، کبھی سجدہ میں جبین ہے
میری نگہِ شوق بھی، کیا شوخ حسیں ہے!
کیا کم ہے، وہ میرے لئے بیتاب نہیں ہے
اس بات پہ جیتا ہوں کہ مرنے کا یقین ہے
دُنیا میرے نزدیک جو ہے بھی، تو نہیں ہے
نغموں کا تِلاطم تو ہے، آواز نہیں ہے
کس کس سے ترے عشق میں دامن کو چھڑاؤں؟
کونین ہے اور ایک مری جانِ حزیں ہے



تڑپ کر انہیں تڑپا رہا ہے
عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے
یہ کیا دل پہ عالم چھا رہا ہے
نگاہوں سے نگاہیں لڑ رہی ہیں (قطعہ)
پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا!
وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں
گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں
وہ کچھ دل کو مرے سمجھا رہے ہیں
وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں
ازل ہی سے چمن بندِ محبت (قطعہ)
کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے
قیامت پہ قیامت ڈھا رہا ہے
حسیں جیسے کوئی شرما رہا ہے
کہ تجھ سے مل کے بھی گھبرا رہا ہے
برابر آ رہا ہے، جا رہا ہے
جہانِ آرزو، شہزادہ رہا ہے
محبت کا زمانہ آ رہا ہے
کچھ اُن کو دل مرا سمجھا رہا ہے
مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے
یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے
وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے



طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے
مری زودادِ غم وہ سن رہے ہیں
سنجھل بیٹھیں حریفانِ شہادت
غمِ دل کو خدا آباد رکھے!
ملا ہے آج اذنِ باریابی!!
زمانہ ہے کہ گورا جا رہا ہے
تقسیم سا لبوں پر آ رہا ہے
زباں پر نامِ قاتل آ رہا ہے
نشاطِ سرمدی برسا رہا ہے
ہر اک پردہ اٹھایا جا رہا ہے

جگر ہی کا نہ ہوا فسانہ کوئی
در و دیوار کو حال آ رہا ہے

☆—☆—☆

دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے
جو بجائے خود، آہ ہوتی ہے ہائے وہ کیا نگاہ ہوتی ہے
میرے غم خانہ مصیبت کی چاندنی بھی سیاہ ہوتی ہے
اک نظر دل کی سمت دیکھ تو لو کیسی دُنیا تباہ ہوتی ہے
حُسنِ جاناں کی منزلوں کو نہ پوچھ ہر نفس ایک راہ ہوتی ہے
کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں (قطعہ) ایسی حالت تباہ ہوتی ہے
سانس لیتا ہوں، دم اُلجھتا ہے بات کرتا ہوں، آہ ہوتی ہے

☆—☆—☆

جو اُلٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں اک شکستہ سی آہ ہوتی ہے
یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے دیکھو دُنیا تباہ ہوتی ہے
وقفہ ہوشِ عشق، آہ، نہ پوچھ! فرصت یک نگاہ ہوتی ہے
آہ پیہم ہے تھا مدارِ حیات وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے
وہ بھی ہے اک مقامِ عشق جہاں ہر تمنا گناہ ہوتی ہے
وہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے
حاصلِ حسن و عشق اسے سمجھو وہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے
ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے مُسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے
ہم سے پوچھو، تو عشق کی بھی نگاہ سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
حسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

درد بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر!
یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

☆—☆—☆

خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے
مست، بخود، عاقل و ہشیار، جو چاہے کرے
اس نے یہ کہہ کر دیا دل کو فریبِ جستجو
تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں
تُو نے جو چاہا کیا، اے یار! جو چاہے کرے
شوخی طرزِ تپاک یار، جو چاہے کرے
حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے
آپ کی یہ حسرتِ دیدار جو چاہے کرے

ہر حقیقت حُسن کی ہے، بے نیاز اعتراف
اب کوئی اقرار یا انکار، جو چاہے کرے



عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے
خوب روئے فراق میں اے دل کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے
فطرتِ عشق لاکھ پتھر ہو اک نہ اک دن پکھل ہی جاتی ہے
موجِ خوں ہو کر موجِ بادۂ ناب جوش کھا کر اچھل ہی جاتی ہے
ہم سے ایسی چلی، کہ بس توبہ!
ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے



کیا بتائیں عشق ظالم کیا قیامت ڈھائے ہے یہ سمجھ لو، جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے
جب نہیں تم تو تصور بھی تمہارا کیا ضرور؟ اس سے بھی کہہ دو کہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے
ہائے، وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آجائے ہے
کس طرف جاؤں؟ کدھر دیکھوں، کسے آواز دلوں؟
اے ہجومِ نامرادوں! جی بہت گھبرائے ہے



گن کہتے ہیں جلوں کی یہ کثرت نظر آئی اللہ کو اللہ کی صورت نظر آئی
جب دل پہ نظر کی، تری صورت نظر آئی آغوشِ محبت میں محبت نظر آئی
ہو گا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی



ہر اک سے بیگانہ بن رہے ہیں، کسی کی جانب نظر نہیں ہے
خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے
فراق بھی ہے، وصال بھی ہے، ہر ایک لحظہ، ہر ایک ساعت
فراق کیا ہے، وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے، خبر نہیں ہے
تجھے نہیں مجھ سے رابطہ اصلاً، یہ میں نے مانا، مگر یہ بتلا
مرے تصور میں کیوں ہے ایسا، تری توجہ اگر نہیں ہے

مری یہ ہستی، مری یہ طاقت، کہ تیر دل دوزِ عشق روکوں
مری طرف سے یہ کون ہے پھر، جو خود وہ سینہ پر نہیں ہے
شابِ میکش، جمالِ میکش، خیالِ میکش، نگاہِ میکش!
خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی؟ انہیں خود اپنی خبر نہیں ہے



نظر سے حُسنِ دو عالم گرا دیا تُو نے
کمالِ حُسن کا عالم دکھا دیا تُو نے
جوابِ حُسنِ طلب اور کیا دیا تُو نے؟
فنائے عشق کو رنگِ بقا دیا تُو نے
ہزار جانِ گرامی فدا بایں نسبت!
یہ کیا کیا، کہ عطا کر کے عشقِ لامحدود
جمالِ حُسن کی ہلکی سی لہر دوڑا کر!!
ہزار دل کو مٹا کر، دیا مجھے اک درد
خوشا وہ دردِ محبت، زہے وہ دل کہ جسے!
نہ جانے کونسا عالم دکھا دیا تُو نے
جراغِ سامنے رکھ کر بجھا دیا تُو نے
تمام شکوہ شکایت بنا دیا تُو نے
حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تُو نے
کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تُو نے
مجھے حریفِ مقابل بنا دیا تُو نے
نفسِ نفس کو مرے جگمگا دیا تُو نے
اس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تُو نے
ذرا سکون ہوا، گدگدا دیا تُو نے
ہر ایک دل کو عطا کر کے مدعائے حیات
جگر کو اک دل بے مدعا دیا تُو نے



شوقِ گستاخ کا چہرے پر اثر دیکھ نہ لے
لبِ تو خلوت میں بھی اٹھتی نہیں چہرے سے نقب
ڈر رہا ہوں کہ وہ سفاک ادھر دیکھ نہ لے
ڈر یہ ہے کوئی پس پردہ در دیکھ نہ لے
دیکھتے ہی رہیں اس کو وہ اگر دیکھ نہ لے
دل دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ ادھر دیکھ نہ لے
اب نظرِ خاک اٹھے، عزمِ نظر کے ہمراہ
میں تو اس چھپنے کے صدقے کہ یہ لبِ ضد ہے انہیں
حُسن کو عشق کی صورت میں جگر دیکھ نہ لے



دل کو اشکوں سے جو خالی کوئی کر دیتا ہے
مست ہو جاتا ہے، بیخود مجھے کر دیتا ہے
ساقیِ غیب پھر اس جام کو بھر دیتا ہے
درد اٹھ کر تری آمد کی خبر دیتا ہے
آج پھر خونِ ہر اک زخمِ جگر دیتا ہے
تُو نے ٹانگے جو دئے تھے، وہ مگر ٹوٹ گئے

دیکھ سکتا نہیں، ساقی مری محرومی کو
جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے



وہ کافر آشنا، نا آشنا، یوں بھی ہے، اور یوں بھی
تعجب کیا؟ اگر رسم و فایوں بھی ہے، اور یوں بھی
کہیں ذرہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ، کہیں دریا
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں، ایک مقصد میری ہستی کا
ہم ان سے کیا کہیں؟ وہ جانیں ان کی مصلحت جانے
نہ پالینا ترا آساں رخ نہ کھو دینا ترا ممکن
لگا دے آگ، اور برقی بجلی! دیکھتی کیا ہے؟
الہی! کس طرح عقل و جنوں کو ایک جا کر لوں؟
مجازی! سے جگر کہہ دو! ارے او عقل کے دشمن



ترے جمال حقیقت کی تاب ہی نہ ہوئی
تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی
کہاں وہ شوخ، ملاقات خود سے بھی ہوئی
وہ ہم ہیں اہل محبت کہ جان سے، دل سے
ٹھہر ٹھہر، دل بیتاب، پیار تو کر لوں
میرے خیال سے بھی آہ! مجھ کو بعد رہا
ہم اپنی رندی و طاعت پہ خاک ناز کریں!
کوئی بڑھے نہ بڑھے ہم تو جان دیتے ہیں
تمام حرف و حکایت، تمام دیدہ و دل
فردہ خاطری عشق، اے معاذ اللہ!
تری نگاہ کرم کو بھی آزما دیکھا
کسی کی مست نگاہی نے ہاتھ تھام لیا

ہزار بار نگہ کی، مگر کبھی نہ ہوئی
وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی
بس ایک بار ہوئی اور پھر کبھی نہ ہوئی
بہت بخار اٹھے، آنکھ شبی نہ ہوئی
اب اس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی
ہزار طرح سے چاہا، برابری نہ ہوئی
قبول حضرت سلطان ہوئی ہوئی نہ ہوئی
پھر ایسی چشم توجہ ہوئی ہوئی نہ ہوئی
اس اہتمام پہ بھی شرح عاشقی نہ ہوئی
خیال یار سے بھی کچھ شگفتگی نہ ہوئی
اڈتیوں میں نہ ہوئی تھی کچھ کمی، نہ ہوئی
شریک حال جہاں میری بنخودی نہ ہوئی

صبا! یہ اُن سے ہمارا پیام کہہ دینا
وہ کچھ سہی نہ سہی، پھر بھی زاہد ناداں
گئے ہو جب سے یہاں صبح و شام ہی نہ ہوئی
بڑے بڑوں سے محبت میں کافری نہ ہوئی
کہ ہم نے آہ تو کی، اُن سے آہ بھی نہ ہوئی
خیالِ یار، سلامت تجھے خدا رکھے!
گئے تھے ہم بھی جگر جلوہ گاہِ جاناں میں
وہ پوچھتے ہی رہے، ہم سے بات بھی نہ ہوئی



زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے
ہائے بیچارگی عشق کی اس محفل میں
اور چاہیں کہ چھپالیں تو چھپائے نہ بنے
سر جھکائے نہ بنے، آنکھ اٹھائے نہ بنے
ہوش میں آکے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے
مُنہ چھپائے نہ بنے، سامنے آئے نہ بنے
ہائے وہ عالم پر شوق کہ جس وقت جگر
اُس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے



یادِ جاناں بھی عجب رُوح فزا آتی ہے
میری جانب نگہِ ہوش رُبا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے
پھر وہی ظالم مظلوم نما آتی ہے
ان جفاؤں سے تو خوشبوئے وفا آتی ہے
زیست بن بن کے میرے حق میں قضا آتی ہے
پاس ہی سے کوئی بیتاب صدا آتی ہے
نہ جفا آتی ہے جس کو نہ وفا آتی ہے
ہائے کیا چیز ہے یہ تملکہِ حسن و شباب!
اپنی صورت سے بھی اب اُن کو حیا آتی ہے

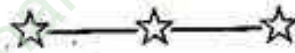


کون یہ جانِ تمنا عشق کی منزل میں ہے
وہ کچھ اس صورت سے آئے جلوہ دکھاتے ہوئے
جو تمنا دل سے نکلی، پھر جو دیکھا، دل میں ہے
میں یہ سمجھا وسعتِ کونین میرے دل میں ہے
آج حاصل کی سی عزت سخی لا حاصل میں ہے
اک سکونِ مستقل بھی اضطرابِ دل میں ہے
شاید اُٹھنے ہی کو ہے پردہ رُخ مقصود سے
اے میں قُرباں! واہ کیا کہنا ترا اعجازِ عشق!

اس شہید ناز کے کیا خونہا کا پوچھنا
اٹھ گیا، آخر محبت کا بھی پردہ اٹھ گیا
کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بھتی ہے پیاس
میں ہوا جب سے غریقِ موجِ طوفاں خیرِ عشق
دیکھئے کرتی ہے کیا کیا ان کی نظروں میں حقیر
جس کی رُو دادِ مکمل دامنِ قاتل میں ہے
اب میرے دل میں حسرت ہے، نہ اُن کے دل میں ہے
خونِ بکری کی حرارتِ خنجرِ قاتل میں ہے
ڈوب مرنے کی تمنا سینہِ ساحل میں ہے
یہ جو ظالم، اک لہو کی بوندِ اب تک دل میں ہے
بیخودی، منزل سے بھی کوسوں نکل آئی جگر
جستجو آوارہ اب تک جادہٴ منزل میں ہے



آئے زباں پہ رازِ محبت، محال ہے
نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے
دل تھا ترے خیال سے پہلے چمن چمن
کم بخت اس جنونِ محبت کو کیا کروں؟
ختم سے مجھے عزیز تمہارا خیال ہے
دن کٹ گیا تو رات کا کتنا محال ہے
اب بھی روشِ روش ہے، مگر پائمال ہے
میرا خیال ہے نہ تمہارا خیال ہے
آنکھیں تو کھول، سر تو اٹھا، دیکھ تو ذرا
کب سے، جگر، وہ چاند سا چہرہ ٹڈھال ہے



محبت آپ اپنی ترجمان ہے
نگاہوں میں بہارِ جاوداں ہے
محبت دونوں جانب مہرباں ہے
وہ کب سے مضطرب ہیں، اے غمِ عشق!
ہماری رفعتوں کا پوچھنا کیا!
کوئی آواز ہی دے گم شدہ دل!
اگر تو ہے، تو اے جانِ دو عالم!
مزے سوزِ دروں کے مل رہے ہیں
تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ
مبارک باد، اے جذبِ محبت
کسی کو اک نظر ہی دیکھ تو لیں
ترے نقشِ قدم کا ذرہ ذرہ!
یہی خود چشم و دل، لفظ و بیاں ہے
جہاں میں ہوں، وہیں اب آشیاں ہے
کہ ہم اس سے، وہ ہم سے بدگماں ہے
خدا جانے، تیری غیرت کہاں ہے
جہاں ہم پاؤں رکھ دیں، آسماں ہے
کہاں ہے، اور مرے یوسف کہاں ہے؟
یہاں ہر شے جواں ہے، جاوداں ہے
بجھ اللہ کہ دل آتشِ بجاں ہے
زبانِ شوق و گلبانگِ فغاں ہے
انہیں اپنے پر اب میرا گماں ہے
اب اتنی بھی ہمیں جرأت کہاں ہے؟
عبادتِ گاہِ جانِ عاشقاں ہے

الہی خیر کرنا! دیر سے پھر بہت مضطر نگاہ رازداں ہے
 مہنکا جاتا ہے دل جس سوزِ غم سے جہنم میں یہ چنگاری کہاں ہے؟
 جو پڑھ سکتا ہے، تو پڑھ، اے غمِ دل!
 کہ ان نظروں میں آج اک داستاں ہے

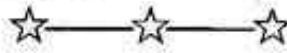


کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
 ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے
 عالم جب ایک حال پہ قائم نہیں رہے
 میری زباں پہ شکوہ درد آفریں رہے
 جب تک الہی! جسم میں جانِ حزیں رہے
 یا رب! کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو
 تاچند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں؟
 جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر
 مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں!
 اے عشقِ نالہ کش! تیری غیرت کو کیا ہوا؟
 دردِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے
 اللہ ری چشمِ یار کی معجزِ بیاباں!
 ظالم اٹھا تو پردہ وہم و گمان و فکر
 ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے
 کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں؟
 سر دادِ گانِ عشق و محبت کی کیا کمی؟
 اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا!
 رونے کی حسرتیں ہیں، جب آنسو نہیں رہے



دیکھ لے تو بھی کہ اب خیر نہیں جانوں کی
 چاہتے ہیں، نہ رہے حدِ تعین کوئی
 بزمِ ساقی میں ذرا دیکھ تو چل کر زاہد
 آج ہولی ہے ترے سوختہ سامانوں کی
 ہائے معصومِ ضدیں عشق کے دیوانوں کی
 کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیانوں کی

تیری نظروں کے تصدق، تری آنکھوں کے ثنار
 ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیر جنوں
 انہیں پیانوں سے، ساقی، انہیں میخانوں کی
 ابھی چلتی رہے دیوانوں سے دیوانوں کی
 سب جسے کہتے ہیں ارمانوں کا پورا ہونا
 میرے نزدیک یہی موت ہے ارمانوں کی
 ہر طرف چھا گئے ارمانِ محبت بن کر
 مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی



عشق کا ہاتھ سے پیان نہ جانے پائے
 یہ نہیں، دل کسی عنوان نہ جانے پائے
 بات تو جب ہے کہ تو لاکھ ادھر رخ نہ کرے
 صاف رکھ جان و دل و جسم کو آئینہ صفت
 دل کو اب بھی ہے یہ ضدِ حسن کے ہر جلوے سے
 ہوش میں آ دل دیوانہ کہ تیری ہی طرح
 داستانِ غم ہستی کو مکمل کر لے
 تیری محفل میں ہے اک تنگِ محبت تیرا
 اشک ہیں حاصلِ غم، غم ہے ودیعت اس کی
 حسن سرگرم نوازش ہے، مگر اے غمِ دل
 جان جائے کہ رہے، دیکھ مری جانِ جگر
 عشق کی شان، تری آن نہ جانے پائے



اک لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
 یہ کس کا تصور ہے، یہ کس کا فسانہ ہے؟
 دل سنگِ ملامت کا ہر چند نشانہ ہے
 ہم عشق کے ناروں کا اتنا ہی فسانا ہے
 وہ اور وفا دشمن، مانیں گے نہ مانا
 شاعر ہوں میں شاعر ہوں، میرا ہی زمانا ہے
 جو اُن پہ گزرتی ہے، کس نے اسے جانا ہے؟
 آغازِ محبت ہے، آنا ہے نہ جانا ہے
 سٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے
 جو اشک ہے آنکھوں میں، تسلیج کا دانہ ہے
 دل پھر بھی مرادل ہے، دل ہی تو زمانا ہے
 رونے کو نہیں کوئی، بننے کو زمانا ہے
 سب دل کی شرارت ہے، آنکھوں کا بہانا ہے
 فطرت مرا آئینہ، قدرت مرا شانا ہے
 اپنی ہی مصیبت ہے، اپنا ہی فسانا ہے
 اشکوں کی حکومت ہے، آہوں کا زمانا ہے

آنکھوں میں نمی سی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں
 ہم درد بدل نالاں، وہ دست بدل حیراں
 یا وہ تھے خفا ہم سے، یا ہم ہیں خفا اُن سے
 اے عشق جنوں پیشہ! ہاں عشق جنوں پیشہ!
 تھوڑی سی اجازت بھی، اے بزم گہ ہستی!
 یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجئے
 خود لہ حسن و شباب اُن کا کیا کم ہے رقیب اپنا
 ہم عشق مجسم ہیں، لب تشنہ و مستقی
 تصویر کے دورِ رخ ہیں جاں اور غمِ جاناں
 یہ حُسن و جمال اُن کا، یہ عشق و شباب اپنا
 مجھ کو اسی دُھن میں ہے ہر لحظہ بسر کرنا
 خود داری و محرومی، محرومی و خود داری
 اشکوں کے تبسم میں، آہوں کے ترنم میں
 آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن
 بندھ جائے سوموٹی ہے، رہ جائے سودانا ہے



عشق ہے نصف الحقیقت، کیوں پریشاں کیجئے
 کب تک آخر مشکلات شوق آساں کیجئے
 چاہتا ہے عشق، رازِ حُسن عریاں کیجئے
 آپ کے دشمن رہیں وقفِ خلش، صرف پیش
 حُسن کی رُسوائیاں بھی حُسن سے کچھ کم نہیں
 پھر جنوں سامانیوں میں کچھ کمی سی آچلی
 آپ کو شرمائیے کیا، آپ کا دامن ہے پاک
 دل پہ جو گزرے سو گزرے، عشق کی ضد ہے یہی
 سر سے پا تک اک نگاہ بے محابا ڈال کر
 اللہ اللہ! سنتے ہیں تم ہو رگِ جاں سے قریب
 یعنی ہم پر رحم کر کے، خود پہ احساں کیجئے
 اب محبت کو محبت ہی پہ قرباں کیجئے
 یعنی خود کھو جائیے، اُن کو نمایاں کیجئے
 آپ کیوں غمخواری بیمارِ جبراں کیجئے
 ہو سکے تو مثلِ یوئے گل پریشاں کیجئے
 آج پھر برہم مزاج حُسنِ جاناں کیجئے
 ہم گنہگارِ محبت ہیں، پشیمیاں کیجئے
 آج اتنا چھیڑیے اُن کو کہ گریاں کیجئے
 عمر بھر کے واسطے ممنون احساں کیجئے
 اب تو ہر نشتر کو پیوستِ رگِ جاں کیجئے

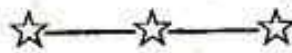
۱۔ اگرچہ اس شعر کا انداز لکھنوی ہے لیکن مفہوم شعری واقفیت کے ساتھ ساتھ نہایت درجہ نازک (جگر)

شانِ رحمت کو نہیں درکار کوئی پیش کش
احتیاطاً اکتسابِ کفر و ایمان کیجئے



حاضرِ عشقِ الم کوش ہوئی جاتی ہے
حیرتِ جلوہ، ہم آغوش ہوئی جاتی ہے
شوقِ چالاک کہاں، جرأتِ بیباک کہاں؟
وہ خلش جس سے تھا ہنگامہ ہستی برپا
وہی مستی کہ ساتی ہی نہ تھی عالم میں
وہی اک شورشِ دلِ تنگ تھی جس پر کونین
ایک منظر ہے کہ آنکھوں میں کھنچا آتا ہے
ایک جانب نگہِ خاص سے ہے اذنِ جنوں
نگہِ شوق کہاں ہے، یہ تماشا کیا ہے؟
ہائے وہ سرخوشیِ عشق کہ تھی جزوِ حیات
یاد ہی موت کی تھی خادمہٗ زیست کبھی
اُف، وہ پروانے کے سمٹتے ہی چلے آتے ہیں
عشق کی قسمتِ محروم! الہی توبہ!!
بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے
مجھ گنہگار کو شکوہ ہے تری رحمت کا

یادِ ایام، کہ جب پوچھئے، کہتے تھے جگر
دعوتِ چشم و لب و گوش ہوئی جاتی ہے

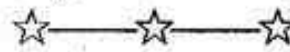


دل میں تم ہو، نزع کا ہنگام ہے
عشق ہی خود عشق کا انعام ہے
حسن ہے، نغمہ ہے، مے ہے، جام ہے
کیا اسی کو کہتے ہیں آئینِ حسن؟
پینے والے ایک یا دو ہوں تو ہوں
کچھ سحر کا وقت ہے، کچھ شام ہے
واہ کیا آغاز، کیا انجام ہے!
اب کہاں نہ اچھے گردشِ ایام ہے؟
جو تمہارا ہو گیا، ناکام ہے
مفت سارا میکدہ بدنام ہے

درد و غم دل کی طبیعت بن چکے
 عشق کے ہاتھوں تری سرکار سے
 بی رہا ہوں آنکھوں آنکھوں میں شراب
 دیکھ لینا عشق کی بھی تختیں
 وہ سراپا ناز، اُن سے کیا گلہ؟
 ہوشیار، اور شکوہ سنج زندگی!
 حُسن سے ہیں عشق کی رسوائیاں
 کیجئے کیا اور شرحِ زندگی
 ایک بوسہ اس لبِ جاں بخش کا
 ہوشیار، او کامیابِ زندگی!
 اب یہاں آرام ہی آرام ہے
 مل گیا جو کچھ، وہی انعام ہے
 اب نہ شیشہ ہے، نہ کوئی جام ہے
 حُسن کی برہم مزاجی عام ہے
 تجھ سے شکوہ گردشِ ایام ہے
 زندگی انعام ہی انعام ہے
 بادہ جب تک ہے، فروغِ جام ہے
 کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے
 عمر بھر کے واسطے انعام ہے
 زندگی، ناکامیوں کا نام ہے
 کیا جگر سے آپ بھی واقف نہیں؟
 ایک ہی تو رندِ مے آشام ہے



آئینے میں عشق کی تاثیر پنہاں دیکھئے
 میری صورت اپنی صورت سے نمایاں دیکھئے
 بے تکلف ہر طرف تصویرِ جاناں دیکھئے
 میری آنکھوں سے جمالِ شام بھراں دیکھئے
 دل کی ہستی بیش از یک شیشہ ساعت نہیں
 اس میں جو کچھ دیکھئے، تقویمِ دوراں دیکھئے



پھر وہ ہم سے خفا ہے، کیا کہیئے؟
 دل بھلا یا بُرا ہے، کیا کہیئے؟
 چاندنی ہے، ہوا ہے، کیا کہیئے؟
 بندگی جس کی ہے فقط رونا
 انتہا کے ہیں عشق میں صدمے
 شوقِ بے انتہا کے پردے میں
 حُسن جتنا ہے جنگِ جو ظالم
 دل میں پنہاں ہے اک لطیف خلش
 پھر سرِ حشر ہیں، وہی جلوے
 زندگی بے حیا ہے، کیا کہیئے؟
 آپ کا نقشِ پا ہے، کیا کہیئے؟
 مفلسی کیا بلا ہے، کیا کہیئے؟
 وہ ہمارا خُدا ہے، کیا کہیئے؟
 اور ابھی ابتدا ہے، کیا کہیئے؟
 کون ہنگامہ زما ہے، کیا کہیئے؟
 عشق اس سے سوا ہے، کیا کہیئے؟
 صورتِ التجا ہے، کیا کہیئے؟
 پھر وہی سامنا ہے، کیا کہیئے؟

ابھی پابند ہے، ابھی آزاد
 پردہ رکھ لیتے ہم زمانے سے
 پوچھتے ہیں مزاجِ دل ہم سے
 شورشِ بجزودی شوق نہ پوچھ
 عشق تو عشق، حُسن سے بیزار
 شوق سرتا قدم نگاہ و زباں
 عشق کا دل بھی کیا ہے، کیا کہیے؟
 آنکھ پہچانتا ہے، کیا کہیے؟
 ایک ہی خود نما ہے، کیا کہیے؟
 کس طرف کی ہوا ہے، کیا کہیے؟
 دل کو کیا ہو گیا ہے، کیا کہیے؟
 وہ مجسمِ حیا ہے، کیا کہیے؟
 آج حالِ دل تباہ، جگر
 ہم نے کیوں کر سنا ہے، کیا کہیے؟



کچھ جو پشیمانِ جفا ہو گئے اور وہ گھبرا کے خفا ہو گئے
 نالہٴ دل خاک رسا ہو گئے (قطعہ) آئے وہ، آتے ہی جدا ہو گئے
 کچھ نہ سنا اور یوں ہی چل دیے کچھ نہ کہا اور خفا ہو گئے
 اور ابھی اس عشق میں کچھ سانحات دل کی ہلاکت کے سوا ہو گئے
 اُن کا ادھر گوشہٴ دامن بڑھا تنگ ادھر بندِ قبا ہو گئے
 وہ بھی جو تھے منکرِ آئینِ عشق سنتے ہیں پابندِ وفا ہو گئے
 ہم سے نظر پھیر لی اُس شوخ نے ہم بھی ہیں انسان، خفا ہو گئے
 ہم کو گرفتارِ بلا دیکھ کر وہ بھی گرفتارِ بلا ہو گئے
 کچھ مرے چہرے سے کھلے رازِ عشق کچھ تری نظروں سے دور ہو گئے
 ڈھونڈھ کے اب لائے کیونکر انہیں ہائے وہ نالے، کہ رسا ہو گئے
 چپ ہیں وہ یوں سن کے مری عرضِ شوق
 جیسے کہ سچ سچ ہی خفا ہو گئے



سب پہ تو مہربان ہے پیارے کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے
 آکہ تجھ بن بہت دنوں سے یہ دل ایک سونا مکان ہے پیارے
 تو جہاں ناز سے قدم رکھ دے وہ زمیں آسمان ہے پیارے
 مختصر ہے یہ شوق کی روداد ہر نفسِ داستان ہے پیارے
 اپنے جی میں ذرا تُو کر انصاف کب سے نا مہربان ہے پیارے؟

صبر ٹوٹے ہوئے دلوں کا نہ لے تو یونہی دھان پان ہے پیارے
ہم سے جو ہو سکا، ہو کر گزرے اب ترا امتحان ہے پیارے
مجھ میں تجھ میں تو کوئی فرق نہیں عشق کیوں درمیان ہے پیارے
کیا کہے حال دل غریب جگر
ٹوٹی پھوٹی زبان ہے پیارے



جب سے تُو مہربان ہے پیارے اور دل بد گمان ہے پیارے
ان کی باتوں میں تُو نہ آ جانا عشق جادو بیان ہے پیارے
تو کہاں؟ یہ غریب خانہ کہاں؟ وہم ہے یا گمان ہے پیارے
صدقے تیری نوازشوں کے، مگر سخت تر امتحان ہے پیارے
ان دنوں دل کے رنگ ڈھنگ نہ پوچھ کچھ عجب آن بان ہے پیارے
سچ بتا، اس میں کوئی بات بھی ہے یا یوں ہی مہربان ہے پیارے
وہ بھی ہلکی سی اک نگاہ کرم دل بہت ناتوان ہے پیارے
تیرا دیوانہ غریب جگر
فخر ہندوستان ہے پیارے



عشق کی داستان ہے پیارے اپنی اپنی زبان ہے پیارے
کل تک اے درد! یہ تپاک نہ تھا آج کیوں مہربان ہے پیارے؟
سایہ عشق سے خدا ہی بجائے ایک ہی قہرمان ہے پیارے
اس کو کیا کیجئے جو لب نہ گھلیں یوں تو منہ میں زبان ہے پیارے
یہ تغافل بھی ہے نگہ آمیز اس میں بھی ایک شان ہے پیارے
جس نے، اے دل! دیا ہے اپنا غم اُس سے تو بدگمان ہے پیارے
دل کا عالم نگاہ کیا جانے؟ یہ تو صرف اک زبان ہے پیارے
میرے اشکوں میں اہتمام نہ دیکھ عاشقی کی زبان ہے پیارے
ہم زمانے سے انتقام تو لیں اک حسیں درمیان ہے پیارے

عشق کی ایک ایک نادانی! علم و حکمت کی جان ہے پیارے
 تُو نہیں، میں ہوں، میں نہیں، تُو ہے اب کچھ ایسا گمان ہے پیارے
 رکھ قدم پھونک پھونک کر ناداں! ذرے ذرے میں جان ہے پیارے
 کس کو دیکھے سے دل کو چوٹ لگی؟ کیوں یہ اُتری کمان ہے پیارے؟
 تری برہم خرامیوں کی قسم! دل بہت سخت جان ہے پیارے
 ہاں ترے عہد میں جگر کے سوا
 ہر کوئی شادمان ہے پیارے

☆—☆—☆

درد بڑھ کر فضاں نہ ہو جائے یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے
 پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے سعی غم رائیگاں نہ ہو جائے
 دُور ہے عرصہ عدم آباد کم کوئی ناتواں نہ ہو جائے
 ڈر ہے مجھ کو کہ میری عرض سکوت آپ ہی کی زباں نہ ہو جائے
 دردِ دل کیا ہی مہماں ہے، اگر اشک بن کر رواں نہ ہو جائے
 موت سے ڈر نہیں، مگر ہے یہ وہم عشق بے خانماں نہ ہو جائے
 دل میں ڈوبا ہوا ہے جو نشتر میرے دل کی زباں نہ ہو جائے
 قسمتوں سے ملا ہے دردِ حبیب کہیں آرام جاں نہ ہو جائے
 عشق اپنی خوشی سے کون کرے عشق اگر ناگہاں نہ ہو جائے
 آہ کیجئے، مگر لطیف ترین لب تک آ کر دھواں نہ ہو جائے
 عشق کر ہی چکا تھا اپنا کام دل اگر درمیاں نہ ہو جائے
 عشق میں جتنے بد گماں ہیں ہم
 یوں کوئی بد گماں نہ ہو جائے

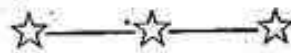
☆—☆—☆

ادا جو آئے، وہ بے عیب، بے قصور آئے خدا وہ دن نہ کرے، آپ کو غرور آئے!
 نکل کے عشق جو حد ادب سے دُور آئے ادھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طُور آئے
 ذرا تو آنکھ کھلے، عقل میں شعور آئے ہم اپنے آپ میں آئیں، تو وہ ضرور آئے
 جسے ذرا بھی غم عشق پر غرور آئے ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے
 چلوں میں راہِ محبت میں بے نیازانہ مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصُور آئے

خود اپنی منزل دل محو ہوتی جاتی ہے
 بیس وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن
 ہزار سجدے کرے، رات رات بھر زاہد
 زمانے تک تری گلیوں کی خاک چھانی ہے
 کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا!
 الہی! جذبِ محبت کی بخش دے تقصیر
 مری طرف سے بھی اے کاروانِ شوق سلام!
 انہیں ہے عشق سے چشمک، مگر یہ کون کہے؟
 عجیب چیز ہے میخانہ تصور بھی
 نظر ہی اپنی، نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا
 اجل جو آتی ہے، آئے، مگر اسی صورت
 مجاز ہو کہ حقیقت، یہاں تو حال یہ ہے
 وہیں سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا!
 ہزار بار لکھے تو بہار، نامہ شوق!
 ترے بلائے جگر آئے، وہ ضرور آئے



پسینہ موت کا بن کر نہ کیوں لہو آئے
 کرے نہ کام جو بلبُل کا نالہ خونیں
 ارے غضب کہ یونہیں پا برہنہ تو آئے!
 نہ غنچے نیند سے چوٹیں، نہ رنگ دلو آئے
 دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ، بحمد اللہ!
 کہ آنکھ تک نہ اٹھاؤں اگرچہ تو آئے



کیا گھڑی ہے کیا سہل ہے کس غضب کا جوش ہے
 وجد میں ہے مطربِ غم، گل فضا خاموش ہے
 عشق کی بیتابیاں ہیں، حسن کا آغوش ہے
 تیرے پھرتے ہیں نغمے، بزمِ جاں مدہوش ہے
 کیسے کیسے مست صہبائے محبت کٹ مرے!
 اوشلی آنکھ والے، کچھ تجھے بھی ہوش ہے؟

ایک دل ہے سینہ عاشق میں، لیکن الاماں!
 ایک قطرہ ہے، مگر ایسا کہ دریا نوش ہے



دیدہ یار بھی پُرِ غم ہے، خدا خیر کرے! آج کچھ اور ہی عالم ہے، خدا خیر کرے!
 اُس طرف غیرتِ خورشیدِ جمال اور ادھر زعمِ خود داریِ شبنم ہے، خدا خیر کرے!
 دل ہے پہلو میں کہ چلا ہی چلا جاتا ہے اور خود سے بھی وہ برہم ہے، خدا خیر کرے!
 رازِ بیتابیِ دل کچھ نہیں کھلتا، لیکن کل سے دردِ آج بہت کم ہے، خدا خیر کرے!
 حُسنِ ہر گام پہ ہے سایہِ فکُن، دامِ فکُن
 عشقِ آزادِ دو عالم ہے، خدا خیر کرے



عاشقیِ امتیاز کیا جانے؟ فرقِ ناز و نیاز کیا جانے؟
 نگہِ شوق کی ہے سب تحریک حُسنِ تمہیدِ ناز کیا جانے؟
 ہم سمجھتے ہیں رازِ رازِ و رنگ زلہِ پاک باز کیا جانے؟
 ناخنِ عشق کتنے ٹوٹ گئے گرہِ نیم باز کیا جانے؟
 سچ ہے، سب نیک و بد ہمیں سے ہے گردشِ چشمِ ناز کیا جانے؟
 مسلکِ آشتیِ دیدہ و دل شوقِ ہنگامہ ساز کیا جانے؟
 شیخِ پندارِ عشق سمجھا ہے نازِ اہلِ نیاز کیا جانے؟
 غیرتِ بندگی و ناچاری کوئی بندہ نواز کیا جانے؟
 آئینہ کی نزاکتیں، ہے ہے! دستِ آئینہ ساز کیا جانے؟
 آنکھ جو دیکھتی ہے، دیکھتی ہے دل کے راز و نیاز کیا جانے؟
 سینہ لے پہ جو گزرتی ہے وہ لب لے نواز کیا جانے؟
 کثرتِ جلوہ و ہجومِ نظر عشقِ وحدتِ طراز کیا جانے؟
 حُسن کی دل گدازیاں، توبہ! عشقِ یہ سوز و ساز کیا جانے؟
 وہ حقیقت کہ جو گزرتی ہے لبِ افسانہ ساز کیا جانے؟
 ہائے گلِ کاریاں محبت کی دامنِ پاک باز کیا جانے؟

رہ رو راہ بے خودی ہے جگر
 وہ نشیب و فراز کیا جانے؟



دل گیا، رونقِ حیات گئی غم گیا، ساری کائنات گئی
 دل دھڑکتے ہی پھر گئی وہ نظر لب تک آئی نہ تھی کہ بات گئی

دن کا کیا ذکر تیرہ بختوں میں
تیری باتوں سے آج تو واعظ!
اُن کے بہلائے بھی نہ بہلا دل
مرگ عاشق تو کچھ نہیں، لیکن
اب جنوں آپ ہے گریباں گیر
ہم نے بھی وضعِ غم بدل ڈالی
ترکِ لُلفت بہت بجا، ناصح!
ہائے سرشاریاں جوانی کی!
جلوۂ ذات، اے معاذ اللہ!
نہیں ملتا مزاجِ دل ہم سے
قید ہستی سے کب نجات جگر؟
موت آئی، اگر حیات گئی



عشق میں تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لئے
ہاں مبارک اب یہ معراجِ نظر میرے لئے
کھیل ہے بازیچہٴ شام و سحر میرے لئے
وقف ہے صیاد کی اک اک نظر میرے لئے
گرم ہے ہنگامہٴ شام و سحر میرے لئے
میں ہوں وحشی آہ، کس صحرائے آفت خیز کا؟
اس مقامِ عشق میں ہوں، مرجبا، اے بیخودی!
جذب ہو کر رہ گیا ہوں میں جمالِ دوست میں
میں نہیں کہتا کہ میں ہوں، تو ہو، تیری خلوتیں
اللہ اللہ! میں بھی کیا نازک دماغِ عشق ہوں
پھر بھی آنکھیں ڈھونڈتی ہیں اک سراپا ناز کو
رہ رو راہِ طلب کو خضر کی حاجت نہیں
اپنے دل میں جو ترے میں بھی سما سکتا نہیں

خُسن بھی بیتاب ہے، اور کس قدر میرے لئے
جس قدر وہ دُور تر، نزدیک تر میرے لئے
دو گل بازی ہیں یہ شمس و قمر میرے لئے
ہاں مبارک! یہ شکستِ بال و پر میرے لئے
رات دن گردش میں ہیں شمس و قمر میرے لئے
ہے گل ویرانہ بھی بیگانہ تر میرے لئے
ذرہ ذرہ ہے جہاں گرم سفر میرے لئے
عشق ہے تابندہ تر، پایندہ تر میرے لئے
ہاں مگر سب سے جدا خاص اک نظر میرے لئے
نکبتِ گل بھی ہے وجہِ دردِ سر میرے لئے
میں نے مانا کچھ نہیں حدِ نظر میرے لئے
ذرہ ذرہ ہے چراغِ رہ گزر میرے لئے
میرا ہر ہر سانس ہے زنجیرِ دردِ میرے لئے

مجھ کو جنت ہی جو دینا ہے، تو یار بخش دے بس یہی دامنِ تر، چشمانِ تر میرے لئے
 ترکِ مے سے اور بھی میں تو شرابی بن گیا روز آجاتا ہے مینائے سحر میرے لئے
 جس نے زہد سے بھی کافر کے اڑا ڈالے میں ہوش اس سے بھی کچھ اور، ساقی! تیز تر میرے لئے
 وہ مرا ساغر بکف ہونا پشیمانی کے ساتھ ابرِ رحمت کا وہ اٹھنا جھوم کر میرے لئے
 کل شبِ ماہتاب میں اک بلبلی آفتِ نوا (قطعہ) مرکزِ غم بن رہا تھارات بھر میرے لئے
 ناگہاں لب ہائے برگِ گل سے یہ آئی ندا نالے کرتا ہے عبث، اے بے خبر! میرے لئے
 میں بھی ہوں اپنی جگہ خونین جگر، خونین کفن تُو نہ اپنی جان کھو، اے مشیت پر میرے لئے
 بس یہ سنا تھا کہ پائے گل پہ گر کر مرنا بن گیا اک نقشِ عبرتِ عمر بھر میرے لئے
 زندگی اک نہمتِ بیجا ہے میری ذات پر موت اک الزامِ ناجائز جگر، میرے لئے
 میں تو ہر حالت میں خوش ہوں، لیکن اس کا کیا علاج
 ڈبڈبا آتی ہیں وہ آنکھیں، جگر میرے لئے



نگاہِ شوقِ جگر وقف چار سو کیا ہے؟ جو دل حسیں ہو تو دنیائے رنگ و بو کیا ہے؟
 خبر نہیں مجھے میں کیا ہوں، آرزو کیا ہے؟ کسی نے جب سے یہ سمجھا دیا کہ تُو کیا ہے؟
 جو دل میں ڈوب نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے؟ جو چھان نہ جائے، وہ پیغامِ آرزو کیا ہے؟
 یہ چپکے چپکے دل و جاں سے گفتگو کیا ہے؟ یہ چھیڑ چھاڑ، یہ اندازِ آرزو کیا ہے؟
 یہی خبر نہیں اے وائے عشق و محرومی!
 کہ آرزو کسے کہتے ہیں، جستجو کیا ہے؟



نہیں ہے، نہیں ہے، جوانی نہیں ہے جوانی اگر جاودانی نہیں ہے
 مقامِ تحیرِ زبانی نہیں ہے یہاں کوئی شے آنی جانی نہیں ہے
 جگر! یہ مئےِ ارغوانی نہیں ہے ارے آگ ہے آگ، پانی نہیں ہے

۱۔ کہ یہ چشمانِ دل میں جزدوست (سعدی) یہ لفظ متروک کر دیا گیا ہے۔ لیکن میں جائز سمجھتا ہوں۔
 ۲۔ شرابی عموماً آخر شب تک پیتے پیتے بدمست ہو کر سو جاتا ہے۔ اور دن چڑھے بیدار ہوتا ہے۔ اس لئے صبح صادق کے نشہ پاش منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ترکِ مے کے بعد اس لطیف منظر سے متاثر ہوتے رہنا بھی کچھ کم نہیں۔ (جگر)

کہ ہے اور پھر بدگمانی نہیں ہے
یہ مُردہ دلوں کی کہانی نہیں ہے
رگوں میں مری خون پانی نہیں ہے
مجھے شکوہ ناتوانی نہیں ہے
جوانی ہے، لیکن دوانی نہیں ہے
حقیقت ہے دنیا، کہانی نہیں ہے
وہ کچھ اور ہے، مہربانی نہیں ہے
کوئی واسطہ درمیانی نہیں ہے
محبت نہیں تو جوانی نہیں ہے
یہ ہے آپ بیتی، کہانی نہیں ہے
کہ طوفاں ہے برپا، روانی نہیں ہے
جنوں ہے، جنوں ہے، جوانی نہیں ہے
یہ افتادِ غم ناگہانی نہیں ہے

جگر کا یہ نغمہ ہے اور سازِ مشرق
یہ مغرب زدوں کی کہانی نہیں ہے



دکھا دیئے حرم و دیر سب یہیں میں نے
تجھے بھی دیکھ لیا، پالیا یہیں میں نے
تجلیاں رُخِ فطرت سے چھین لیں میں نے
بنا تو لی ہے ستاروں کی سرزمین میں نے
کبھی یہ فکر، جھکا دی اگر جبین میں نے
بھلا دیا تھا جواک درسِ اذلیں میں نے
کچھ اس طرح کی بھی گھڑیاں گزار دیں میں نے
شباب و حُسن کا اک پیکرِ حزیں میں نے
کسی نے جو بھی کہا، کر لیا یقیں میں نے
ہزار دیکھ لئے یوں تو نکتہ چیں میں نے
اُلٹ لئے ہیں جو دریائے آتشیں میں نے

یہ کیا ہے، جو سحرِ جوانی نہیں ہے
مرا قصہٴ عشق فانی نہیں ہے
حریفانہ رکھتا ہوں رسمِ محبت
مرا عشق زندہ، مرا عزمِ راسخ
محبت ہے اپنی بھی، لیکن نہ اندھی!
کبھی سوچ کر پاؤں آگے بڑھانا
خجل جس سے ہونا پڑے دل ہی دل میں
مجھے اُن سے مطلب، اُنہیں مجھ سے مطلب
محبت متور، محبت معطر
نہ سینے، نہ سینے غم و درد میرا
وہ عالم ہے اب خشک آنکھوں میں اپنی
فسوں ہے، فسوں ہے، جسے عشق کہیے
محبت ازل سے مقدر پڑی تھی!

جگر کا یہ نغمہ ہے اور سازِ مشرق
یہ مغرب زدوں کی کہانی نہیں ہے



وہ مست ہوں کہ اُلٹ دی جب آستیں میں نے
مٹا کے دل سے ہر اک نقشِ دل نشیں میں نے
بنایا عشق کو یوں حُسنِ آفریں میں نے
چھپا کے دل میں غمِ اشکِ آفریں میں نے
کبھی یہ وہم کہ میں کیا ہوں، میرا سجدہ ہی کیا
تری نگاہ کے صدقے کہ پھر سے یاد آیا
نہ حُسن سے کوئی مطلب، نہ عشق سے سروکار
الہی، خیر! کہ دیکھا ہے خواب میں دمِ صبح
مری یہ فطرتِ معصومِ عشق، ارے توبہ!
مگر جو تیری نگاہوں میں ہے، وہ چھیڑ کہاں
تجھے خبر ہو جو، ساقی! تو مجھ پہ رشک کرے



مے منصور پلا دے ساقی نور ہی نور پلا دے ساقی
 جام بلور پلا دے ساقی چشم بد دور! پلا دے ساقی
 پھر کبھی نام نہ لوں پینے کا اتنی بھرپور پلا دے ساقی
 تاکجا، ہستی ناکام مری شعلہ طور پلا دے ساقی
 تجھ کو اپنی ہی تجلی کی قسم ساغر نور پلا دے ساقی
 مے ظاہر تو بہت کچھ پی لی مے مستور پلا دے ساقی
 تو تو ساقی ہے، تجھے کام سے کام میں سہی چور، پلا دے ساقی
 تشنہ کاموں سے اب انکار ہی کیوں حسب دستور پلا دے ساقی
 ساغر ظلمت غم میں بھر کر بادۂ نور پلا دے ساقی
 کہہ گیا کیا یہ سیہ مستی میں شب دیجور پلا دے ساقی
 مے گل رنگ کے جلوے کب تک حاصل طور پلا دے ساقی
 میں تو جب جانوں، مری توبہ کے بعد کر کے مجبور پلا دے ساقی
 صبر ایوب کی تجھ کو سوگند! بیٹھے ہیں دور، پلا دے ساقی
 ساغر ہوش میں اب تو بھر کے رُوح منصور پلا دے ساقی
 تیری ہر شرط حقیقی و مجاز مجھ کو منظور، پلا دے ساقی
 جانے کیا شے وہ افق تاب ہوئی میں ہوں مجبور، پلا دے ساقی
 ایک ساغر میں زمان اور مکاں کر کے معنور پلا دے ساقی

کر کے حل اب تو مرے ساغر میں
 دیدۂ خور پلا دے ساقی



تقدیر سے شکایت، کوئی نہ آسماں سے شکوہ ہے صرف اپنے اک خاص مہرباں سے
 کونین ہے عبارت اک عشق بے اماں سے نکلا یہی فسانہ، اُلٹا ورق جہاں سے
 کس نے اٹھا دیا ہے پردہ حریم جاں سے آنکھیں بھی مطمئن سی، آنسو بھی شادماں سے
 اُس وقت کوئی دیکھے، اعجاز سازِ فطرت خود خُسنِ نغمہ زن ہو جب عشق کی زباں سے
 مدت کے پچھڑے دو دل باہم جوں رہے ہیں بھولوں کی بارشیں ہیں، درہائے آسماں سے



تھی جو بُنیاد شادی و غم کی! اُس کے شانوں پہ زُلفِ برہم کی
 آہ کی ہے صدا، نہ ماتم کی تیری نسبت سے تیری بخشش ہے
 اتنے ہی مجھ سے وہ قریب ہوئے یوں تو پیاسے ہیں سبزہ و گل بھی
 کوئی دیکھے تو کیا ہنسی آئے آئی تھی آج بھی نسیمِ سحر
 عشق کو کہیے کس طرح معراج اُس سے پوچھو جمالِ شبنم کا
 اک خطا پر سزائے بے میعاد تو نے ہمدم یہ کس کا نام لیا
 جس کا جھکنا محال تھا، سو آج عشق کا رازِ غیر کیا سمجھیں
 شانِ رحمت برس پڑی کیا کیا دھن ہی اب اور ہے یہاں، ناصح
 حُسن آیا تھا خود منانے کو خاطرِ حُسن تھی ہی کچھ برہم
 اللہ اللہ! ہستی شاعر اس زمانے کا انقلاب نہ پوچھ
 دل نے وہ انجمن ہی برہم کی خیر، یا رب! نظامِ عالم کی
 کیا طبیعت بدل گئی غم کی اللہ اللہ! راحتیں غم کی
 میں نے جتنی ہی آرزو کم کی کس نے دیکھی ہے پیاسِ شبنم کی
 ہائے ری بدحواسیاں غم کی آگ بھڑکا گئی جہنم کی
 یہ تو فطرت ہے ابنِ آدم کی جس نے خود آرزوئے شبنم کی
 ہائے تقدیر ابنِ آدم کی! چھا گئیں دل پہ بدلیاں غم کی
 عشق نے وہ نگاہ بھی خم کی پڑ نہ جائے نگاہِ محرم کی
 اس خطا پر کہ ہر خطا کم کی تجھ کو سوجھی ہے شادی و غم کی
 سو توجہ ہی عشق نے کم کی دل نے دانستہ اور برہم کی
 قلبِ غنچے کا، آنکھِ شبنم کی رُوحِ شیطان کی، شکلِ آدم کی

اُس کی ہر شانِ مرجبا، لیکن
 ہائے رے شانِ حُسنِ برہم کی



میری جانبِ نگراں ہے کوئی اب زماں ہے، نہ مکاں ہے کوئی
 وہیں میں بھی ہوں، جہاں ہے کوئی دل ہے یا تختِ رواں ہے کوئی
 اب تو، یوں محرمِ جاں ہے کوئی جیسے رگ رگ میں نہاں ہے کوئی
 گرم اشکوں میں رواں ہے کوئی (قطعہ) سرد آہوں میں نہاں ہے کوئی

میں نے گھبرا کے جو اک روز جگر! دی یہ آواز، کہاں ہے کوئی
 درد چینا کہ مجھی میں ہے وہ شوخ غم پکارا کہ یہاں ہے کوئی
 ہمہ نغمہ، ہمہ خوشبو، ہمہ رنگ (قطعہ) دوسرا تجھ سا کہاں ہے کوئی
 تو ہی اللہ بتا دے ناصح! ایسی سچ دھج کا جواں ہے کوئی



اے غم عشق ترا کیا کہنا! پہلے تو، بعد ازاں ہے کوئی
 کیجئے شرح محبت کیوں کر کیا محبت کی زباں ہے کوئی
 غیرت عشق! یہ کیا سنتا ہوں؟ غیر از دوست کہاں ہے کوئی
 نہیں ہمتی، نہیں ہمتی تری یاد یہ بھی کیا رشتہ جاں ہے کوئی
 کس کے دل پر نہیں اس کا سایہ (قطعہ) غم ہے یا سحر رواں ہے کوئی
 ہمہ ساز و ہمہ سوز و ہمہ درد زندگی ہے کہ فغاں ہے کوئی
 ہر نفس اب تو یہ دیتا ہے صدا کہ پس پردہ جاں ہے کوئی
 دل کی اب فکر کرے میری بلا
 مجھ سے بڑ کر گراں ہے کوئی



شعروالہام تو کیا، عرش بھی نازل ہو جائے
 جس طرف آنکھ اٹھے، حُسن مقابل ہو جائے
 اپنی ہستی کے سوا مجھ سے بھی غافل ہو جائے
 حُسن کامل ہے ترا، اور بھی کامل ہو جائے
 دونوں عالم سے فراغت مجھے حاصل ہو جائے
 حُسن سے عشق کچھ اس طرح مماثل ہو جائے
 عشق ہی، کاش! مرے عشق کا حاصل ہو جائے
 اُف رے تقدیر چن، ہائے رے بیداد فلک!
 مجھ کو منظور دو عالم سے رقابت، لیکن
 میں رُخ عشق سے پردہ تو اٹھا دوں، لیکن
 غیر تو غیر ہے، اے عشق! گوارا نہ کروں
 ارتباط اب نہ بڑھا اور زیادہ اے دوست!

دل جواک شے ہے حقیقت میں اگر دل ہو جائے
 عشق خود ہی نہ اگر پردہ حائل ہو جائے
 دل بہر حال مراد دل ہے، مگر دل ہو جائے
 میری گستاخ نگاہی بھی جو شامل ہو جائے
 عشق اگر حُسن بنے، حُسن مراد دل ہو جائے
 جیسے تصویر سے تصویر مقابل ہو جائے
 یہی رہبر، یہی جادہ، یہی منزل ہو جائے
 غنچہ کھلنے بھی نہ پائے کہ مراد دل ہو جائے
 وہ نگاہ متہمم طرف دل ہو جائے
 ڈر یہ ہے، تو نہ کہیں عشق پہ مائل ہو جائے
 میرے عالم میں اگر خود بھی وہ شامل ہو جائے
 مجھ کو ڈر ہے کہ ترا دل نہ مراد دل ہو جائے

ہائے وہ زعمِ محبت کہ جو باطل ہو جائے
 کہیں اقرارِ محبت پہ نہ مائل ہو جائے
 لب کو جنبش نہ ہو اور شرحِ غم دل ہو جائے
 اک نفس بھی جو فراغت مجھے حاصل ہو جائے
 کہ مرا عقدہ دل ہی مجھے مشکل ہو جائے
 ہر ستم کے لئے مخصوص مرا دل ہو جائے
 درد بن کر نہ اگر عشق مرا دل ہو جائے
 گر یہاں بھی کوئی دم رونقِ محفل ہو جائے
 یہ وہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ جو باطل ہو جائے

حیف، وہ حُسن کا پندار جو کھا جائے شکست
 دل کے آثار ابھی تک تو بہت اچھے ہیں!
 رنگِ چہرہ نہ اڑے اور محبت بر سے
 میں تو مر جاؤں، مرا عشق کہیں کا نہ رہے
 مجھ کو دینا تھا غمِ عشق، نہ اس طرح مگر
 ہر ستم مجھ کو گوارا، مگر اس شرط کے ساتھ
 غیرتِ حُسن کا پھر کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا
 کیا بگڑ جائے ترا، اے مہِ خوبی و جمال!
 عشق ہر رنگ میں ہے اپنی حقیقت کی دلیل

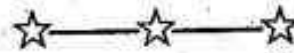


پارہ ہائے جگر

آج ایسا نگہ مست کا اک وار ہوا دل کا کیا ذکر، سنبھلنا مجھے دشوار ہوا



وہی ہے عشق، وہی حسن ہے، وہی سب کچھ مگر کسی سے کسی کا جواب نہ ہو سکا



اب کیا کریں، اے جوشِ طلب، تیری قسم، اور بڑھتا ہے اگر شوق، تو رکتے ہیں قدم اور
طرفینِ غمِ عشق کے ہیں تازہ ستم اور اب دیکھتے کیا ہو کہ نہ تم اور، نہ ہم اور



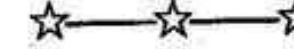
عشق کی اللہ ری آتش کاریاں خون کی بوندیں ہیں یا چنگاریاں
قتل گہ میں آج ہولی ہے، جگر چل رہی ہیں خون کی پچکاریاں



شکوہ تو کیا، ہو نہ سکی آہ تک ہمت ارباب وفا کچھ نہیں
لطف سے کچھ اُس نے کہا زیر لب میں نے جو پوچھا، تو کہا ”کچھ نہیں“



یونہی حیراں پریشاں روزِ صبح و شام کرتے ہیں جنونِ عشق کے مارے کہیں آرام کرتے ہیں!
ہجومِ آرزو، شوقِ فراواں، دردِ بیتابی وہ جس پہ چاہتے ہیں اُس پہ یوں اکرام کرتے ہیں



اک جگہ بیٹھ کے پی لوں، مرادستور نہیں میکہ تنگ بنا دوں، مجھے منظور نہیں!
قیدِ آدابِ محبت مجھے منظور نہیں عشقِ دستور ہے خود، عشق کا دستور نہیں
برقی غیرت مری ہستی کو جلا دے، تسلیم! چھپ کے پردہ میں رہے حسن، یہ منظور نہیں

۱۔ رائے ساکن پر یقیناً اعتراض کیا جاسکتا ہے لیکن اس قسم کے اعتراضات محض قدامت پرستی کی بناء پر
ہوئے، صاحبانِ فکر و نظر اس دنیائے مکتبی سے آگے بڑھ چکے ہیں (جگر)

کیا انا الحق کا ترانہ کہ اب اس دنیا میں
رسن و دار رہیں شبلی و منصور نہیں



تجہبی میں ہے جگر اک حسن معتبر پنہاں! بہار در برو میخانہ در نظر پنہاں
بہت اشارہ پیہم، مگر لطیف ترین ہزار ہا نگہ ملتفت، مگر پنہاں
جگر کو درس حقیقت بہت نہ دے، واعظ وہ بے خبر تو بہ ظاہر ہے، باخبر پنہاں



دل ہے قدموں پر کسی کے، سرٹھکا ہو یا نہ ہو بندگی تو اپنی فطرت ہے، خدا ہو یا نہ ہو
یہ جنوں بھی کیا جنوں، یہ حال بھی کیا حال ہے؟ ہم کہے جاتے ہیں، کوئی سن رہا ہو یا نہ ہو



عبث دھمکار ہے ہیں عشق میں اہل وفا مجھ کو مجسم زندگی ہوں، مجھو نہیں سکتی قضا مجھ کو



جلوہ وہ کونسا ہے جو صورت کشا نہ ہو اے اعتبار شوق! جو تُو ہو تو کیا نہ ہو
خود ہے جمال دید ہی، وجہ حجاب دید دیکھو اسے، وہ مجھ کو اگر دیکھتا نہ ہو



کس کی نگاہ کافر غماز بن گئی ہے میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے



دیکھ لو رنگ و روئے ناکامی! یہ نہ پوچھو کہ بیکسی کیا ہے



گزر گیا ہوں، یوں بھی میں مناظر حیات سے کہ جیسے خود غرض نہیں حیات سے، ممات سے



جب سے وہ آنکھ شرمسار سی ہے دل کو تسکین بے قرار سی ہے
دیکھئے، یاس بھی رہے نہ رہے یوں تو ظاہر میں وضع دار سی ہے



مرے گناہوں کا کیا ٹھکانا، خیال سے شرم آ رہی ہے
رواں ہیں آنکھوں سے اشک پیہم، حیات گنگا بہار رہی ہے



جب سے مری آنکھوں میں تری جلوہ گری ہے دُنیا مرے نزدیک تہنم سے بھری ہے!
یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے، کہتے ہیں جسے خُسن؟ جب دیکھے کچھ نیندی آنکھوں میں بھری ہے



یہ چاہتا ہوں الہی، کہ کچھ دنوں کے لئے خود اپنے عشق میں وہ شوخ مبتلا ہو جائے
خدا کی شان، کہ شورشِ حجابِ راز بنے سکوت آئینہ روئے مدعا ہو جائے



خُسن خود عشق کی صورت میں مقابل آئے کاش! ایسا ہو کہ تجھ پر ہی ترا دل آئے



جب اس طرف سے کوئی اہل نظر گیا ہے دل کی نزاکتوں پر عالم گذر گیا ہے



مجھے تو رشک آتا ہے غمِ جاناں کی ہستی پر بدل لے کاش! اپنی زندگی سے زندگی میری
اُسے صیاد نے کچھ گل نے کچھ پلنگل نے کچھ سمجھا چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خامشی میری
نگاہِ کرم کی ضرورت نہیں ہے کہ اب آپ مجھ میں تابِ محبت نہیں ہے
مجھے بھی ہے احساسِ اپنی خودی کا اگر اُن کو میری ضرورت نہیں ہے
محبت سے بھی ماورا ہے کوئی شے محبت ہی تنہا محبت نہیں ہے
کے یاد رکھوں، کسے بھول جاؤں؟ اب اتنی بھی، اے عشق! فرصت نہیں ہے



جب نظر اپنی حقیقت آئی مجھ پہ خود میری طبیعت آئی
جو مصیبت، جو قیامت آئی سب اسی دل کی بدولت آئی
دلِ مرحوم کے ماتم کے لئے بال کھولے شبِ فرقت آئی
کوئی طوفاں بھی نہ ہو گا ایسا کیا اندھا دھند طبیعت آئی



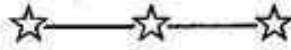
کہاں تک عذابِ محبت اٹھائیں بس اب وہ ہمیں، ہم انہیں بھول جائیں



کوچہ یار ہے محبت ہے درد و دیوار سے محبت ہے
یار و اغیار سے محبت ہے گل تو گل، خار سے محبت ہے
میری صحرا نوردیاں، توبہ! ہر سرخار سے محبت ہے



میں اور تیرے عشق کے قابل، نہیں نہیں
مجھ کو معاف کر کہ میں تجھ سا حسیں نہیں!
میرے سوا، زمان و مکاں ہوں اگر، تو ہوں
تیرے سوا زمان و مکاں بھی کہیں نہیں!



دل درد، جگر درد، دُعا درد، اثر درد
میں ہوں ہمہ تن دروں مری شام و سحر درد



جب تک شباب عشق مکمل شباب ہے
پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے
جو خود نہ زندگی ہو، نہ پیغام زندگی
وہ حسن قہر ہے، وہ محبت عذاب ہے
لہذا! ان حدود میں رکھنا نہ تو قدم
پیارے! جہانِ عشق، جہانِ خراب ہے



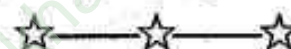
دیرینہ دوستی خوش انفاس کا لحاظ
اے محتسب! نزاکت احساس کا لحاظ



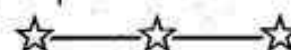
یہی حسن و عشق کا راز ہے کوئی راز اس کے سوا نہیں
کہ خدا نہیں تو خودی نہیں، جو خودی نہیں تو خدا نہیں



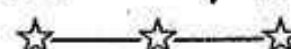
جان آنکھوں میں اٹک کر رہ گئی
ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی



جہاں کی بزم آرائی ہے، میں ہوں
ہجوم رنجِ تنہائی ہے، میں ہوں



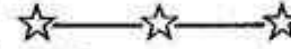
محبت کس کو کہتے ہیں، محبت کی بقا کیا ہے
خدائی کس کو کہتے ہیں، خودی کیا ہے، خدا کیا ہے



خودی کا اک تصوّر وارداتی اور لامحدود
نشاتی اور حیاتی اور ذاتی اور لامحدود



ہمہ تن وجد میں آ، رقص میں آ، جوش میں آ
حُسن کو ہوش میں لانا ہے تو خود ہوش میں آ



دل نے کچھ ایسی دھن میں آج نغمہ شوق گا دیا
عشق بھی ٹھوم ٹھوم اٹھا، حُسن بھی مُسکرا دیا



مجھ کو خدائے عشق نے جو بھی دیا، بجا دیا
آتشِ ترن، سا قیا! کچھ نہ مجھے مزا دیا



جذبِ جنوں نے آج تو گل ہی نیا کھلا دیا
خود وہ گلے لپٹ گئے، عشق کا واسطہ دیا



شوق نے بے خودی میں جب دستِ طلب بڑھا دیا
غیرتِ عشق نے وہیں پہلوئے دل دبا دیا

میں کہ تھا ایک مشتِ خاکِ حُسن جو مُسکرا دیا
عشق کی رُوح بھونک دی، رُوح کو جگمگا دیا
تُو رہے، تیرا غم رہے، میں رہوں، میرا دم رہے
کون تجھے بھلا سکا، کس نے تجھے بھلا دیا

قطرہ

میرے جنونِ عشق کی کیوں نہ ہو عاقبتِ خراب
میں بھی نہ لوں جو انتقام، مجھ پہ ہے، عاشقیِ حرام
مجھ کو ہنسا ہنسا کے آج، اُن کو رُلا رُلا دیا
دل نے تو کر کے اہتمامِ حُسن کا دل دکھا دیا



خیر ہو، اے نسیمِ ناز! پھیل نہ جائے بُرے راز
میرے ہجومِ شوق پر، مُنہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے
حُسن بھی رشک سے بری ہو نہ سکا، نہ ہو بھی
شکوہ کریں ترا کہ شکر، ہائے، اے التفاتِ دوست!
بیٹھے ہیں سر جھکائے کیوں، خاکِ مزار پر وہ اب
تُو مرے دل کی دھڑکنیں، رننے دے چاہے گر، یونہی
ترکِ تعلقات سے عشق کہیں ہے بے نیاز
حُسن ہے حُسن بے اماں، ضد نہ کراے غم نہاں
قسمتِ حُسن و عشق سے مجھ کو نہیں ہے کچھ گلہ
سُکرِ شباب و یادِ یار، دردِ فراق و انتظار
کفر کہاں، کہاں جگر! او بت سنگِ دل مگر
تُو نے یہ کیا غضب کیا، غنچہِ دل کھلا دیا
چہرے پہ رنگ آ گیا، ہاتھ میرا دبا دیا
اپنے سوا ہر ایک نقش، دل سے مرے مٹا دیا
جو نہ کہیں بھی جھک سکا، تُو نے وہ سر جھکا دیا
خاک سے پھر غرض ہی کیا، خاک میں جب ملا دیا
ہاں، انہی دھڑکنوں نے تو مجھ کو مرا پتا دیا
کہنے کی بات ہے فقط، کس نے کسے بھلا دیا
پھر یہ نگاہ و دل کہاں، پردہ اگر اٹھا دیا
تجھ کو غرور اگر دیا، مجھ کو بھی حوصلہ دیا
آنکھ کھلی سلا دیا، آنکھ لگی جگا دیا
ہائے رے شوقِ فتنہ گر، تجھ کو خدا بنا دیا



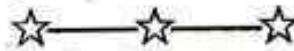
فتنہ روزِ گار میں امن ہے کیا، قرار کیا
عشق کمالِ ہوش ہے، ہوش سے تنگ و عار کیا
دیدہ و دل پہ کس کا بس، جان پہ اختیار کیا
تیری نصیحتیں بجا، یہ تو بتا، اے ناصحا!
عشق خزاںِ مزاج سے لطفِ جمال پوچھے
ناز سے مُسکرا کے دیکھ، چشمِ حیا اٹھا کے دیکھ
سو ز تمام چاہئے، رنگ و وام چاہیے
کارِ عظیم چاہیے طبعِ سلیم چاہیے!
میں نے کیا ہے حرمِ عشق مجھ سے ہوئی خطائے شوق
حاصلِ زیستِ غم سہی، غم کا بھی اعتبار کیا
سینہ چاک چاک کر، دامنِ تار تار کیا
ہو چکے اُن کے جب ہمیں، اُن پہ کریں نثار کیا
اور ہے عشق کے سوا مقصدِ حُسنِ یار کیا
جن کی نظر ہے خود بہار، اُن کے لئے بہار کیا
دل سے حریف کے لئے نیچی نظر کا وار کیا
شمعِ تہِ مزار ہو، شمعِ سرِ مزار کیا
عزمِ صمیم چاہیے، فکرِ مالِ کار کیا
خواہشِ عفو کس لئے بخششِ حُسنِ یار کیا

فطرت شوق کی قسم، غیرت عشق کی قسم! دولت دو جہاں سہی، دولت مستعار کیا
منزل عشق میں، جگر! غیر تو پھر بھی غیر ہیں
دل پہ بھی اعتماد کیوں، اپنا بھی اعتبار کیا

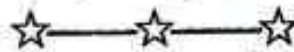


مانا کہ ہم پہ جور و جفا کیجئے گا آپ
ہر چند ضبط حد سے سوا کیجئے گا آپ
آنکھوں کی نیند، دل کی خلش کا نہیں علاج
تنہائیاں تو ایک طرف، سب کے سامنے!
زلفِ رمیدہ بو جو پریشاں نہ رہ سکی
ہونا ہے ایک دن جنہیں مشہور خاص و عام
چھپ چھپ کے جب نہ رو بھی سکیں گے بقدر ظرف
ہر چند لائے گا زباں پر نہ رازِ عشق
چہرے پہ ہم سنوں کی تبسم تو کیا، مگر
اُتنا ہی اور ہو کے رہے گا غم آشکار
رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط
لیکن ہمیں نہ ہوں گے، تو کیا کیجئے گا آپ
آنسو نہ تھم سکیں گے، تو کیا کیجئے گا آپ
بستر سے آہ کر کے اٹھا کیجئے گا آپ
پہروں اُداس اُداس رہا کیجئے گا آپ
روئے پریدہ رنگ کو کیا کیجئے گا آپ
کس دل سے وہ فسانے سُنا کیجئے گا آپ
گھٹ گھٹ کے دل ہی دل میں رہا کیجئے گا آپ
نظریں پکار اٹھیں گی، تو کیا کیجئے گا آپ
اک فرضِ نا گوار ادا کیجئے گا آپ
جتنی ہی احتیاط سوا کیجئے گا آپ
نہ جانے، اُس جنون میں کیا کیجئے گا آپ

جب کچھ نہ بن پڑے گا مداوائے دردِ ہجر
رو رو کے مغفرت کی دُعا کیجئے گا آپ



ذروں سے باتیں کرتے ہیں، دیوار و در سے ہم
دیکھا جہاں بھی حُسن، وہیں لوٹ ہو گئے
چھیڑیں کسی سے اور ہمارے ہی سامنے
اتنی سی بات پر ہے بس اک جگہ زرگری
کیونکر نہ ہو نظامِ دو عالم میں ابتری
حیرت خود ایک محشرِ خاموش بن گئی با!
ذروں کو حُسن و عشق سے معمور کر دیا
کوئی حسیں حسیں ہی ٹھہرتا نہیں، جگر!
وابستہ کس قدر ہیں تری رہ گذر سے ہم
تنگ آگئے ہیں اپنے مزاجِ نظر سے ہم
لڑتے ہیں دل ہی دل میں نسیمِ سحر سے ہم
پہلے ادھر سے بڑھتے ہیں وہ، یا ادھر سے ہم
کچھ بے خبر سے آپ ہیں، کچھ بے خبر سے ہم
بچ کر چلے تھے فتنہِ شام و سحر سے ہم
دامنِ فشاں گذر گئے جس رہ گذر سے ہم
باز آئے اس بلندیِ ذوقِ نظر سے ہم



نظمیں

مبارک بادِ صحت یابی

بفصلِ خدا غسلِ صحت مبارک! یہ جشنِ مسرت مبارک!
 افق ہے وہ پھولی کرنِ زندگی کی یہ آثارِ صبحِ سعادت مبارک!
 یہ ہستی، یہ شملہ، یہ رونقِ سلامت یہ شوکت، یہ سطوت یہ عظمت مبارک!
 یہ حُسن و جوانی، یہ علم و معانی یہ تائیدِ فیضانِ رحمت مبارک!
 سعدِ الظفرِ خاں بہادر! تمہیں بھی رشیدِ الظفرِ خاں کی صحت مبارک!
 بایں سادگی و بہ ایں پاکِ فطرت بہ آرائش و زیب و زینت مبارک!
 جو یہ اُن کے شیدا تو وہ اُن کے عاشق بہم بھائی بھائی کی اُلفت مبارک!
 الہی! رہے تا ابد یہ بھرا گھر بھرے گھر کو بھر پورِ عشرت مبارک!
 دُعا ہے کہ مل کر رہیں سب یہ اک دن تمہیں خدمتِ ملک و ملت مبارک!
 سبھی کچھ مبارک، تمہیں اور مجھ کو خود اپنی یہ نذرِ عقیدت مبارک!
 یہ خلق و مروت، بہ لطف و محبت دلِ غیر پر بھی حکومت مبارک!
 جگر پر عنایت تری روز افزوں اُسے مفت خوری کی عادت مبارک!



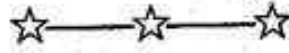
ایک شاعر کا پیغام

ایک مغرب زدہ ناظم کے نام

قوم و وطن کے مدّعی، کون و مکاں پر چھائے جا فکر و عمل کی وسعتیں تنگ نہ کر بڑھائے جا
 تو کہ ہے تنگِ زندگی، درسِ ترا درندگی زندگی و درندگی، یوں نہ بہم ملائے جا

اے کہ تیری ذہنیت ساحتہ فرنگیاں
تیرے تمام خلوتیں، شاہد و مطرب و شراب
تیرے فریب کے لئے کم نہیں پست ذوقیاں
تجھ کو خدا سے کیا غرض، چھوڑ خدا کا تذکرہ
جہل ترا تری سرشت، علم ترا متاع غیر
تیری نگاہ و فکر میں عصمتِ حسن کچھ نہیں
لوٹ کے دوسروں کا مال، نوحہ مفلسی سنا
اہلِ دُور کے سامنے دستِ ہوس ترا دراز
جب تیری مضحکات پر بزم کی بزم نہس پڑے

خوب فریب کھا چکا، اب نہ فریب کھائے جا
بزم میں انقلاب کا شور مگر مچائے جا
بھر کے ہر ایک تازہ روپ، شعبدے تو دکھائے جا
مارکس کا ٹو غلام ہے، مارکس کے گیت گائے جا
حکمت و شعر کہہ کے تو سب کو یقین دلائے جا
اپنی یہ بُردلی مگر مصلحت چھپائے جا
کھا کے پلاؤ تو رومہ بھوک کے گیت گائے جا
ہٹ کے وہاں سے گالیاں ان کو مگر سنائے جا
داد سمجھ کے اپنا سر ناز سے تو ہلائے جا

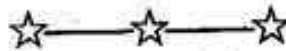


انتقالِ نواب سعید الملک

وہ جس کی دید سے ہوتا تھا حاصل
جگر! موت ایسے کمالِ قدرداں کی
یہ غم ہے ماورائے نوحہ خوانی
بہت کچھ حسرتِ ماتم ہے، لیکن
اٹھی ہے آہ! دُنیا سے وہ ہستی
سعید الملک نواب، ابنِ نواب
سراپا اخلاق و اخلاص
بہادر، شیرِ افکن، مردِ میداں
دلوں پر کی ہے جس نے حکمرانی

فراغِ دل، فروغِ زندگانی
حقیقت میں ہے مرگِ قدردانی
جوانی اور مرگِ ناگہانی!
حقیقت میں یہ غم ہے جاودانی
جو تھی ہر بات میں آپ اپنی ثانی
بہارِ گلشنِ شاہِ جہانی
جسمِ صورتِ پاکیزہ جانی

(نامتوم)



عید

ہر قوم کی ہے عید، ہر اک انس و جاں کی عید
چھوٹی مسرتوں کا اگر نام عید ہے
لیکن نہیں تو مسلمِ حسرتِ نشاں کی عید
بیشک ہے پھر تو ملتِ اسلامیاں کی عید

ہم سایہ کے گھر میں (ہے) جو ناکہ، ہوا کرنے اپنی تو ہو ہی جاتی ہے نام و نشان کی عید
خود غرضیوں کی آڑ میں ملت فروشیاں کہتے ہیں اس کو مسلم ہندوستان کی عید
احساس تک ہے وحدت قومی کا محو خواب یہ حال ہو تو کیسی مسرت کہاں کی عید
اپنی بلا سے، کوئی جنے یا کوئی مرے اپنی تو ہو ہی جاتی ہے نام و نشان کی عید



رُباعی

مریض قوم کے درماں مہاتما گاندھی دلوں کی شمع فروزاں مہاتما گاندھی
تمام درد و خلوص و محبت و ایثار حقیقت تھے اک انساں مہاتما گاندھی



مہاتما گاندھی

گاندھی جی وہ ذاتِ مکرم گاندھی جی وہ خلقِ مجسم
گاندھی جی وہ حسنِ اعظم سوگ ہے جن کا عالم عالم



آنکھیں اُن کے سوگ میں گریاں سینے اُن کے غم میں ویراں
ہندو ہو یا کوئی مسلمان جس کو دیکھو حیراں، حیراں



ذرہ ذرہ، صحرا صحرا قطرہ قطرہ، دریا دریا
بستی بستی، دُنیا دُنیا ماتم ماتم، نوحا نوحا



اُن کا مذہب وحدانیت اُن کا عقیدہ روحانیت
اُن کا مسلک انسانیت اُن کی فضا نورانیت



اُن کے دل میں سب کی محبت اُن کی نظر میں سب کی عزت
سب کی عزت، سب کی عظمت سب کی سیوا، سب کی خدمت

☆—☆—☆
اُن کا فیض عام مسلسل! اُن کا دور جام مسلسل
اُن کا ہر اقدام مسلسل بات مکمل، کام مسلسل

☆—☆—☆
اُن کی سیاست کی گہرائی تھاہ کسی نے جس کی نہ پائی
راجندر اور آزاد، ڈسائی! اک حد تک ان سب کی رسائی

☆—☆—☆
آہ! وہ اُن کی سادہ بیانی شبنم شبنم، پانی پانی
مدھم مدھم جس کی روانی لیکن اک دریائے معانی

☆—☆—☆
انسانوں کو مٹا کر ذاتیں ایک بنا دینے کی گھاتیں!
کس کے دن اور کس کی راتیں کون سنے یہ بہکی باتیں

☆—☆—☆
جنگ آزادی کے رہبر پریم اپنا اُن کا لشکر
ظاہر میں صرف ایک قلندر باطن میں دارا و سکندر

☆—☆—☆
دام غلامی توڑ کے نکلے رُوئے حوادث موڑ کے نکلے
نقشِ محبت جوڑ کے نکلے ٹوٹے دلوں کو جوڑ کے نکلے

☆—☆—☆
عمر یونہی خدمت میں گذاری لاغر جسم اور گھڑی بھاری
بھارت مانتا خود یہ پکاری پریم کا داتا، پریم بھجاری

☆—☆—☆
کاش کہ ہم سب اتنا سمجھیں ہم پہ ہیں احساں کیا کیا سمجھیں
مل کر سوچیں، تنہا سمجھیں فرضِ عقیدت اپنا سمجھیں

☆—☆—☆

ڈوب کے پھر سے اُبھرنا سیکھیں تقلید اُن کی کرنا سیکھیں
مخلص بن کے گذرنا سیکھیں جینا سیکھیں، مرنا سیکھیں



انسان ہے جو انسان کا دشمن عصمت اور ایمان کا دشمن!
نہی نہی جان کا دشمن وہ ہے ہندوستان کا دشمن

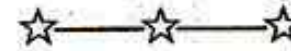


ہندو مسلم مل کے گائیں گاندھی کا پیغام سنائیں
بھول محبت کے برسائیں جنت اس دُنیا کو بنائیں
(نا تمام)



یوم آزادی

۱۔ زبانِ اہل ہوس پر کلام آزادی
وہی سلاسل و زنداں، وہی ہے طوق و رسن
اسی کو کہتے ہیں کیا احترام آزادی
اسی کا نام مگر ہے نظامِ آزادی
یہ دو برس کا ہے حاصلِ بنامِ آزادی
ابھی ہے دُور بہت صبح و شامِ آزادی
وہی سیاستِ باطل، وہی نظامِ کہن
بس اور کیا ہے..... نقشِ دوامِ آزادی



۲۔ اُس غلامی پہ آپ ہیں آزاد
ہوں مُلک و مال کی خاطر
آج بھی خوش ہے رُوحِ استبداد
عظمتِ ملک و قوم ہے برباد



لوگ کہتے ہیں، وطن آزاد ہے
وہ وطن، وہ کشورِ ہندوستان
میں سمجھتا ہوں، وطن برباد ہے
وہ چمن، وہ جنتِ رُوحانیاں
ہائے، وہ گہوارۂ صدق و صفا
ہائے، وہ سیارۂ مہر و وفا

لہر درد کو بدلتی ہوئی انبساط سے ہر غم کو خوشگوار بناتی چلی گئی
ہر موج بحرِ حسن سے خود کھلتی ہوئی ہر آرزو کی پیاس بجھاتی چلی گئی



تکیہ

عکسِ رُوئے نگار ہے تکیہ
ہم سے پوچھو تو دستِ صنعت کا
رُوح پرور بھی، خواب آور بھی
جب اسے دیکھئے کسی کے لئے
راحتِ جانِ ہر امیر و فقیر!
جس جگہ دیکھئے طلب اس کی
مذہب و ملک و قوم سے آزاد
اک جہاں کو پیامِ خواب مگر
شاید خوابِ ناز کے رُخ کا
دردِ مندانِ شامِ فرقت کا
شب کی بے تابیاں ہیں محو اس میں
موجِ راحت ہے تار تار اس کا
عہدِ رنگین و دورِ غمگین کا
داستانیں ہیں اس میں لاکھوں دفن
دیکھ لو حسن و عشق کے جلوے
اس کی ہر سطر مستقل تاریخ
راز جو چاہئے بیاں کیجئے
شب کی تنہائیوں کے عالم میں
درد کو اس کے کوئی کیا جانے

واہ کیا پُر بہار ہے تکیہ
طرفہ اک شاہکار ہے تکیہ
جیسے آغوشِ یار ہے تکیہ
ہمہ تن انتظار ہے تکیہ
رحمتِ کردگار ہے تکیہ
شاید روزگار ہے تکیہ
کیا وسیع الشعار ہے تکیہ
آپ شبِ زندہ دار ہے تکیہ
کیا ہی سادہ سنگھار ہے تکیہ
مونوں و غمگسار ہے تکیہ
درد کا پردہ دار ہے تکیہ
اور کبھی خار خار ہے تکیہ
زندہ اک یادگار ہے تکیہ
اک جہاں مزار ہے تکیہ
ان کا آئینہ دار ہے تکیہ
کیا حقیقت نگار ہے تکیہ
لائقِ اعتبار ہے تکیہ
مونوں جانِ زار ہے تکیہ
آپ اپنی پُکار ہے تکیہ

اس کی توصیف سب بجا، لیکن کاہلی کا شکار ہے تکیہ
 طہیہ نے اسے بنایا ہے قابل افتخار ہے تکیہ
 ☆—☆—☆

ساقی سے خطاب

وطن کا کیا قصور اس میں، وطن کو دوش کیوں دیجے وطن دشمن بنے ہیں خود محبوبانِ وطن ساقی
 ☆—☆—☆

وہ پاکستان ہے ساقی، یہ ہندوستان ہے ساقی مگر انسانیت کا ہر جگہ فُقدان ہے ساقی
 یہاں سرمایہ داری، چور بازاری کے میلے ہیں یہاں اپنی حکومت ہے، یہ ہندوستان ہے ساقی
 ☆—☆—☆

یہاں کے ہٹلوں میں گوشت بک جاتا ہے بچوں کا یہاں فرقہ گشی کی ذہنیت بھی عام ہے ساقی
 ☆—☆—☆

جواں رندوں کے اس فقرے پہ کیا ارشاد ہے ساقی
 ”زمانہ ہے نیا اور زائد المیاد ہے ساقی“
 کہاں میرا نشیمن تھا، اب اس کی کیا خبر، لیکن
 کہیں میں بھی چھکتا تھا، بس اتنا یاد ہے ساقی

یہ آبا، یہ ویرانہ، یہ ہنگامے، یہ ستائے
 زمانہ کس قدر مجموعہ اضمداد ہے ساقی
 نہیں دیتا کسی کو جامِ مے بارِ دگر ساقی
 زمانے کے تقاضوں کی بھی رکھتا ہے خبر ساقی
 یہ سوز و ساز کا عالم، یہ اشک و آہ کی دُنیا
 بجا ہے، اس کو کہتے ہیں اگر دارالحن ساقی
 سلامت تیری ہستی، میری مستی، تیرا مے خانہ
 مبارک میری گستاخی، مرا دیوانہ پن ساقی

یہ عالم گیر شیطانی سیاست، اے معاذ اللہ!
 نہیں انسانیت کو اب مجالِ دمِ زدن ساقی
 جہاں ٹھوٹی صداقت ہو، ہمیں اُس سے نہیں مطلب
 جہاں سچی محبت ہو، وہی میرا وطن ساقی
 جہاں اعلیٰ سیاست کا تخیل تک نہیں ممکن
 جہاں اک جنس کا سد ہو حقیقی علم و فن ساقی



نذرِ غالب

اے وہ کہ تری ذات گرامی بہ ہمہ رنگ
 اے وہ کہ ہر اک نغمہ ترا نغمہ فطرت
 اے وہ کہ ترے معجزہ جہش لب سے
 اے وہ کہ تری فکر بہ ہر طرز و بہ ہر صنف
 اقلیمِ سخن ہے ترے اعجازِ نفس سے
 ہر مہول ترے باغ کا فردوس بہ دامن
 اک گوشہ دامن میں مرے دجلہ و جیحوں
 تو نظم میں بھی، نثر میں بھی مجتہد العصر
 تو نے اسے گنجائش کونین عطا کی
 لا ریب کہ اس ذات سے واقف تھی تری ذات

الحق کہ تری وسعتِ تخیل کے آگے
 صحرا کفِ خاکستر و گلشنِ قفسِ رنگ



گیت

(ایک آزاد ملک و وطن کے ایک نووارد مسافر سے)
شاعر کا خطاب

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ
بھاگ مسافر بھاگ !

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

☆—☆—☆

دیس کے اپنے کرتا دھرتا اکثر ہیں وہ لوگ
دل میں جن کے کنکر پتھر فطرت جن کی گھاگ

بھاگ مسافر بھاگ !

گاندھی جی کا نام زباں پر من کے اندر روگ
کام نہیں بے جھانسا پٹی، بات نہیں بے لاگ

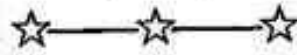
بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

جتنا جاہل ننگی بھوکی اور یہاں کچھ لوگ
اپنے اپنے رنگ محل میں بیٹھے اڑائیں کاگ

بھاگ مسافر بھاگ !

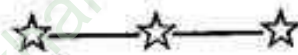
میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ

بھولی بھولی صورت والے پوٹ ہیں بس کی پوٹ
گوری چٹی رنگت والے ناگ ہیں کالے ناگ
ناگ ہیں کالے ناگ مسافر، ناگ ہیں کالے ناگ
بھاگ مسافر، بھاگ مسافر، بھاگ مسافر بھاگ
میرے وطن سے، میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ



کوچے کوچے، گوشے گوشے، لوٹ مچی ہے لوٹ
جنگل جنگل، بستی بستی آگ لگی ہے آگ
بھاگ مسافر بھاگ

تیرے وطن میں میل محبت، فرض کا عام احساس
میرے وطن میں مٹھوٹ عداوت، اپنے اپنے بھاگ
بھاگ مسافر بھاگ



ہولی آئی ہولی آئی، اب ہے یہاں یہ ریت
دولت چھینیں عصمت لوٹیں، خون سے کھیلیں پھاگ
خون سے کھیلیں پھاگ مسافر، خون سے کھیلیں پھاگ
بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ

آزادی کی بھیک سے ملتا آخر کیا انعام
فتنے جاگے، بھیروں ناچا، موت نے چھیڑا راگ
موت نے چھیڑا راگ مسافر، موت نے چھیڑا راگ

میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ مسافر بھاگ
اوپر اوپر پھول کھلے ہیں، بھیتر بھیتر آگ



کیا چیز غمِ عشق کی دیوانہ دہی ہے رونا ہے تو رونا ہے، ہنسی ہے تو ہنسی ہے
 ہر چند کہ تکرارِ نظر بے ادبی ہے پر کیجئے کیا، عشق کی فطرت ہی یہی ہے
 آسان نہیں جہدِ مسلسل سے گزرنا ہر گام یہاں مرحلہ خود شکنی ہے
 اک طرزِ تہوّر کے کرشمے ہیں بہ ہر رنگ اے دوست یہ دنیا نہ بُری ہے نہ بھلی ہے
 اک منزلِ بے نام نہ حسرت نہ تماشا اک عالمِ حیرت کہ نہ غم ہے نہ خوشی ہے
 بن جاؤں نہ بے گانہ آدابِ محبت اتنے نہ قریب آؤ مناسب بھی یہی ہے
 وہ ظلم بھی کرتے ہیں تو فرماتے ہیں احساں ہم آہ بھی کرتے ہیں تو خاطر شکنی ہے

یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حُسن
 جب دیکھیے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے



۱۔ شعر ”فعلاً طور“ شائع ہو چکا ہے۔ اب اس غزل میں شامل کر لیا گیا ہے

درِ جگر

راز جو سینہ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
 سب سے پہلے دل شاعر میں عیاں ہوتا ہے
 سخت خوں ریز جب آشوبِ جہاں ہوتا
 نہیں معلوم یہ انسان کہاں ہوتا ہے
 جب کوئی عشق میں بربادِ جہاں ہوتا ہے
 مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے
 حُسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
 اہلِ دل کے لئے سرمایہٴ جاں ہوتا ہے
 ہائے وہ وقت کہ جب حُسن پہ آتا ہے شباب
 اُف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے
 وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب
 دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے
 کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی ہو کوئی آزار
 تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے
 ہائے وہ سلسلہٴ اشک کہ جو تیرے حضور
 دل میں رہتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

لمعاتِ طور

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
زاہد یہ میری شوخی رندانہ دیکھنا!
سر مستی ازل مجھے جب یاد آگئی
آزردگی خاطر ساقی کو دیکھ کر
اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف
پیتا بغیر اذن، یہ کب تھی مری مجال
لہروں سے کھیلتا ہوا، لہرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے، تھرا کے پی گیا
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گے
دنیاے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گے
مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گے
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گے
در پردہ چشم یار کی شہ پا کے پی گے
اُس جان میکدہ کی قسم، بار ہا، جگر!
کل عالم بسیط پہ میں چھا کے پی گیا



غمِ انتظار

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار، کیا کہنا
یہ چشمِ مست، یہ ابرو، یہ زلف، یہ خدو خال
شباب اور مکمل شباب، ارے توبہ!
تصادمِ نگہِ شوق، اے معاذ اللہ!
فروغِ حسن و نوائے سرود و طرفِ چمن
گلِ بنفشہ و نسرين و نستر، کیا خوب!
بیانِ درد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز
کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار، کیا کہنا!
یہ لب، یہ رخ، یہ جبیں، یہ عذار، کیا کہنا!
بہار اور مجسمِ بہار، کیا کہنا!
تبسمِ نگہِ فتنہ کار، کیا کہنا!
شرابِ عشق و لب جوئے یار، کیا کہنا!
بہار و سایہ ابر بہار، کیا کہنا!
جبیں شوق و کفِ پائے یار، کیا کہنا!

حریمِ خُسن کے پردے اُٹھے ہوئے ہیں، جگر
یہی اگر ہے غمِ انتظار، کیا کہنا!

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سارے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں
وہی قیامت ہے قدبالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا
لیوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنم
میں نقشِ حرام بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں
خرام رنگیں، نظام رنگیں، کلام رنگیں، پیام رنگیں
قدم قدم پر، روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
شباب رنگیں، جمال رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں
تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر
سنبھل سنبھل کر، سمٹ سمٹ کر، سب ایک مرکز پہ آ رہے ہیں
بہار رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا
تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں

طیور سرشارِ ساغرِ مل، ہلاکِ تنویرِ لالہ و گل!
 سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجب عجب گیت گارہے ہیں
 شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے نظر سے مستی اُبل رہی ہے
 چھلک رہی ہے، اُچھل رہی ہے، پئے ہوئے ہیں، پلا رہے ہیں
 خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
 خرابِ مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاکِ ہستی بنا رہے ہیں
 فضا سے نشہ برس رہا ہے، دماغ پھولوں میں بس رہا ہے
 وہ کون ہے جو ترس رہا ہے، کبھی کو میکش پلا رہے ہیں
 زمین نشہ، زمان نشہ، جہان نشہ، مکان نشہ
 مکان کیا، لامکان نشہ، ڈبو رہے ہیں، پلا رہے ہیں
 وہ رُوئے رنگیں، وہ موجہٴ یم، کہ جیسے دامنِ گل پہ شبنم
 یہ گرمیِ سخن کا ہے عالم، عرقِ عرق ہیں، نہا رہے ہیں
 یہ مست بلبُل بہک رہی ہے، قریبِ عارض چپک رہی ہے
 گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں
 یہ موجِ دریا، یہ ریگِ صحرا، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم
 ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہیں، یہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں
 فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
 سکوتِ نغمہ بنا ہوا ہے، وہ جیسے کچھ مَنگنا رہے ہیں
 اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدّر، رہے گا لیکن یہ نقشِ دل پر
 ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں
 یہ اشک جو بہہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہیں یہ حاصلِ غم
 مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بھی کچھ مُسکرا رہے ہیں
 ذرا جو دم بھر کو آنکھ جھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی تجلی
 طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں
 خوشی سے لبریز شیشِ جہت ہے، زبان پر شورِ تہنیت ہے
 یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

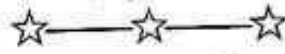
نرگسِ مستانہ

(خطاب بہ اصغر نور اللہ مرقدہ)

اپنا ہی سا اے نرگسِ مستانہ بنا دے
ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے
اک برقِ ادا خرمن ہستی پہ گرا کر
ہر دل ہے تری بزم میں لبریزِ مئے عشق
تو ساقیِ میخانہ بھی، تو نشہ وے بھی
اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا
تو ساقیِ میخانہ ہے میں رندِ بلا نوش
یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ سما جا
قطرے میں وہ دریا ہے جو عالم کو ڈبو دے
لیکن مجھے ہر قید تعین سے بچا کر
عالم تو ہے دیوانہ جگرِ حُسن کی خاطر
تو اپنے لئے حُسن کو دیوانہ بنا دے

کب تک نگہ یار نہ ہو گی متہتم
منکر تو نہ بن حُسن کے اعجازِ نظر کا
جب تک کرمِ خاص کا دریا نہ اُٹد آئے
بُت خانے میں آنکھ تو کعبہ کی پنا ڈالی
جو موج اُٹھے دل سے ترے جوشِ طلب میں
جب مائلِ الطاف نظر آئے وہ خود ہیں
کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا
پھر عرض کر اس طرح جگرِ شوق و ادب سے
تجھ کو نگہ یار! قسم میرے جنوں کی
تو اپنا ہر اندازِ حریفانہ بنا دے
کہنے کے لئے اپنے کو بیگانہ بنا دے
تو اور بھی حال اپنا سفیانہ بنا دے
کعبہ میں پہنچ جائے تو بُت خانہ بنا دے
سر رکھ کے وہیں سجدہ شکرانہ بنا دے
تو ہر نگہ شوق کو افسانہ بنا دے
کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے
بے باک اگر جرأتِ زندانہ بنا دے
ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے

میں ہوں ترے قدموں میں، مجھے کچھ نہیں کہنا
اب جو بھی ترا لطف کریمانہ بنا دے



یادِ ایام

ذوقِ صورت ساز و شوقِ جلوہ ساماں داشتم
دست در دست نگارِ شوخ و سیر کوہ طور
از جمالِ حُسنِ ساقی، صد بہاراں در نظر
در فضائے آسمانِ حُسن، چوں سیارگاں
گہ بزیرِ طور، پیہم دعوتِ ذوقِ نظر
آہ، آں ساعت کہ از فیضِ جمالِ ہم نشین
حسرتِ آفتِ سرشت و آرزوئے بے قرار
محشرِ ستاں بودم و از فیضِ دردِ مستقل
کیست؟ کو گوید بہ سرکارِ از دلِ یکس پیام

ہم چمن آوارہ ام ہم سربہ صحرا دادہ ام!

من جگر ہستم، ہماں کامروز دور افتادہ ام

یاد ہیں اب تک جگر وہ بیقراری کے مزے
وہ جبینِ شوقِ اپنی، وہ کسی کے پائے ناز
حُسن کی سرشاریاں، خوابِ جوانی کی بہار
کہنے کیا کیفیتِ ناز و نیازِ حُسن و عشق
وہ سکونِ بخودی وہ جلوہ حیرت فروش
شوق کی زو داد پر وہ حسن کی بے مہریاں
آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کچھ نگاہِ ناز کا
انتہائے سادگی و شوقِ سامانی کے لطف
دل مجسم درد ہے، دل ہی سے اک دن پوچھئے

درد پیہم کی لگاؤ، زخمِ کاری کے مزے
سجدہ ریزی کی لطافت، اشکباری کے مزے
عشق کی بیتابیاں، شبِ زندہ داری کے مزے
راز داری جانتی ہے راز داری کے مزے
وہ جنونِ شوق، وہ بے اختیاری کے مزے
عشق کی فریاد پر وہ شرمساری کے مزے
دل ہی دل میں اُف! وہ ذوقِ جاں نثاری کے مزے
ابتدائے عاشقی و خام کاری کے مزے
شام سے لے کر سحر تک دمِ شکاری کے مزے

۱۔ جناب شیخ اصغر حسین مین پوری، جناب شاد مین پوری اور جناب اختر رام پوری (جگر)

ہر جمالِ نو کی پیہم، اللہ اللہ! شانِ خاص
 عشق کے مضبوط ترکِ عہدِ مطلب کی شکست
 وہ اک آہِ آتشیں کا جانِ مضطر سے سلوک
 اپنی ہر لغزش سے پیدا عشق کا لطفِ یقین
 آہ وہ دورِ محبت کی گزشتہ لذتیں
 ہر نفس ہے اب تو اعلانِ شکستِ آرزو
 قطرہ قطرہ موجِ صہبا ذرہ ذرہ جامِ جم
 شورِ مستانہ کجا و جلوہ ساقی کجا
 آہ، آں منظر کجا و آں مئے باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظامِ آرزو
 تو کہ جانِ حُسن ہے اور حُسن تیری جان ہے
 تیری ہر موجِ تبسم، تیری ہر موجِ نظر
 تیرا روئے آتشیں، سجودِ صبحِ دلبری
 چشمِ و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت
 میں نہیں بھولا تجھے تجھ کو بھی شاید یاد ہو
 سنِ پیامِ آرزو، بعد از سلامِ آرزو
 ہاں مبارک ہو تجھے عیشِ دوامِ آرزو
 ایک برقی طور تھی، بالائے بامِ آرزو
 تیری زلفِ عنبریں، معبودِ شامِ آرزو
 اللہ اللہ! تو کرے یوں احترامِ آرزو
 مجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو
 حرفے از دردِ دل بے مدعائے گفتن است
 ماجرائے گفتن و صد ماجرائے گفتن است



مجدوب کی صدا

اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں
 خطا معاف کہ مجبورِ التجا ہوں میں
 نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں
 وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے، یہ دیکھتا ہوں میں
 خدا نہیں ہوں مگر مظہرِ خدا ہوں میں
 خود اپنے حُسنِ صفائی پہ مبتلا ہوں میں
 اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں
 بیانِ جرمِ محبت ہے، جانتا ہوں میں
 فریبِ خورد و رنگینی ادا ہوں میں
 کمالِ بے بصری پر بھی کیا بلا ہوں میں
 تمام اصل و حقیقت کا آنا ہوں میں
 کرشمہ سازی ہنگامہ جہاں معلوم

جہاں عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری
گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں
جنون عشق میں عریانیوں پہ میری نہ جا
نبود و بود کا کل راز جس میں مضمحل ہے
فتادگی مرا شیوہ شگستگی مری شان
سمجھ میں خاک نہ آئیں گے معنی و مطلب
گراں ہے میری لطافت پہ یہ غبار وجود
کدھر ہے؟ منظر ہستی کے دیکھنے والے!
وہ جام اک مئے بے رنگ کا پلا ساقی!
بجا ہے حسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے
نگاہ شوق کو بھی رخصت کلام نہ دی
قدم ذرا جو ہٹے جادۂ وفا سے کہیں
گھٹلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق
مٹائے لاکھ زمانہ، مٹا نہیں سکتا
ہر ایک شے نظر آتی ہے خود مری تصویر
فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہے
جہاں نہ پھونک دیں آتش نوائیاں میری
تصوّرات کی آئینہ بندیاں بے سود
مجھے تلاش کر، اے بخودئی شوقی وجود!
مجھے نہ چھیڑ بہت، اے نسیم صبح کرم!
مٹا نہ صفحہ ہستی سے میرا نقش وجود

ازل سے گرم رو عرصہ بلا ہوں میں
تمام شوق ہوں اور شوقی بر ملا ہوں میں
بہت قریب، بڑا دیر آشنا ہوں میں
بساطِ عجز پہ وہ نقش ابتدا ہوں میں
خود اپنی راہ حقیقت کا رہنما ہوں میں
مجھے نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں
اُسے بقا مری سمجھو، اگر فنا ہوں میں
یہ ساز وہ نہیں، جس ساز کی صدا ہوں میں
کہ بھول کر بھی نہ پھر محو ماسوا ہوں میں
دل ربودہ و آہ شگستہ پا ہوں میں
مزاجِ حسن سے کس درجہ آشنا ہوں میں
ہر ایک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں میں
سمجھ رہا ہوں، مگر کیا سمجھ رہا ہوں میں
اگر یہ سچ ہے کہ تیری ہی اک ادا ہوں میں
جہاں سے منظرِ فطرت کو دیکھتا ہوں میں
وہ ایک نغمہ بے ساز و بے صدا ہوں میں
کہ سوز سینہ ربابِ با صفا ہوں میں
تعینات کی دنیا سے ماورا ہوں میں
پہنچ کے منزل مقصد پہ کھو گیا ہوں میں
تمام شوق و شکایت کا ماجرا ہوں میں
کہ فخر عاشقی و نازش وفا ہوں میں

جگر، یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی

یقین ہوا کسی ”مجبذب کی صدا“ ہوں میں

نغمہ اسلام

ہر طرف غل ہے، وہ آیا جگر بادہ پرست اثر نشہ صہبا سے سراپا بدست
 شعر حافظ بزبان، جام بکف، شیشہ بدست بے خبر از ہمہ عالم، چہ بلند است و چہ پست
 شورِ مستانہ کہاں اور سخن وعظ کہاں
 آج یہ رند کہاں، انجمن وعظ کہاں
 جمع مومن بھی ہیں، عالم بھی ہیں، دیندار بھی ہیں معتدل رنگ کے بھی لوگ ہیں، احرار بھی ہیں
 واقفِ رازِ سرا پردہ اسرار بھی ہیں دیں کے طالب بھی ہیں، دنیا کے طلبگار بھی ہیں
 کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں
 ان سے پوچھو تو کوئی، آپ ہیں کس گنتی میں
 جانتا ہوں کہ ہوں دراصل میں تنگ اسلام کچھ نہ اندیشہ آغاز نہ خوف انجام
 میری آشفٹہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام وہی میخانہ و ساقی، وہی بادہ، وہی جام
 مجھ کو اپنی روش خاص سے انکار نہیں
 میرے مشرب میں ریا کاری دیندار نہیں
 باہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی ہوں در احمد مرسل کا غلام نسبی
 ”مرحبا سید مکی مدنی العربی دل و جاں بادی فدایت چہ عجب خوش لقمی!“
 کیوں نہ پھر رحمت باری کا طلبگار ہوں میں
 ہاں مجھے فخر ہے اس پر کہ گنہگار ہوں میں
 وہ رسول عربی، فخر رسولانِ سلف ذاتِ اقدس سے ملا جس کی زمانے کو شرف
 جس پہ نازل ہوا قرآن سا کامل مصحف جس کے تابع جن و انس، ملائک کی بھی صف
 اک وہی شمع نبوت جو ضیا بار ہوئی
 ساری تاریک فضا مطلع الانوار ہوئی
 ہر زمانے میں پیغمبر بھی، نبی بھی آئے مصلح ملتی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
 حق کے جو بندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے واقفِ محرم سرِ ازیلی بھی آئے
 آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
 کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو؟ کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو؟
 راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو؟ کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو؟
 تم نے دیکھا ہے بہت دفتر پیغام اس کا
 اور ایسا کوئی گذرا ہو تو لو نام اس کا
 تم میں صدیق سا گذرا ہو تو للہ! دکھاؤ تم نے فاروق سا دیکھا ہو تو للہ! دکھاؤ
 کوئی عثمان سا آیا ہو تو للہ! دکھاؤ کوئی حیدر سا جو پایا ہو تو للہ! دکھاؤ
 ثانی احمد بے میم تو کیا لاؤ گے
 اس کی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے
 غم نہ کر مسلم حیرت زدہ و مہر بلب آشنا رنگِ فنا سے نہیں تیرا مذہب
 یہ حوادث ہیں ترے تیری ترقی کے سبب تیرے حامی ہیں نبی، تیرا نگہبان ہے رب
 فتنے اکثر بہت اس طرح کے اٹھواے گئے
 ایسے دجال زمانے میں بہت آئے، گئے



ہلالِ عید

آہ اور عشرت فزائے روح انسانی ہلال! آہ او قدت نمائے شانِ یزدانی، ہلال!
 آہ او فطرتِ لقائے بزمِ نورانی، ہلال! آہ او صورت کشائے ذوق و جدانی، ہلال!
 تُو نویدِ انبساطِ خاطرِ پژمرده ہے
 حسرتِ اُس مایوس پر، اس پر بھی جو افسردہ ہے
 دیکھتا ہوں میں تجھے، تو دیکھتا ہے میرا حال جانِ مضطر، قلبِ آزرده، پریشاں سر کے بال
 تو دلیلِ اوج و رفعت، میں سراپا پائمال آہ یہ دن، آہ یہ شب، آہ یہ شامِ ملال
 از دل افکارِ جنوں وجہِ دل افکاری مپرس
 آہ غمِ خوارِ غم! حالِ غمِ آزادی مپرس
 حالِ میرا پوچھتا ہے، مجھ سے تُو، اے بے خبر! ہو چکی تاریک چشمِ یاس میں شام و سحر
 آہ وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہے کس قدر! جس کو میں سمجھے ہوئے تھا داستانِ مختصر
 سال بھر پیچھے عیادت کو مری آیا ہے تُو
 لا، دوائے اضطرابِ درد کیا لایا ہے تُو

خیر تو خاموش ہے، تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز خیر، تو چپ ہے، تو ہم خود ہی بجاتے ہیں یہ ساز
 اٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک انکشت ناز ہے اسی دن سے طبیعت تیری اس درجہ گداز
 تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی پنہاں بھید ہے
 تو قہلِ غم نہیں ہے، زندہ جاوید ہے
 مجھ میں تجھ میں، اک زمین و آسمان کا فرق ہے میں ہوں مضطر، تو ہوائے دلکشی میں غرق ہے
 تیرے آگے زرد چہرہ آفتابِ شرق ہے اور میرے واسطے تیری جھلک ہی برق ہے
 ہاں، مگر اک امتیازِ عاشقی مجھ میں بھی ہے
 جانتا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہے وہ تجھ میں بھی ہے
 فرق اتنا ہے کہ تُو ہے کامیابِ آرزو ذرہ حسرت ہوں میں، تو آفتابِ آرزو
 اٹھ چکا ہے تیری نظروں سے حجابِ آرزو اور اب تک گم ہوں میں زیرِ نقابِ آرزو
 لاکھ پر بھاری ہے تیری ایک ہستی نحیف
 دیکھ لینے سے ترے کھل جاتی ہے چشمِ ضعیف
 اک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز اب تو ہوں اک ہستی موہوم کا خاموش ساز
 جتنے سجدے تھے جس میں، کر چکا صرف نیاز ہو چکی مہمانی غم اٹھ چکے اب دل کے راز
 بدر تھا پہلے، مگر اب میں ہلائی ہو گیا
 ہجر میں اتنا گھلا، نقشِ خیالی ہو گیا
 آ کہ رخصت تجھ سے ہوں، تیری رخصت دیکھ لوں آ کہ دم بھر اور اپنا نقشِ حسرت دیکھ لوں
 آ کہ تیرے آئینے میں خطِ قسمت دیکھ لوں آ کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں
 دیکھ کر صورت تری، جان اپنی دے دوں گا تجھے
 اب کے دیکھا ہے تجھے، اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

(نا تمام)

برخویش نگاہ کن

نورِ مطلق کی ضیا اس عرش کے تارے میں دیکھ اعتبارِ حسن پر یہ شورش و مستی تری!
 اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہوارے میں دیکھ کچھ خبر بھی ہے تجھے، کیا چیز ہے ہستی تری
 خود پیامِ مرگ ہے محدود ہو جانا ترا ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا
 نغمہ بنتا ہے اگر، نغمہ بے آواز بن قعرِ پستی سے ابھر اور اپنی خود آواز بن

تو چھپاتا کیوں ہے اپنے حسنِ عریانی کا راز
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا مل گیا دریا سے جب قطرہ تو دریا ہو گیا
تشنگی کو بحرِ نا پیدا کنارِ دل بنا پھر انہیں موجوں کو تو کشتی بنا ساحل بنا
ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا کل فضائے دہر اک چھوٹا سا پیانہ ترا
زندگی کا راز پہاں انتشارِ غم میں ہے اک پیامِ مستقل ہر نغمہ برہم میں ہے
غم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی
ہے یہی بسمِ اللہ اُمّ الکتابِ زندگی

(نا تمام)

تخمیس بر غزلِ اردو

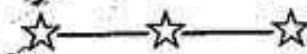
غمِ عاشقی ہے، فغاں گو بکُو ہے ہر اک لحظہ منتظرِ نیا زویرِ و ہے
کہیں سبزہ و گل، کہیں دشتِ ہو ہے تری آرزو ہے، تری جستجو ہے
خیالِ ایک جانب، نگہ چار سو ہے
محبت ہی ناظم، محبت ہی ناثر محبت دکھاتی ہے کیا کیا مناظر
محبت ہی باطن، محبت ہی ظاہر محبت ہی اول، محبت ہی آخر
محبت ہی میں ہوں، محبت ہی تُو ہے
ترا وصل اچھا، ترا ہجر پیارا جو منظور تجھ کو ہمیں سب گوارا
ترا فعلۂ عشق آنکھوں کا تارا پھڑکتی ہوئی جان کا غم سہارا
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تُو ہے
وہ عارضِ شگفتہ گلِ باغِ جنت وہ پیشانیِ صافِ صبحِ سعادت
وہ چشمِ سیہ، سایۂ ابرِ رحمت وہ رنگِ نزاکت، وہ حسنِ لطافت
کلی کا تبسم ہے، پھولوں کی بو ہے
کہیں عشق ہی عشق ہے مست و رسوا کہیں حسن ہی حسن ہے بادہِ پیا
غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا ان آنکھوں نے دیکھا یہی اک تماشا
کہیں میں ہی میں ہوں، کہیں تُو ہی تُو ہے
وہ کہتے ہیں سب، دل کے انداز کہئے محبت کا انجام و آغاز کہئے
ہر اک راز بے پردہ راز کہئے کہاں تک غمِ عشق شیراز کہئے

کہ ہر آرزو محتر آرزو ہے!



تخمیس بر غزل فارسی

گہے لخت لخت جگر می فروشم گہے حاصل چشم تری فروشم
 بہر گام لعل و گہر می فروشم نہ تنہا دل و جان و سر می فروشم
 دو عالم بہ تیغ نظر می فروشم
 ازل سے ہوں خو کردہ یاس و حرماں مری طبع خود دار ہے ناپشیاں
 مبادا کہ ہو مشکل شوق آساں من آں درد مندم کہ در درد دو درماں
 دعا می فروشم اثر می فروشم
 جدا ہے زمانے سے میرے طبیعت گوارا نہیں ایک دم، ایک حالت
 وہی میں، وہی تو، وہی چشم رحمت چہ ایذا پسندم کو در عین قربت
 بشام جدائی سحر می فروشم
 سنے تھے بہت میں نے بھی ہی فسانے نگاہوں میں پھرتے تھے اگلے زمانے
 دکھایا مجھے بھی ہی عشق و فنا نے بہر لحظہ می گیرم از غیب جانے
 بہر لمحہ جان دگر می فروشم
 ترے ہاتھ مجھے ہوں شہادت کا خواہاں نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں
 یہ جاں تیرے صدقے، یہ دل تیرے قرباں بہ تیغ اشارت سر افراز گرداں
 بگرد سرائے تو سر می فروشم
 بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی فدا تجھ پہ میں اور مری سے پرستی
 یہی ہے بس اب حاصل حسن ہستی خوشا ذوق و مستی کہ ہم ذوق و مستی
 سرت کرم و بے خبر می فروشم
 غزل می سرایم چہ حال و چہ قال است خیال است مستی و مستی خیال است
 بجان محبت! کہ خونم حلال است جگر، ایں چہ شور و جگراں چہ حال است
 کہ سردام و باز سر می فروشم



مثنوی عرفانِ خودی

(المعروف بہ ”سرورِ حقیقت“)

میرا نہیں غیر کوئی محرم
 غنچوں میں نہاں ہیں میرے اسرار
 ذروں میں چمک ہے میرے دم سے
 ہر بام ہے کوہِ طور میرا
 ہے جسم میں سب کے جان مجھ سے
 میں جسم بھی اور جان بھی ہوں
 یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں
 کعبے کی مرے سب سے بنیاد
 ناقوس کہیں، کہیں ازاں ہوں
 ہر قلب میں ہے مقام میرا
 حسن اک نگاہِ ناز میری
 دریا میری چشمِ تر سے پیدا
 کیا ان کا بیاں کریں زبانیں
 ہوش و خرد و ہوس سے باہر
 اک بحر ہے میرے ظرف میں گم
 خود موت ہوں، خود حیات ہوں میں
 سب اصل و مجاز میرے انداز
 گھٹنے پہ جو آئیں میرے اسرار
 اک بات میں سینکڑوں ترنم

سب مجھ میں ہے کائناتِ عالم
 پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار
 قطروں میں جھلک ہے میرے دم سے
 عالم پہ محیط نور میرا
 وابستہ ہے گلِ جہان مجھ سے
 میں دل میں ہوں اور زبان بھی ہوں
 یہ کون و مکاں نہیں ہے، میں ہوں
 بت خانہ مرے قدم سے آباد
 نغمہ ہوں کہیں، کہیں فغاں ہوں
 فیضان ہے سب پہ عام میرا
 عشق اک صفتِ نیاز میری
 صحرا مری خاکِ در سے پیدا
 محدود نہیں ہیں یہ میری شانیں
 میں اُن کی دسترس سے باہر
 گن میرے ہر ایک حرف میں گم
 خود ذات ہوں، خود صفات ہوں میں
 کونیں کا راز میرے انداز
 اوراق ہوں دو جہاں کے بیکار
 اک چپ میں ہزار ہا تکلم!

چہرے سے جو میں نقاب اٹھا دوں پروانوں کو شمع سے چھڑا دوں
 دامن کو اگر نچوڑ دوں میں دریا کا غرور توڑ دوں میں
 احساس کی آنکھ سے ہوں مستور ادراک کی سرحدوں سے ہوں دور
 کیوں کر ہوں مرے شمار عالم ہر سانس میں ہیں ہزار عالم
 لیکن بخدا، خدا نہیں ہوں! اس کفر میں مبتلا نہیں ہوں!
 یہ شانِ عبودیت ہے میری خود ذات میری صفت ہے میری
 پابند شریعتِ نبی ہوں خاکِ درِ دولتِ غنی ہوں



واسوخت در غزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم آئی گے کہیں نہ جائیں گے ہم
 تجھ سے بھی سوا حسین بن کر اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم
 وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم! تو روئے گا مسکرائیں گے ہم
 باطن میں ترے قریب رہ کر ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم
 زندہ ہی رہے گی مستی عشق! مرنے پہ بھی مر نہ جائیں گے ہم
 چھٹنا ہے کہیں ترا تھوڑ ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے ہم



کوئی جو نہیں، نہ ہو ہمارا اللہ سے لو لگائیں گے ہم
 تعمیر کنشتِ دل کو ڈھا کر اک کعبہ نو بنائیں گے ہم
 رو پوش تری نظر سے ہو کر پہروں تجھے یاد آئیں گے ہم
 باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم
 ہر بات میں کر کے بات پیدا جب چاہیں گے، روٹھ جائیں گے ہم
 پہلے دے کر فریب وعدہ اُمیدِ کرم دلائیں گے ہم
 پھر کر کے خرابِ شوق برسوں صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم
 جنگل جنگل زلانے والے! کونے کونے زلائیں گے ہم
 دیوانہ کی بڑ سمجھ نہ اس کو جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم

بیزار جگر کی شرم رکھ لے
کہہ دے، ترے ناز اٹھائیں گے ہم



میرے لئے

اُف وہ روئے تابناک و چشمِ تر میرے لئے
ہر نفس میں ایک دُنیاۓ محبت نو بہ نو
حیف! وہ لغزیدہ لغزیدہ قدم میری طرف
وہ رُخ رنگیں پہ انوارِ محبت زرد زرد
سر سے پاتک آہ وہ اک پیکرِ حُسنِ حزیں!
سرد سرد آہوں میں تاثیرِ محبت گرم گرم
جوشِ غم، جوشِ حیا، آغازِ عشق، احساسِ حُسن
سامنے آتے ہی آتے وہ تنفس تیز تر
وہ سرک جانا یکا یک روئے تاباں سے نقاب
ہر ادائے جاں نوازی، حُسن خیز و عشق خیز
اُف! وہ آغوشِ تہی، بیتاب آغوشِ دگر
ہائے وہ رنگین رُخ و سیمیں تن و زریں کمر
شبنم آلودہ وہ آنکھیں، وہ گلاب افشاں جبین
اس نگاہِ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں!
میں سراپا بے نیازِ ربط و ضبطِ حُسن و عشق
وہ مری آزادِ فطرت وہ مری تمکین و ہوش
اولِ اول آہ، وہ دل میں میرے احساسِ عشق
لحظہ لحظہ وہ میرا پیہم سکوتِ مضطرب

ہائے! وہ زلفِ پریشاں تا کمر میرے لئے
ہر نظر میں اک پیامِ تازہ تر میرے لئے
ہائے! وہ دزدیدہ دزدیدہ نظر میرے لئے
وہ لبِ نازک پہ طوفانِ دگر میرے لئے
چار جانب دیدہ حسرتِ نگر میرے لئے
خشک خشک آنکھوں میں جوشِ اشکِ تر میرے لئے
کشمش ہی کشمش آٹھوں پہر میرے لئے
سینہ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے
حیرت افزا رونقِ دیوار و در میرے لئے
پھر بھی ہر اک سعیِ پیہم بے اثر میرے لئے
اُف! وہ دردِ شوق محتاجِ اثر میرے لئے
ہائے! وہ لعلیں لب و سلکِ گہر میرے لئے
وہ دھڑکتا دل، وہ گہرائیِ نظر میرے لئے
معنے بے لفظ و شرحِ مختصر میرے لئے
وہ مجسمِ حُسن و عشقِ معتبر میرے لئے
وہ شکستِ حُسن، وہ پیچیِ نظر میرے لئے
آخرِ آخر اُف، وہ نوکِ نیشتر میرے لئے
لحہ لحہ عالمِ نوحِ دگر میرے لئے

اُف وہ کہنا اُس کا پھر باہوں میں باہیں ڈال کر
میں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لئے



رُبَاعی

صد شکر کہ پہلو میں میرے دل نہ رہا وہ کشتہ صد فریب منزل نہ رہا
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر اس کا کیا غم کہ تیرے قابل نہ رہا



بادۂ شیراز

غزلیات

اے کہ می پری ز کارِ ما و جہدِ کارِ ما چاک شد از دست ماہرِ پردہ اسرارِ ما
مادیک نظارۂ نقش و نگارِ حسنِ خویش شہدِ طنازِ فطرتِ آئینہ بردارِ ما
صد حقیقتِ عرضِ میکرد، اے سکوتِ بخودی! پردہ دارِ حرفِ مطلبِ شد لبِ گفتارِ ما

صد بہارِ خلد، یعنی خندۂ دز دیدہ است

شورِ محشرِ چیست؟ غوغائے پس دیوارِ ما



بیا، بجانِ ما ہمیں سرورِ جاودانِ ما ہزار بادہ می چکد ز جانِ ما بہ جانِ ما
شراب و ساغر و سبوگل و بہارِ آب جو دوصد جہانِ رنگ و بو، نمود یک جہانِ ما
گلے و جامِ سرخوش، خوشی و صد شگفتگی شگفتگی و صد خوشی ز سرخوشی شانِ ما
نسیمِ شکرِ غمِ کند، وظیفہ دم بدم کند سرِ نیازِ خمِ کند بہ خاکِ آستانِ ما
بیا، بنوش جامِ مے، چہ جامِ مے، تمامِ مے کہ ماواذنِ عامِ مے، خوش است ارمغانِ ما
کنوں بسوئے مانگر، بہ رنگ و بوئے مانگر بہ حسنِ روئے مانگر، چہ حاجتِ بیانِ ما

بہ ہر زمیں کہ جستہ ایم، طلسمِ تازہ بستہ ایم

غرورِ ہا شکستہ ایم گواہِ ما بیانِ ما



آوارہ ہر نگاہِ زجرِ نگاہِ کیست؟ دیدنِ گناہِ ماست، نہ دیدنِ گناہِ کیست؟
دیوانہ وار جاں بفشاندنِ گناہِ من بیگانہ وار رخ نہ نمودنِ گناہِ کیست؟

پیدا زہر نگاہ خریدم ہزار حسن
مطرب! بزن سرود بہ اندازِ دلبری
سر مستقیم رُود بے دل ز سینہ ہا
عالم ہمہ نگاہ و صدائے زہر نگاہ
شغلِ گناہ کردن و رفتن، گناہ من
ساقی! بریز بادہ و از کیفِ سردی
ہستی تمام مستی، و مستی تمام کفر
مست اند اہل درد و نہ بیند یک نفس

صد نقش سجدہ تا در بت خانہ دیدہ ام
ایں ہم جگر اشارہ طرفِ کلاہ کیست؟



بوئے دل از غبار می آید شاید آں شہ سوار میں آید
ایں ندائے زدار می آید ”جاں فدا کن کہ یار می آید“
عشق در ہر دیار نالہ کند حسن از ہر دیار می آید
سینہ خالی کنید از دل ہا یار بہر شکار می آید
مژدہ اے دل! کہ بہر استقبال رحتش بے قرار می آید
ہم نشیں رازِ عشق می پرسد نالہ بے اختیار می آید
من بہ پنہاں جگر تلاش کنم
اور مگر آشکار میں آید



مست و سرشار و زمیں بوس صبا میں آید
برو، اے ناصح ناداں! مکن او را بدنام
خواہ در صومعہ رو، خواہ بہ میخانہ نشین!
دلہ از سوزِ تغافل ہمہ تن شعلہ بجاں ست
مژدہ، اے دل! کہ مسیحا بہ قفا می آید
کز جفا ہاش مرا بوئے وفا میں آید
اور بہ ہر رنگ کہ خواہی بخدا! می آید
در کنم شکوہ، از اں نیر حیا می آید
دین ایں نیست کہ جاں تازہ چرا کرد نسیم
دیدن ایں است کہ آخر ز گجا می آید



لب بہ بستہ و بہر موی زبانی دادند پاشکستہ و بہر سوی نشانم دادند
تاب از دل بر بودند و فغانم دادند تیراز دست بردند، کمانم دادند
دل سرگشتہ و چشم نگرانم دادند
آنچہ دادند، پے شورش جانم دادند



گویند کہ ہم زاہد در دیدہ بھر دارہ دارد بھرے، اما تعین نظر دارد
از ذات و صفات او، آں کس کہ خبر دارد ہر لحظہ و ہر ساعت دنیائے دگر دارد
بے کیفی در عشق، صد کیف و اثر دارد زیں سر نہاں، لیکن ہر کس نہ خبر دارد
زیں اصل و نزاکت ہا زاہد چہ خبر دارد؟ کو حسن نظر دارد، جنت بہ سقر دارد
آں کس کہ بجویش آمد، در بے خبری گم شد واں کس کہ زخود گم شد، از جملہ خبر دارد
لرزیدن و رقصیدن، اے صوفی بے معنی! ایں جملہ کہ تو داری، ہر شعبہ گر دارد
در عین وصال او، یا ہم اثر دوری اے پیر رہ عشقم! ایں پردہ کہ بردارد؟
از حسن عمل غافل، یک لحظہ مباش اے دل! ہر شے کہ تو می بینی، واللہ کہ نظر دارد
مفتی محقق منصور، نوشت عجب فتویٰ کافیت پے قتلش ایں جرم کہ سردارد
در عین فتائے عشق از خضر چہ کار، اے دل؟ ایں رہ کہ بہ پیاید از سایہ حذر دارد
آں مے کہ بہ میخانہ، آتش زند اندر دل در خاتقہ زاہد تاثیر دگر دارد
من عاشق آں شوخ کو از سر محبوبی مانوس دلے دارد، بیگانہ نظر دارد
باجملہ قدح خوراں ہر چند کہ ربطے ہست با دُرد کشاں ساقی پیمان دگر دارد
در عاشقی و مستی، ہشیار بیا، اے دل! ہر ذرہ دریں صحرا طوفان شرر دارد
آں رند خرابات، نامش کہ جگر خوانی
بر روی صفائے تو "ہم از تو نظر دارد"



کے کہ چشم بیدارے ندارد ز انوار خودی کارے ندارد
جنون عشق، اے دل مستہ نیست اگر ہر آبلہ خارے ندارد
جنون عشق مارا قید کر دست دراں زنداں کہ دیوارے ندارد



دل بہ تہمتا بمر، جاں بہ مسیحا رسید
 ایں غم دُنیا و دیں تابہ کجا روز و شب
 ذرّہ بہ صحرا برفت، قطرہ بہ دریا رسید
 خیز، کہ باد بہار، باسے و مینا رسید



خبر پہچ زمَنزل کہ جاناں نہ رسید
 عمر آخر شدو افسانہ پیاپاں نہ رسید



از شبا بش شراب می ریزد
 عجب ہنگامہ زیرِ بام کردند
 ز آفتاب، آفتاب می ریزد
 تماشا خاص و سودا عام کردند
 تنگ ظرفی خمارے کرد پیدا
 مے دو شینہ را بد نام کردند



در رہ عشق شادماں بگور! ہم جواں خیز و ہم جواں بگور!!
 پردہ بردار از زرخ عالم و ندراں بزم ناگہاں بگور!!
 گاہ نعرہ کنان و مست برد! گاہ با نالہ و فغان بگور!!
 سینہ بشگاف و جلوہ حاصل کن! جاں بکف آر واز جہاں بگور!!
 گر تو داری ہوائے ملک حبیب خیزو از قید جسم و جاں بگور!!
 پابجولاں بہ پیش یار برد! دست افشاں زایں و آں بگور!!
 رہ منزل شدست خارستاں! باز با چشم گل فشاں بگور!!
 درد اگر نیست، نالہ خج مشوا! گر کمیں نیست، از مکاں بگور!!
 لطف نظارۂ جمال حبیب حاصل این ست و ہم ازاں بگور!!

ہم چوں نقش قدم جگر منشیں

صورت گرد کارواں بگور!!

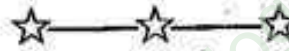


کعبہ درپائے یار دیدم دوش
 حسن پنہاں و جلوہ ہاست بجوش
 ایں چہ گفتی جگر خوش، خوش
 اصل خاموش و فرعہا بخروش
 سحر آمد ایں نداز سروش
 سینہ بخراش و بیہدہ مخروش
 ہوش در مستی است و دل مد ہوش
 نغمہ در ساز و ساز ما خاموش
 از رہ خالقہ گزشتیم دوش!
 خاست ناگہ صدائے نوشانوس
 دل پریشاں حواس و حسن نیاز
 شیشہ نازک تراست و بادہ بجوش

اے اسیر تعینات جہاں! تو چہ دانی کہ چست مستی و ہوش!
 بادہ پیش آر! تاکنم آغاز داستاں ہائے عشق آفت کوش
 حسن در جنگ زرگری ست بہ عشق عشق راگو کہ واکند آغوش
 عشق در بے لباسیم فرمود ”بجز ایں دیگرے لباس پہوش“
 بے خبر رو کہ ہوش در مستی است ہوشیار آ کہ بیخودی ست بہ ہوش
 ایں بود، جسم ماشود، بے حس آں مبادا کہ جاں شود خاموش
 گفتہ بودم فسانہ از مستی! تو شنیدی چہ از عالم ہوش
 قاضیا! ایک نظر بسوئے جگر آں کہ یک خادم است و حلقہ بگوش



شب مہ است و لب جوئے وقتنہ ہا خاموش
 بگیر! جام بگیر و بنوش! بادہ بنوش

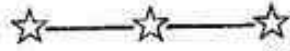


آں کیست نہاں در غم؟ ایں کیست نہاں در دل
 دل رقص کنان در غم، غم رقص کنان در دل
 جاں از دل و دل از جاں بیگانہ و مستغنی
 گاہے بچنیں در جاں، گاہے بہ چناں در دل
 سیری ز غم عشقش از وصل نہ شد ہرگز
 صد شوق ہماں در جاں، صد ذوق ہماں در دل
 ہر آنچہ نہاں ست، ایں، سا زند عیاں بر خلق
 ہر آنچہ عیاں ست، آں کروند نہاں در دل



دل عطا کن! تادرویش درد ہا پیدا کنم دیدہ دہ، تابرویش دل رُبا پیدا کنم
 از جلال غیرت صد طور ہا برہم زخم وز جمال رحمت صد جلوہ ہا پیدا کنم
 کہ زخون خلق جود برپا کنم، شور انا کہ زچاک سینہ خود برقی لا پیدا کنم
 کہ زبارنگی صورت در جہاں آتش زخم کہ زبے رنگی نسبت رنگ ہا پیدا کنم

بنجودی درده! کہ مستانہ شوم بر تو فدا
 در زبان بے زبانی ماجرائے گفتن است
 یک نگاہ کار فرما از جہان دلبری
 الفراق، اے دل! کہ بہر دردی باید مکاں
 وز خودی بگزار مارا، تا خدا پیدا کنم
 حکم فرما، تا صدائے بے صدا پیدا کنم
 کز فنائے خویشتن ملک بقا پیدا کنم
 الوداع، اے جاں! کہ بہر یار جا پیدا کنم
 یک دے بگزار مارا از نصیحت ہا جگر!
 تاز آہ مضطرب دستِ دعا پیدا کنم!



اے دیدہ اگر خواہی! آہے زستگر ہم
 داریم بہ دل چیزے، نازک زگلِ ترہم
 او عین لطافت ہست شاید نہ شود برہم
 آں می کہ بے خوردم، زیں پیش ہی بوید
 ایں موج نسیم صبح دل را کہ بہ جنبا نید
 دل داشت بے غم ہا، دیدیم مگر آخر
 در سایہ زلف او چوں رفت، زخود گم شد
 تنہا نہ من بے دل در ہجر تو رنجورم!
 زاہد بہ نماز و حج، یک جلوہ زدورش یافت
 اے اہل وفا! بیند ایں طرفہ جفائے او
 آہستہ بریز آہے تالاب نہ شود ترہم
 اے موج نسیم صبح، زیں طرز سبک ترہم
 اے عاشق نظارہ! دیدار سبک ترہم
 اے واعظ خوش نیت! بر خیز زکوثر ہم
 می داشت مگر نسبت، زان زلفِ معبر ہم
 تاراجی! افسر ہم، بربادی لشکر ہم
 آں آہ کہ باز آمد، زیں گنبد بے درہم
 صد خوں بہ فلک دیدم از دیدہ اختر ہم
 من عکسِ رخس دیدم، نزدیک بساغر ہم
 کاتش بزند در دل، وز آب کند ترہم
 خاموش فغانے کن! ہر موئے زبانی کن!!
 زیں طرح جگر خروش! تادانہ کند درہم

مست! و سرشار و غزل خواں می روم
 جام دردست و صراحی در بغل
 عشق دشوار ست شوقم رہنما
 یوسف گم گشتہ ام در مصر عشق
 در بلائے عشق خود راہ کردہ گم
 دل بسویش بستہ، فارغ از جہاں
 از سر جاں، سوئے جاناں میں روم
 باچہ ساز و باچہ ساماں می روم!
 راہ پُر خار است و آساں می روم
 باز سوئے پیر کنعاں می روم
 در ہوائے شوق رقصاں می روم
 رخ بسویش کردہ، حیراں می روم

معنی عشقت ترکِ ہر طلب من بہ غم ہائے فراواں می روم
مستی عشق است و یادِ روئے دوست ہم بکفر وہم بہ ایماں می روم
جاں ہمہ غم ساختہ، رقصم بہ عشق دل ہمہ خوں کردہ خنداں می روم
خاک منگھور است چوں دامن کشاں
از در الم دست افشاں می روم



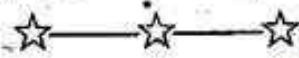
صدمہ انتظار راچہ کنم چہ کنم، جان زار راچہ کنم؟
کردم از روزگار قطع نظر گشش روز گار راچہ کنم؟
او بکار است وہم جہاں درکار دل نا کردہ کار راچہ کنم؟
توبہ کردم زے پرستی، لیک ابرو باد بہار راچہ کنم؟
ترک یاری و یار آسان ست مشکل نیست، یار راچہ کنم؟
بُوئے آں پیرہن بیار نسیم! بُوئے باغ و بہار راچہ کنم؟
یار در باغ و من بہ صحرا مست دل وحشت شعار راچہ کنم؟
روئے رنگین یار من بنما! ساغر زرنگار راچہ کنم؟
او نجواب است و فتنہ ہا بیدار حسرت بے قرار راچہ کنم؟
ضبط چیزے ست ناصحا! لیکن درد ہمت شکار راچہ کنم؟
آں گل و آں بہار مارا بس ایں گل و ایں بہار راچہ کنم؟
ہجر دشوار و وصل آسان تر لیک، آئین یار راچہ کنم؟
موجِ خوں از سرمِ گزشت جگر!
من لبِ بُوئے بار راچہ کنم؟



من کہ آزار کش غمزہ خوں ریز تو ام معذرت خواہ نگاہِ کرم آمیز تو ام
شادم از لذت دیدار و ز سرمستی شوق بے خبر از اثرِ حسنِ دل آویز تو ام
نگہِ لطف بفرما بہ من زار، کہ من نو گرفتارِ خمِ زلفِ بلا خیز تو ام



بنشین بخیال او، و زرد و یک آہے کن
زلف از رخ خود بردار، و ز لطف نگاہے کن
ز اں بعد ز سرتاپا بر خویش نگاہے کن
یعنی شب تارم را رشکِ شب ماہے کن



مطرب! بزن سرور دے، ساقی! پیار بادہ
در شوق آرزویت، سرگرم جستجویت
تاجاں شود منور، تادل شود گشادہ
ہم عاشقانِ رنگیں، ہم زاہدانِ سادہ
او تیغِ ناز در کف، من سر بہ پا نہادہ
روشن نمی توان کرد اما ز نورِ بادہ
دل ہاکہ تیرہ گشتند از زنگِ کفرِ غفلت
چوں در بہشت رفتم، دیدم ہمیں تماشا

در کوئے مے فروشاں دیدیم زاہداں را

سجادہ رہن کردہ، تقویٰ بہ باد دادہ



اے کہ ز روئے عاشقاں پردہ برخ کشیدہ
از دل من نہاں مشو، اے کہ تو جانِ عاشقی!
جامہ صبر و عقل و ہوش از ہمہ جا دیدہ
از نظرم نہاں مشو، اے کہ تو نورِ دیدہ
بے خیرم ز خویشتن در نہ تو صد ہزار بار
گاہ زجاں گزشتہ، گاہ بہ دل رسیدہ



دیدیم بہ میخانہ پیرے زجواں اولے
از عشرت بے عشقت صد آہ و فغاں اولے
مزگانش بہ از تیرہ ابرو زکمال اولے
ایں درد کہ تو دادی، واللہ کہ زجاں اولے
راز یست کہ می فہمد چشمِ نگراں اولے
واں یک نظر پنہاں از ہر دو جہاں اولے
ایں نکتہ نہ فہمیدی، در عشق زیاں اولے
ہماں کہ ہماں خوشتر، ہماں کہ ہماں اولے
در حکم لیکن، مستی ست ازاں اولے
ہر چند دریں وقتے تمکین تو ہم خوب است
ایں نظم جگر گفتی، گل گفتی و ذر سختی
از قربت و از دوری ہر آنچہ کہ بہ پسندی
ہم رنگِ زباں بہتر، ہم حُسنِ بیاں اولے



مست است جگر از مے، مست مئے ناب اولے
 من طالب آزارم، آرام نمی خواهم
 از خرقة و عمامه من بیج نمی دانم!
 در آرزوئے بحرے می پویم و می جویم
 بسیار بدم گفتمی، وز من بشنو، واعظ!
 من عاشق شیدایم، از غیر ندارم کار
 من ساغر مے در کف، مطرب تو بخواں بردف
 او خانه خرابے هست، او خانه خراب اولے
 بر جان من خستہ، صد گونه عذاب اولے
 کہ مگر ایں سماں در رہن شراب اولے
 زیں موجد وزیں دریا ماراست سراب اولے
 از ہر دو جہان تو، یک جام شراب اولے
 کز مہر فلک از تو صد چشم عقاب اولے
 صد توبہ و صد طاعت غرق مئے ناب اولے
 تاکہ جگر ایں مستی، بشنو سخن حافظ
 ”رندی و ہوساکی، در عہد شباب اولے“

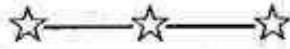


اے آنکہ بہم کردہ ہشیاری و سرمستی
 غافل زدلم منشیں، اے جان از سرمستی
 صد حسن دریاں پنہاں، صد جلوہ از ایں پیدا
 از دل گام عشق کردیم نثار حسن
 کہ تا فلک اندیشم، گر بے خبر از خوشیشم
 آں رند خرابات نامش کہ جگر خوانند
 صد ہوش بجاں دارد با ایں ہمہ سرمستی



گراز سرے بیا ہم، صد عمر جاودانی
 بیچ است زندگی و اسباب زندگانی
 کارے ست شکل، اما اے دل! اگر تودانی
 عمرے ست فانی، اما سرے ست جاودانی
 یک جام تند ساقی! تا فاش فاش گویم
 ہم از برائے قتلش دست قضاست پنہاں
 ایں نہ رواق اخضر در پائے او گلندہ
 من ز ابتدائے عشقت کا ہیدہ ترز کا ہم
 عشقم چہ کار کرد و حسد چہ گل شگفتہ
 بر من حرام باد، اے دوست! زندگانی
 بگزار تا بسوزم ایں پردہ ہائے فانی
 دریاب زندگانی از اصل زندگانی
 اے گوشہ گیر خلوت! ایں نکتہ ہاچہ دانی؟
 زاہد خبر نہ دارد ز اسرار زندگانی
 پیری کہ در رود دست تاج از سر جوانی
 کو بیچ شے ندارد، جز درد جاودانی
 طاقت کجا کہ چہنم گل از رخ جوانی
 ایں راز اولیں ست من دانم و تودانی

ہر روز فیض گیرم از روحِ قدسِ حافظ
برمن جگر گواہ است ایں جوش و ایں معانی



ہر دم زناز تازہ باعاشقاں بہ بازی گاہے ز دل گدازی، گاہے ز جاں گدازی
اے آنکہ یک اشارت صد عقدہ ہاکشادہ رحے بحال ماہم، شاہنشہ حجازی
بر خیز و از سر صدق در راہ او قدم زن
تا کہ جگر! بہ مستی، تا کہ بہ عشق بازی؟



فارغ ز خزانے دہم از باغ و بہارے مائیم و خیال رخ خورشید نگارے
دیدم بہ در دیر عجب شعبدہ کارے میخانہ بدوشے و گلستاں بکنارے
بربادی ما پس از اں سینہ فگارے در عین بہارے کہ جدا شد ز بہارے
چیزے منگر برتن لاغر ز بہارے افسانہ ما پس ز نوک سر خارے
نقسم بہ ہوائے من و رویم طرف عقل دشمن بہ بیمنے و نگاہم بہ یارے
یک داغ ز آزار تب عشق بہ سینہ اس کہ سر مژگاں ست کہ شبنم بہ سر شاخ
اشکم سر مژگاں ست کہ شبنم بہ سر شاخ صد بار گزشتیم زہر مرحلہ عشق
بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک حیرت بہماں طرز ادا آئینہ دارے
اغیار بہ دل خندہ زن و دل تبو مشغول اے وائے بہارے، اگر ایں ست بہارے
اے خسروِ خواہاں! نظریے کن ز سر مہر خلعے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے
افادہ بہ کویت جگر سینہ فگارے



حرم ندا برآمد ز حجاب ہائے رازے کہ ”حریم ماست بالا ز حقیقت و مجازے“
برساں صبا پیام، بہ حبیب دنوازے کہ ”ز خد گزشت شوق و غم عشق جانگدازے“
بہ ہوائے عیش تا کہ توبہ خوابگاہ نازے؟ کہ ز سوز درد منداں ہمہ عالم ست سازے
تو مرا بگو کہ جاناں چہ کنم بجان زارے کہ تمام منو جسم ز غم است نے نوازے
ہمہ شہر فتح گشت و بہماں نیاز و نازے دل غزنوی اسیر خم طرہ ایازے
بہ میان جاں و جاناں چہ قیامت ست رازے رخ او نظارہ سوزے، دل من نظارہ سازے

ہم جلوہ عکسِ رویت، ہم نغمہ گفتگویت زہے باصرہ فروزے، زہے سامعہ نوازے!!
 زنوائے کفر خیزم ہمہ کعبہ بُت نہفتہ رادائے سجدہ ریزم ہمہ پیکدہ مجازے
 تو ز خاک ماحذر کن کہ دریں مقام، واعظ! دل ناز شعلہ گیرد ز تجلی نیازے
 جگر حزیں! چہ نازی بمتاعِ جذبہ دل
 تو سپرد کارِ خود کن بخدائے کار سازے



من راست راست گویم، دارم گل جوآنے گلچیں! اشارہ فرما، بلبل! بدہ نشانے
 آں جامِ ہوش در کف، ایں پائے عقل در گل آن ست عشق جاناں ایں ست عشق جانے
 اے جانِ بیقراراں! ناگہ دردِ دروں آ کز سوز اشتیاق کار آمدہ بجانے
 ہمت اگر تو داری، در عشق کوش، اے دل!
 ایں جانِ تازہ برگیر، از بارِ گاہِ جانے



شب میکدہ چورتم، دیدم عجب بہارے ساقی ست مست و بخود، رند است ہوشیارے
 در شوقِ ماہِ روئے، در یادِ گلغذارے ہر جا نظر فلندم، دیدم بہشت زارے
 شوقے و دردِ وصلے، صبحے و بجز یارے ساقی! بدہ پیالہ، تا بشکنم خمارے
 دیر و زبرِ دیر دیدم عجب نگارے پیانہ در نگاہے، میخانہ در کنارے
 آنجا کہ نیست، ساقی! اندیشہ خمارے ز ایں میکدہ عطا کن یک جام زر نگارے
 ہشیار بگذر، اے دل! در راہِ عشق و مستی ہر موجِ مے دریں جا بحرِ یست بے کنارے
 رازے عجب شنیدم از عاشقے کہ مے گفت مائیم و بجز وصلے، وصلے و بجز یارے
 در عاشقی و مستی، مگر یز از ملامت کایں خاکِ راہِ کولیش تا حیست زر نگارے
 ہر قطرہ کہ بنی در آبِ زندگانی ہم موج و ہم سفینہ ست، ہم بحر و ہم کنارے
 آں را کہ شرح کردند، ایں ست گلِ فسانہ
 منصور بود شخصے، مشہور شد زدارے



تو اے کو زنگسِ مستانہ داری بیک ساغر عجب میخانہ دارے
 من بے دل نہ تھا عشقِ خیزم تو ہم افسانہ در افسانہ دارے



سرایا

دل بڑواز من دیروز شامے
روئے مینش صبح تجلے
مشکین خط او سنبل بہ گلشن
چشمے کہ کوثر یک جرمے او
عارض، چہ عارض، گیسو، چہ گیسو!
آں تیغ ابرو، وال تیر مڑگاں
برق نگاہش، صد جاں بہ دامن
ہر عشوہ او شیریں مقابلے
از جسم لرزاں، لرزاں دو عالم
گاہے بہ تمستی، طاؤس رقصاں
از بار مینا لرزش بدستے
گفتم ”چہ جوئی“؟ گفتم ”دل و جاں“
گفتم ”چہ خواہی؟“ گفتم ”غلامے“

(نا تمام)

خطاب بہ مسلم

چشم کشاد جانب رزم گہ وطن نگر
خون حیات سو بہ سو، خاک سرشتہ مو بہ مو
عشق نظارہ سازا برق بہ خانماں ہیں
برتن حسن نازنین آہ ز فرق تا قدم
دیدہ عشوہ زاکجا؟ خفتہ بخواب مرگ ہیں
طفل و جواں و پیرا، صف بصف، بہم بہم
بچہ شیر خوار رائیش نگاہ مادرش
حاکم شہر را کہ بود، ثانی شمر بالیقین
مقتل کانپور بہ ہیں، لاشہ بے کفن نگر
حلق بریدہ گو بہ گو، بچہ و مرد و زن نگر
حسن نظارہ سوزرا شعلہ بہ پیرہن نگر
زخم شفق شفق ہیں، داغ چمن چمن نگر
شونی رنگ رخ کجا؟ سرخی پیرہن نگر
دست جداز ساعد و فرق جدا زتن نگر
چاک ز سینہ تا کمر، کشتہ و بے کفن نگر
آہ، بجائے قید قتل سیر کن وطن نگر

باز بیابہ آگرہ، دجلہ خونِ نظارہ کن
حیف بریں نتیجہ نظم و نظام و ذہنیت
ہائے ازیں گزندگاں، وائے ازیں درندگاں!!
تازہ بہ تازہ خونِ خلق، موج بہ موج بولے خون
آں ہمہ ہاکہ بنگری، واں ہمہ ہاکہ بشنوی!

اے کہ تو حق نہادہ، مسلم پاک زادہ

درچہ بلافتادہ؟ خیزو بخویشتن نگر

دشمنِ آدمِ آدمے، ہم سخن نہ ہمدے
آں ہمہ لغزش و خطا، ایں ہمہ سازش و وفا
بدعت و شرک و افتراق، فسق و فجور و ہم نفاق
گاہ بہ کسوتِ طیب، روئے اجلِ نظارہ کن
نے خبر از حقیقتے، نے اثر از شریعتے
خدمتِ بے سبب کجا، طاعتِ خاصِ رب کجا؟
آتشِ قہر آشکار، برقِ عنا و شعلہ بار
خیز و بیا، نظارہ کن، دل ہمہ پارہ پارہ کن
جسم زفاقہ زار زار، روح زرد و بیقرار

وجہ ز مفلسیِ پیرس، سیم و زرِ وطنِ نحو

رخ بنما بہ لندن و سیم و زرِ وطنِ نگر



جرم و خطا روایتے، غدرو دغا حکایتے
گاہ بروئے معدلتِ شانِ نظرِ نظرِ ہمیں
گاہ بیابہ شہر و دیہہ، شورشِ دار و گیر ہیں
جدتِ افتراق ہیں، ندرتِ انشقاق ہیں
شانِ عمارتے ہیں، طرزِ سیاستے ہیں
گاہ بہ لب شکایتے، گہ ز غلامِ زادگاں
جورِ فرنگیاں پیرس، دارِ ہمیں، رسن نگر
گہ بہ جبینِ خسروی، طرزِ ٹھکنِ شکن نگر
گاہ برو بہ سرحد و اذن "بزن بزن" نگر
فطرتِ چست و چاق ہیں، حکمتِ علم و فن نگر
ایں ہمہ لعنتے ہیں، واں ہمہ بر وطنِ نگر
دعویٰ آشتی شنو، نازشِ حسنِ ظن نگر

نغمہ سردی کجا؟ جلوہ احمدی کجا؟
سایہ ایزدی کجا؟ غصہ اہرمن نگر



شکوہ غیر تا کجا؟ قصہ جور تا کجے؟
مسلم ہند زادہ، پند بگیر و گوش کن
ہمت دل بجوش آر، جاں ہمہ درخروش را
فلسفہ سنجی علل، ایں ہمہ وحشت و خلل
بادِ مراد می وزد، سبزہ و غنچہ می دمد
آنچہ بہ خویشمن گزشت، آہ ز خویشمن نگر
آنچہ بخویشمن گزشت، آہ ز خویشمن نگر
پیروی صحابہ کن، اُسوۂ پنجتن نگر
زود بکوش در عمل، باز بہ خویشمن نگر
رشتہ فیض می چکد، رحمت ذوالہمدن نگر

ساغر جہد نوش کن، طاعتِ مے فروش کن
باز روش روش خرام! باز چمن چمن نگر!



urdukutabkhanapk.blogspot.com

غیر مطبوعہ کلام

داغ جگر

(دورِ اوّل کا متروک و غیر مطبوعہ کلام)

جگر کا پہلا شعر

۱۔ کشتی حیات اپنی جارہی تھی دھارے پر سنگدل تماشائی ہنتے تھے کنارے پر



تھوڑ جب کسی دستِ نگاریں کار ہا دل میں
تو شمع طور ہو کر رنگ لائی کیا حنا دل میں
نہیں سوزِ نہانی سے جو میرے آبلہ دل میں
تو مثلِ قلقل مینا چھلکتا ہے یہ کیا دل میں
خیالِ سبزہ روئیدہ پھر آنے لگا دل میں
اٹھا پھر چاک دامانی کا میری ولولہ دل میں
جو دم بھر آ کے ٹھہر و شوخیوں سے تم ذرا دل میں
کہیں زخمِ جگر ہنس ہنس کے کیا کیا مر حبا دل میں
وہ مضطر ہوں کہ گویا ہے گذرِ سیماں کا دل میں
وہ تم ہو جس سے مجنوں بدلتوں کا نپا کیا دل میں
وہ حسرت، ہل کہ حسرت کو ہے حسرت میری حسرت پر
کہاں تاب استقامت کی غم و اندوہ و حرماں کو
میں ہل حس سے لیلائے شبِ فرقت بھی ڈرتی ہے
نہیں گر ایک پیانہ پہ رنگِ دہر کا نقشہ
وہ ہوں دیوانہ بیکس کہ جب گلشن میں جا نکلا
مدد، اے خیر ابروئے قاتل! تا نکل جائے
غضب ہے، وہ سبب ہو تلخ کامی محبت کا
نجاتِ ماہِ کامل کو ہوئی اور مہر کو سکتہ
وہ میں ہوں جس سے باقی نام ہے مہر و محبت کا

تہی داستانِ الفت کو ضرورت کیا ہے، اے منعم! کہ ہیں دام و درم ہی سکہ ہائے نقش پا دل میں
وہ بیکس ہوں کہ میری بیکسی پہ بسکہ اے قاتل! کیا کرتی ہے حسرت خندہ دندانِ نمادل میں
نہ کیوں کر پھر ہو ضبطِ بیقراری امیر لائیل کہ کوئی لے رہا ہے چٹکیاں بیٹھا ہوا دل میں
وہ کہتے ہیں کہ اس نے جان دے دی نکھیا کھا کر خدا جانے جگر کم بخت کے کیا آگیا دل میں



۱۔ مقابل کاش میرے دیدہ تر ہو گئے ہوتے تمہاری بزم میں آئینے پتھر ہو گئے ہوتے
دیا صدقہ وفا کا بڑھ کے پروانوں کی حسرت نے مرے داغِ محبت شمع کے سر ہو گئے ہوتے
ازل ہی سے تمہیں نفرت تھی الفت سے، تو لازم تھا مرے دل کے نہیں، میرے مقدر ہو گئے ہوتے
بہت اچھا ہوا، بسکل کیا دل کو جو قاتل نے کہ اب تک خود مرے نالے ہی نشتر ہو گئے ہوتے
بھلا! ہو بیکسی کا، سامنے آ ہی گیا، ورنہ تجھے ہم دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گئے ہوتے
جہاں بھی حسرتیں کتاب ہیں دل سے نکلنے کو ادھر بھی ایک دن، اے بندہ پرور! ہو گئے ہوتے

شکایت، اے جگر! کیوں کرتے پھرتے ہو زمانے کی
اربت تھا تو قسمت کے سکندر ہو گئے ہوتے



۲۔ یہاں نزع ہے، اُن کے لب پر ہنسی ہے کہاں، میرے یارب! مری بے کسی ہے
بڑی دیر اٹھنے میں جُت رہی ہے ترے درد میں بھی تری نازکی ہے
تمنا ہے دل کی کہ ہو جائے قرباں ترے ایک تیر نظر کی کمی ہے
جواں ہوتے ہی حشر برپا کرے گا قیامت کسی شوخ کی کم بختی ہے
جو ارماں ہیں دل میں، وہ ہے ایک نشتر جو حسرت ہے، پہلو میں، وہ اک چھری ہے
سلامت رہے دردِ دل تا قیامت! کہ فرقت میں بھی عالم بے خودی ہے
اچھوتی ہے، زاہد! ذرا دُور رہنا کہ یہ سے نہیں، میکدہ کی پری ہے
گلوں کو کیا کس نے سرشارِ جلوہ؟ کہ چہروں پہ یہ نزہت و تازگی ہے
ملے ہیں کسی پائے نازک کے بوسے بڑے کام کی میری خود رنگی ہے
جسے چاہے منظور کر لو، مری جاں! یہ حسرت ہے، یہ دل ہے، یہ بیکسی ہے
جگر دل کو کب تک بتوں سے بچاتا فرشتہ تو آخر نہیں، آدمی ہے



متفرقات

نزع ہے، اب ہم نہیں اوسان میں! آؤ، کچھ کہہ دیں تمہارے کان میں



چشم امید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے
غیر کی تکریم، اُف! دل تھامنے کی بات ہے سامنے کا ذکر ہے، یہ سامنے کی بات ہے



پیٹا کرو گے کیا یونہی قسمت کا پیٹنا للہ سر اٹھاؤ، جگر! چاند رات ہے
مستی جمال چھا رہی ہے ہر آنکھ ٹھکی سی جا رہی ہے



ابھی سے چوڑیاں ٹھنڈی نہ کیجئے خدا جانے، جگر کا حال کیا ہو



دل ہی پہلو میں، نہ قابو میں طبیعت میری دیکھتے دیکھتے کیا ہو گئی۔ حالت میری
ڈال دی چشم خریدار پہ خست میری



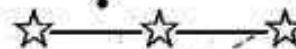
مجھے افتادگانِ خاک سے اتنی محبت ہے قدم بھی سایہ دیوار پر رکھنا قیامت ہے
دل محزوں مددخواہ جنوں و خارِ وحشت ہے جگر منت کش بُت خانہ ہائے سوزِ فرقت ہے



آسمان پر کیوں نہ ہو آخر دماغِ آبلہ آبلہ ایک ایک ہے چشم و چراغِ آبلہ



سہر دیں گے جو ہیں آفتاب آتے ہیں! اٹھو اٹھو کہ رسالت مآب آتے ہیں
نہیں یہ داغِ غم مصطفیٰ عدم والو! بغل میں داب کے ہم آفتاب آتے ہیں

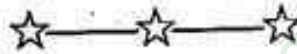


شُعْلہ طُور

غزلیات

(ادوار چہارم سوم اور دوم کا متروک وغیرہ مطبوعہ کلام)

نجد کے ذرے ذرے سے آج تک آتی ہے صدا جو ہے شہید تیغ عشق، موت اُسے حرام ہے



رات جو میں نے کی تھی آہ، اُس کا ہے کچھ وبال سا کہتے ہیں آج صبح سے، جی ہے مرا نڈھال سا



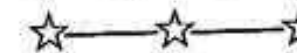
آگئی کون سی حسرت دل سوزاں کے قریب کچھ دھواں سا ابھی اٹھا تھا گریباں کی قریب



واللہ! کرم تیرا جب تک کہ نہ شامل تھا منزل پہ پہنچ کر بھی بیگانہ منزل تھا
محدود نگاہیں تھیں، دیکھا نہ گیا، ورنہ اک جلوہ بے رنگی ہر رنگ میں شامل تھا
دونوں کی کشاکش میں مطلق نہ ملی فرحت دل تشنہ دریا تھا، میں تشنہ ساحل تھا
جس میں کہ ترے جلوے خود دوڑتے پھرتے تھے اُس خون کا ہر قطرہ کونین کا حاصل تھا



اشک خونین ہے کہیں، نالہ رنگیں ہے کہیں ہر رقص میں اتر آتا ہے گلستاں کوئی



صبح اس رنگ سے تھی رقص کناں شمع کی خاک جیسے زندہ کوئی تصویر ہو پروانوں کی!
عشق کے ظلم کی کچھ حد بھی ہے آخر، اے قیس! خاک تک حُسن سے چھوئی بیابانوں کی!



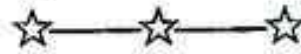
حشر میں حشر کا عالم ہے، خدا خیر کرے! چشمک خلد و جہنم ہے، خدا خیر کرے!



متزلزل نظر آئے مجھے گل ارض و سما
آہ! وہ شمع کی لڑش، وہ ہوائے دم صبح
صبح کو خاک جب اڑنے لگی پروانوں کی
عشق کہتے ہیں جسے، حسن کا اک پرتو ہے
گوری کیا جائے، کیا جان پہ پروانوں کی
تذکرہ اُن کا بیاں کیجئے کس طرح جگر
شمع کہتے ہیں جسے جان ہے پروانوں کی
کوئی گنتی بھی ہے احسان کے احسانوں کی؟



اب دل لگا کے روتے ہیں وہ حضرت جگر
رونا یہ ایک دن کا نہیں، عمر بھر کا ہے



پھر چھیڑ کے زخموں کو تم داغ بنا دیتے
پھر جمع نئے سر سے سامانِ فغاں ہوتا



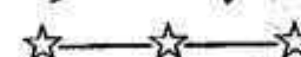
روح اس قالبِ خاکی میں جو مسور نہ ہو
اُس جگہ جو کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ ہو
ایک کی بھی نہ چلی جذبہ دل کے آگے
چاہتے سب تھے کہ رُسوائی منصور نہ ہو



بے خبر رو کہ ہوش درِ مستی ست
ہوشیار! آ کہ بیخودی ست بہ ہوش
اصغرا! یک نظر بہ سونے جگر
آں کہ یک خادم است و حلقہ بگوش



مبارک عشق کو اب بے نیازِ جسم و جاں ہونا
نظر نے دیکھ ہی پایا مرا مجھ سے نہاں ہونا
یکا یک پھر دیا ذوقِ طلب نے درسِ بے تابی
کمالِ عشق تھا محو سرورِ جاوداں ہونا



دیکھوں ادھر منہ موڑنا، گھگھو ہے یا کٹھ چھوڑنا
ہاں دم نہ اس کی چھوڑنا، اڑ جائے گا، پر دار ہے



تجھ کو اے جذبِ طلب! حسنِ ازل ہی کی قسم
دیر کتنی دل پہ اک تصویر اترانے میں ہے
اٹھ گیا کافر جگر سا کیا کوئی پھر حق پرست
حشر ہے کعبہ میں برپا، شورِ بت خانے میں



خونِ دل، خونِ تمنا، خونِ شوق
آپ نے جو کچھ کیا، لہتا کیا



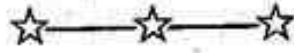
۱۔ بے دلی نے دکھا دیا آخر شامِ فرقت سیاہ ہوتی ہے



۲۔ اٹھ گیا کیا جگر درد بہ دل، شعلہ بہ جاں در و دیوار سے ماتم کی صدا آتی ہے



۳۔ پیدا کمالِ جذب تو کیا، ہوش میں تو آ منظور چارہ ساز کی دل سوزیاں، مگر
وہ خود جوابِ شوق ہیں دل کی صدا کے بعد اپنی بھی موٹ ہے غمِ صاحبِ فزا کے بعد
کافر تو میں نہیں ہوں، جو بی لوں نہ ساقیا! وہ بھی تری طرف سے، تری التجا کے بعد
کوئی نہ بھر بھر، نہ کوئی ستم ستم لیکن بس اک نگاہِ کرم آشنا کے بعد
کب تک ستم بھی، شانِ تغافل بھی، لطف بھی ہر لحظہ التجا ہے یہاں التجا کے بعد



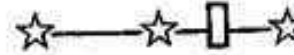
جلوؤں کا اثر دھام ہے، محبوب پاس ہے اُف (رے؟) نگاہِ شوق کہ پھر بھی اُداس ہے
آئندہ کیا خبر کہ رہے کیا معاملہ اب تک تو، اے نگاہِ کرم! تیری آس ہے
اُس بھول سے بدن پہ جو نیلا لباس ہے



شکایتِ دل ایذا طلب کو کیا سمجھے تمام لطف تو شکرِ جفا نے لوٹ لیا
تجھے خبر بھی ہے کچھ، اُس کے دل پہ کیا گزری وہ ہر ادا کہ جسے ہر ادا نے لوٹ لیا



نگاہِ ڈال کے میری تمام ہستی پر! مجھے تمام محبت بنا دیا تو نے



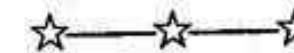
غم نے بنا دیا ہے ماتم گسار سب کا اب کس کو پوچھتے ہو، کوئی یہاں نہیں ہے



دل تیری محبت کی قسم! تجھ سے بھی بڑھ کر مغرور ہے، ہر چند کہ مغرور نہیں ہے



عشق سے بے نیازیاں، کیا خوب! عشق سارا جہاں ہے، پیارے



اے عشق! یہی ہے جو تنگ بخشی ساقی کیا حسن بھی سیرابِ تمنا نہ رہے گا



ایک ایک ذرے سے حاصل درسِ عرفاں کیجئے یعنی خود کھو جائے، اُن کو نمایاں کیجئے
ہم نے تو دکھلا دیا خود بن کے محروم وصال آپ سے ممکن جو ہو، ناکام ہجران کیجئے



کوئے جانناں کی ہوا تک سے بھی تھرتھاتا ہوں میں کیا کروں، بے اختیارانہ چلا جاتا ہوں میں
تو فنا آمادہ ہے، تجھ کو نظر آتی ہے موت زندگی، تابندگی، پابندگی پاتا ہوں میں
میں نہیں رہتا ہوں میں جب پاس آتا ہے وہ شوخ دل نہیں رہتا ہے دل، جب سامنے جاتا ہوں میں
یا کسی کے قہر پر بھی مسکرا دیتا تھا دل یا نگاہِ لطف سے بھی، آہ! شرماتا ہوں میں
تیرے اک آنکھوں کے ساغر، تیری اک رخ کی بہار یہ میسر ہوں تو ہر جنت کو ٹھکراتا ہوں میں



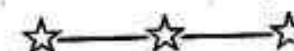
سن سن کے طعن بے اثری ہر نفس کے ساتھ کھائیں فریب لذتِ دردِ نہاں سے کیا



ہر ذرہ عالم پر حاوی ہیں صفات اس کے سب کہنے کی باتیں ہیں، مختاری و مجبوری



اول اول میری نظروں سے بھی جن کو ہے گریز آخر آخر مری صورت سے نمایاں ہوں گے



کافر عشق ابھی خوگرِ الحاد نہیں یعنی یہ ہوش ہے اب تک کہ خدا یاد نہیں
شورشِ شوق کہ ہنگامہ فریاد نہیں دل میں وہ کون سی دُنیا ہے جو آباد نہیں
مجھ سے، اے دوست! مری برہمی شوق نہ پوچھ بھول جانے کے سوا اب مجھے کچھ یاد نہیں
ہاں غمِ یار، ترے دم سے ہے تعمیرِ حیات تو سلامت ہے تو ہستی مری برباد نہیں
آ، مرے زود فراموش! دکھا دوں تجھ کو نقش ہیں دل پہ وہ باتیں جو تجھے یاد نہیں
مختصر ہے مری ہستی کی حقیقت یہ، جگر ! مجھ میں آباد ہیں سب، میں کہیں آباد نہیں



۱۔ دل مبتلائے نالہ و آہ و فغاں ہوا اے شانِ عشق! حُسن ترا رائگاں ہوا
☆—☆—☆

۲۔ نقش بن کر اُسے رہنا ہے، سُو یا نہ سُو دل کی آواز ہے یہ، درد کی آواز نہیں!
☆—☆—☆

۳۔ نگاہوں میں منزل مری پھر رہی ہے یونہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں!
☆—☆—☆

۴۔ دنیا بجائے خود ہے اک جتِ میسرِ افسوس! اہل دُنیا دوزخ بنا رہے ہیں
☆—☆—☆

۵۔ مانگِ نظارۂ بے جلوہ کی توفیق، جگر! یہ طلب وہ ہے کوئی جس کا طلبگار نہ ہو
☆—☆—☆

۶۔ سچوے اور پھر جنابِ جگر پی پلا کر برائیاں، توبہ!
☆—☆—☆

۷۔ تو چاہے تو اے جلوۂ اعجازِ محبت! تصویر کو تصویر کا دیوانہ بنا دے
☆—☆—☆

۸۔ عشق کا راز جنوں عشق کی حد ہی میں رہے دل گیا ہے تو گریبان نہ جانے پائے
☆—☆—☆

۹۔ شورشِ بے خودی شوق نہ پوچھ! کس طرف کی ہوا ہے، کیا کہیے!
☆—☆—☆

۱۰۔ کہنے سننے میں جو نہیں آتی! وہ بھی اک داستان ہے پیارے!
☆—☆—☆

۱۱۔ آسمان! کو نہ دیکھئے تن کر پھر یہ بوڑھا جواں نہ ہو جائے
آہ! اک تیر ہی سہی، لیکن آشنائے کماں نہ ہو جائے
خاک سیرابی بہار، اگر آنکھ شبنم فشاں نہ ہو جائے
حُسن کا آئینہ تو دل ہے، مگر یہی خود درمیاں نہ ہو جائے

تا کجا انتظارِ خلد، جگر! حور اک دن یہاں نہ ہو جائے

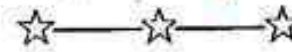


لہاں مزے لوٹ لے جوانی کے پھر نہ آئے گی، جو یہ رات گئی



عشقِ مضطر ہے مرے دل میں سما جانے کو
ککشِ حسن مقامات بدلتی ہی رہی
ہر حقیقت ہے رہ عشق میں دامن کشِ دل
حضرتِ عشق مجھے لے گئے کثرت کی طرف

قیس نے دیکھ لیا نجد کے ویرانے کو
ایک عالم میں نہ رکھا کبھی ویرانے کو
اب میں کعبہ کی طرف جاؤں کہ ویرانے کو
کعبہ کی راہ سے پہنچائیں صنم خانے کو



بے خودی نے مری صدا ہائے منظر پیدا
اٹھ گئے وہ تو یہ اب سوچ رہا ہوں دل میں
وہ حریصِ غم کونین ہوں، اے حسنِ ازل!
عینِ بیچارگی و خستگی و دلِ ریشی میں
لکھنؤ میں کوئی ہستی ہے تو ناطق کی جگر

وہ سمجھ بیٹھے تھے زندانی حیرت مجھ کو
بند کرنے نہ تھے لب ہائے شکایت مجھ کو
کہ گوارا نہیں تقسیمِ محبت مجھ کو
ہوں تو مجبور، مگر کیا نہیں قدرت مجھ کو
ورنہ معلوم ہے سب اصل حقیقت مجھ کو

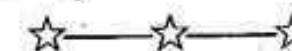


ابھی پھر سردیِ نغموں سے بھر دوں بزمِ امکاں کو
جدھر نظریں اٹھا کر دیکھنا اک وار کر جانا

ذرا چھیڑے تو مضربِ جنوں تارِ رگِ جاں کو
نہ سمجھیں وہ مسلمان کو، نہ دیکھیں وہ مسلمان کو



آپ کو دنیا سے کیا مطلب، جگر! آپ ہوں بادہ ہو، اور پیمانہ ہو



کچھ اضطراب، کچھ امید، کچھ سکوں، کچھ یاس
حجابِ قدس کو بھی بڑھ کے پھونک دیتا تھا

عجیب لذتِ غم دورِ اولیس میں رہی
یہ اک کی نفسِ شعلہ آفریں میں رہی



ہوا بھری تھی جو سر میں اُس آستانے کی
وجودِ دانہ ہے کیا شے، شجر کا اک اجمال

الگ رہا میں معیت میں ہر زمانے کی
شجر ہے کیا، وہی تفصیل ایک دانے کی

تغیراتِ نظر کے یہ جلوے ہیں، ورنہ
تغیراتِ دلی اہل درد کے ہمراہ
سمندِ نفس ہے وہ بدگامِ اسپ، جسے
گدازِ عشق کو دل میں چھپا کے رکھ، غافل!
غبارِ نفس سے چمکے گا جوہرِ ذاتی
اسیرِ دام ہوا عینِ موسمِ گل میں
موافقت کا یہ عالم کہ اصل سب کی ایک
کوئی ہے شاید مقصود بھی پس پردہ
تصوّرات کی آئینہ بندیاں ہیں جگر

ازل سے ایک ہی رفتار ہے زمانے کی
بدلتی رہتی ہیں خاصیتیں زمانے کی
قدم قدم پہ ضرورت ہے تازیانے کی
خبر نہ ہو الہوسوں کو ہو اس خزانے کی
کریں گی پاک خود آلائشیں زمانے کی
نفس میں لے کے میں وسعت اُس آشیانے کی
تضاد یہ کہ جدا شان ہر فسانے کی
یہ بے سبب نہیں نیرنگیاں زمانے کی
یہی ہے جلوہ گری اس نگار خانے کی



ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے
تو اس سے بھی برتر ہے، تو اس سے بھی اعلیٰ ہے



اے موجِ نفس! لے چل اُس بزمِ تجلی میں
ہشیاری و غفلت می بس فرق ہے اتنا ہی
یہ کیا ابھی ظاہر ہو، یہ کیا ابھی پوشیدہ
ہر ذرّہ جہاں کا ہواک برقی سر طوری
یہ رشتہ قُربت ہے، وہ سلسلہ دُوری
قُربت ہو تو پھر قُربت، دُوری ہو تو پھر دُوری



کبھی جو یار کو مستِ شراب دیکھیں گے
بتائیں کیا تمہیں روزِ حساب دیکھیں گے
بغور جب یہ جہانِ خراب دیکھیں گے
جو دل کا کر کے کبھی احتساب دیکھیں گے
اُلٹ کے آپ جب اپنی نقاب دیکھیں گے
وہ ہو گا اپنا ہی اک انعکاسِ حُسنِ طلب
نہیں ہے جن کی نگاہوں کی انتہا کوئی!
کسی طرح نہ جدا کر سکیں گے اہلِ نظر
وہ قہر ہو کہ عنایت، فراق ہو کہ وصال

ہر ایک جلوہ میں سو آفتاب دیکھیں گے
جو خواب ہے وہی تعبیرِ خواب دیکھیں گے
قدم قدم پہ طلسمِ حجاب دیکھیں گے
تو اپنی زیست کو ہم اک عذاب دیکھیں گے
یقین ہے کہ تجھے بے حجاب دیکھیں گے
یہ سب غلط کہ تجھے بے حجاب دیکھیں گے
وہی ترا کرم بے حساب دیکھیں گے
بہم کچھ ایسا عذاب و ثواب دیکھیں گے
عذاب دوست ہمیشہ عذاب دیکھیں گے



دل کے احساسات کی یوں شرح پیہم کیجئے
ساری کیفیات باطن کو مجسم کیجئے
ٹوٹ جائیں حلقہ ہائے دامِ نیرنگ نمود
ہر نفس سے آج پیدا ایک عالم کیجئے
پوری ہستی کو پھر اُن کے سامنے خم کیجئے
جست ایسی تافرازِ عرشِ اعظم کیجئے



حاصل کون و مکاں بس دل دیوانہ ہے
اپنا اک سب سے جدا، عشق میں میخانہ ہے
کچھ عجب چیز ہمارا دل دیوانہ ہے
اے برہمن! نظر آیا نہ کوئی فرق ہمیں
دیکھ، کس شان سے ہوتے ہیں شارِ رخ شمع
جھک گئے، دیکھ لیا اُس کو جدھر جلوہ فردز
رہا ہی کوئی سمجھ میں نہیں آتا مطلق
پاؤں خود مرکزِ اصلی سے نہیں ہٹ سکتے
نستی سے بھی گذر جائے تو پہنچے اُس تک
کیوں جگر کی ہے شکایت لبِ احباب پہ، آہ!

عاشقوں کی یہی بستی، یہی ویرانہ ہے
روح ساقی ہے، دل صاف جو پیانہ ہے
شمعیں آسودہ جہیں ہیں، یہ وہ پروانہ ہے
جیسا کعبہ تھا، اُسی طرح کابُت خانہ ہے
ادب آموزِ فنا جذبہ پروانہ ہے
مست کیا جانیں، وہ کعبہ ہے کہ بت خانہ ہے
کیا مری طرح پریشاں مرا افسانہ ہے
کتنی بے کار مری کوششِ مردانہ ہے!
حائل اک بیچ میں پُر ہول یہ ویرانہ ہے
جانتے کیا نہیں، بدست ہے، دیوانہ ہے



اب اور نئے جلوے آنکھوں میں سائیں کیا
جب خُسن نے یہ دیکھا، بے تاب ہیں خود جلوے
دل نے جو بنائی تھی دُنیا، وہ بنا ڈالی
اک برق سی چمکا کر حیرت کی بنا ڈالی



جلوے تھے جس قدر چمنِ روزگار کے
اک رنگِ مستقل یہ کہاں دہر کعبہ میں
آئے جو روزِ حشر نگاہوں کے سامنے
یہ مشربِ تصنعِ علمی نہیں پسند
مذہب میں عشق کی ہے تزلزل و لیل کفر
عظمت میں رہنے پائیں نہ تادیر اہل دل
موقوف حیات ہی بے تابیاں نہیں
ایما جو پائیں، کر دیں زمانے کو مقلب

تھے پندِ انعکاسِ دلِ بیقرار کے
ہنگامے ہر جمود میں ہیں انتشار کے
تھے سارے واقعات دلِ بیقرار کے
قائل ہیں ہم تو مسلکِ بے اختیار کے
قائل ہیں اہل دل طلبِ استوار کے
یہ راز ہیں حوادثِ بے اختیار کے
عالم ہزارہا ہیں مرے اضطرار کے
بیٹھے ہیں انتظار میں تائیدِ یار کے



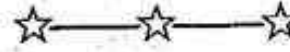
اپنے ہی جلوے نظر آتے ہر اک تنویر سے
پر تو حُسنِ ازل کی اُف یہ نقش آریاں!
آرزو سے اپنی شاید وہ ابھی واقف نہیں
گر نہیں ہے عشق معنی، عشق صورت ہی سہی
یہ نقوشِ دہر، یہ ہنگامہ ہائے کائنات
اُس کی ہستی بے تعلق مجھ سے ہو سکتی نہیں



رہتی ہے اُس کی یاد یوں وِردِ زبانِ عاشقی
رکھتے ہیں سینوں میں نہاں ہم کشتگانِ عاشقی
جو کچھ کہیں اہلِ نظر، زیبا ہے تجھ کو سر بسر
کچھ بوالہوس بھی ہیں یہیں، ہشیار، او جانِ حزیں!
جس تک نہ پہنچی ہو نظر، عالم ہو جس سے بے خبر
مبجودِ شانِ دلبری، معبودِ جانِ عاشقی
وہ دل کہ جانِ آرزو، وہ غم کہ جانِ عاشقی
تو جانِ ایمانِ وفا، ایمانِ جانِ عاشقی
زسوا نہ ہو جائے کہیں حُسنِ نہاںِ عاشقی!
پیدا دل ویراں میں کر وہ گلستانِ عاشقی



روح پر جو بھی گزرتی ہو تصویر میں ترے
کیوں تڑپنا دل مضطر کا نہ ہو مجھ کو عزیز
یہ تو ظاہر ہے کہ رگ رگ کو ہلا دیتا ہے
کہ ترے دردِ محبت کا پتہ دیتا ہے



رنگِ رُخ و شگفتگیِ دل لئے ہوئے
کل کائناتِ عشق کا حاصل لئے ہوئے
مجھ کو دیا فریبِ نظر ہائے شوخِ شوخ
افادگیِ راہ بھی ہو رہ نمائے عشق!
جاتا ہے کون رونقِ محفل لئے ہوئے
دل کی جگہ ہوں آرزوئے دل لئے ہوئے
نشر تھے خود قریبِ رگِ دل لئے ہوئے
ہاں چشمِ شوقِ جلوۂ منزل لئے ہوئے



کہاں تک اب ترے جلووں میں امتیاز کرے
وہ اک نظر جو حقیقت کو بھی مجاز کرے



کس قدر فیضِ نگاہِ مستِ ساقی عام ہے
حُسن اور قیدِ تعین کا خیالِ خام ہے
دلِ ازل ہی سے ہلاکِ کوششِ ناکام ہے
قطرہ قطرہ موجِ صہبا، ذرہ ذرہ جام ہے
بے خبر! یہ سب فریبِ جلوۂ اوہام ہے
اس کو کیا کیجئے کہ تیری آرزو بد نام ہے



جو ادائے مضطرب ہے، میکدہ بردوش ہے زندگی مستی ہے خود، لیکن بہ قید ہوش ہے



چہرہ چھپا کے پھر مجھے بیتاب کیجئے جلوہ دکھا کے پھر مجھے حیراں بنائیے
آنکھوں کو اور کیجئے محو جمالِ یار ان مشغلوں کو اور فروزاں (?) بنائیے
سینہ سے بھی ہو پنہ و حشت کی چھیڑ چھاڑ اُس کو بھی اک طرح کا گریباں بنائیے



کہتے ہی رہے حضرت منصور انا الحق حاصل ہوئی فرقت نہ حجاب نظری سے
جی دیکھئے، آتا ہے نظر اور ہی عالم حیران ہوں نیرنگ جمالِ نظری سے
ہر غنچہ نے دی گھل کے جو یوں دادِ مسرت کیا راز سنا موجِ نسیم سحری سے
مایوس پھرا بارگہ خاص سے اُس کی واقف جو نہ تھا مرحلہ بے خبری سے



دل سے پیارے کو پیار کون کرے مست کو ہوشیار کون کرے



مشقِ خطا و جوشِ تقاضا و شغلِ مے کیا کیا نہ کیجئے ستم یار کے لئے



اصل میں ہو تو کوئی دیوانہ ندرت پسند ہر قدم پر ہے نیا زنداں، نئی زنجیر بھی



مجھ سے مطلب بھی کچھ نہیں اُن کو اور مری ہی دیکھ بھال بھی ہے



جس دل میں امنگیں تھیں، اُس میں غم بھرا ہے جب بھی ترا احساں تھا، اب بھی ترا احساں ہے



بے لوث جذبِ عشق کی تاثیر چاہیے لفظوں سے ماورا کوئی تقریر چاہیے



مٹا کر اپنی ہستی، یار کی تصویر دیکھیں گے ہم اس تخریب ہی میں صورتِ تعمیر دیکھیں گے
بغور اپنی حقیقت کی اگر تصویر دیکھیں گے خیالِ آزاد پائیں گے، نظرِ زنجیر دیکھیں گے
ہوئے آزاد جب قیدِ تعلق سے ترے وحشی بڑی مایوسیوں سے جانبِ زنجیر دیکھیں گے
ادھر احساسِ روحانی، ادھر ادراکِ جسمانی کس آئینہ میں، کیا جانے، تری تصویر دیکھیں گے

جنہیں تاریکیاں بھی دیکھنا اب تک نہیں آئیں وہ کس صورت سے تیرے حسن کی تصویر دیکھیں گے
کہاں ممکن جمالِ شلہ فطرت کا نظارہ ان آنکھوں سے یہی بس عالمِ تصویر دیکھیں گے



ضیا بارِ حقیقت ہے یہ شمعِ زندگی میری نہ ہستی جادۂ راہ اور نہ منزل نیستی میری
جہاں دیکھو گے، پاؤ گے وہیں پر روشنی میری کہاں پہنچے گی گردِ کاروانِ زندگی میری



ذہن سے علم کتابی سب بھلانا چاہیے جلوۂ بے رنگ بھی دل کو دکھانا چاہیے
اس طرح اک نغمہ دلکش سنانا چاہیے نفس کہہ دیتا ہے اکثر، ختم منزل ہو گئی
گوہرِ مقصود تو قسمت سے ملتا ہے، مگر عشق میں مدہوشی و مستی مناسب ہے، مگر
سامنے گروہ نہیں آتے، تو اے حسنِ نظر! سجدے بھی ہو جائیں گے، پیدا تو کر ذوقِ نیاز



ایک سوزِ بے اماں ہے دونوں جانب مشترک ہوش کیسا، جوش کیا، ہستی کہاں، مستی کجا
شمع میں پروانہ ہے اور شمع پروانے میں ہے عشق کی معراج ہر صورت سے کھوجانے میں ہے
اٹھ گیا کافر جگر سا کیا کوئی پھر حق پرست حشر ہے کعبہ میں برپا، شورِ بت خانے میں ہے



دکھا دوں حسن بے تابی، مگر پھر خوف آتا ہے کسی اک نقطہ موہوم ہی کی شرح تو کر دیں
مرادل ہی نہ بن جائیں مرادل دیکھنے والے کتابِ عشق کے گہرے مسائل دیکھنے والے
حقیقت میں نظر میں ہر تجلی اک حقیقت ہے وہ خود باطل میں جو ہیں نقشِ باطل دیکھنے والے
کمالِ بے حسی شوق پر بھی اک نظر ڈالیں مری ہر سانس میں اک حشرِ دل دیکھنے والے
تری صورت کا مظہر ہے تراہر پر تو رنگیں! تجھ کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے

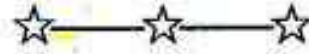


یہ میرا طائرِ دل ہے، سمجھتا کیا ہے تو ظالم! ترے آزاد کرنے سے کہیں آزاد ہوتا ہے
جنونِ رشک کا عالم یہاں تک عشق میں پہنچا کبھی میں شہاد ہوتا ہوں، تو دلِ ناشاد ہوتا ہے

نگاہِ دُور میں دُتر ب میں کافرق ہے، ورنہ جسے نغمہ سمجھتے ہو، وہ خود فریاد ہوتا ہے
 محبت میں گزرتا ہے جو عالم، کیا خبر مجھ کو نہ جانے شاد ہوتا ہے کہ دل ناشاد ہوتا ہے
 نگاہِ ناز کی معجز بیانی، واہ! کیا کہنا سمجھ لیتا ہے از خود جس سے جوار شاد ہوتا ہے



تا گجا ہم درد مندوں پر تبسم، تا گجا اک نظر اپنی طرف بھی، بندہ پرور! کیجئے!



دمِ اخیر دُعائیں نہ دواں انہیں کیوں کر ستم کے بھیس میں کیا کیا کرم نواز رہے
 دیارِ حُسن میں آئینِ حُسن ہی ہے جُدا جو سر فروش رہے، وہ نہ سر فراز رہے
 کچھ اسرارِ ادا سے وہ مستِ خام ناز رہے

یادایام

معنی صد زندگانی تیری
 ایک ادنیٰ سے اشارہ میں ہے

حاصل صد میکدہ ایک ایک جامِ آرزو
 اللہ اللہ کس قدر تھا اہتمامِ آرزو



؟؟؟

اے قوم کے
 اے نقش و نگار
 ماں باپ کی آنکھ سے
 ماں باپ کی آنکھ سے
 بنگال تمہارا ہم

نونہال بچو! اے قوم کے خوش خصال بچو!
 گلشنِ ہند! اے تازہ بہارِ گلشنِ ہند!
 لے نور ہو تم ماشاء اللہ! چشمِ بد دور ہو تم
 لے نور ہو تم اللہ تجھے اماں میں رکھے!
 سفر ہے پنجاب تمہاری پشت پر ہے



ڈائر کی وہ فوج آ
 ڈائر کی وہ فوج آ

رہی ہے وہ تیز قدم بڑھا رہی ہے!
 رہی ہے اب ہند نہیں ہے وہ فرشِ محمل



؟؟؟

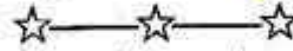
urdukutabkhanapk.blogspot.com

؟؟؟

حُجّت تمہاری خُدا کے لئے تھی عداوت تمہاری خُدا کے لئے تھی
عدالت تمہاری خُدا کے لئے تھی حکومت تمہاری خُدا کے لئے تھی
نہ تھا فقر سے اور نہ مطلب غنا سے خُدا تم سے راضی تھا، تم تھے خُدا سے



سوئے سوراخ قدم اپنا بڑھاتے جاؤ جس طرف جاؤ ادھر آگ لگاتے جاؤ
خون ابھی اور بہانا ہے زمینوں پہ تمہیں گولیاں اور بھی کچھ کھانی ہیں سینوں پہ تمہیں



گاندھی

ع

اب ہوئے میکدہ ہند کے ساتی گاندھی

سہرا (۱)

خوشی سے نہ کیونکر ہو معمور سہرا کہ ہے زینتِ رُودے مضور سہرا
یہ سہرا نہیں حسب دستور سہرا یہ سہرا ہے نور علی نور سہرا
خبر ہے اسے کیا جھوم نظر کی جوانی کے نشہ میں ہے پور سہرا
سر بزم لیتا ہے رخ کی بلائیں بہت شوخ و گستاخ و مغرور سہرا
مُرادوں کے مھولوں سے رنگین محفل محبت کی خوشیوں سے معمور سہرا



سہرا (۲)

جگر رشید و ظفر میاں کو رہے نہ کیوں سازگار سہرا
لکھا ہے پڑھ کر دُرودِ پیہم، بنامِ پروردگار سہرا
سنائے جا مطربِ محبت، اسی طرح بار بار سہرا
تمام حسن و شبابِ نوشہ، تمام باغ و بہار سہرا

نشاط اندر نشاط محفل، جمال اندر جمال منظر
 قطار اندر قطار خوشبو، بہار اندر بہار سہرا
 جواب اُس حُسن کا کہاں ہے، عجیب عالم، عجب سماں ہے
 تجلیاں رُخ پہ ہیں تھدق، تجلیوں پہ ثار سہرا
 یہ دو دلوں کی محبتوں کی کشاکشیں بھی ہیں کیا قیامت
 ادھر بھی ہے بیقرار سہرا، ادھر بھی ہے بیقرار سہرا
 بنا ہے نوشہ کے رُخ سے مل کر کچھ اس طرح شاندار سہرا
 کہ جیسے خود باغبانِ فطرت کے ہاتھ کا شاہکار سہرا
 ترے سراپا کا میں نے لکھا، عجب سراپا بہار سہرا
 کہ تُو ہے دریائے حُسن و خوبی تو اُس کا ہے آبشار سہرا
 اگر ہو منظور دل لگی کچھ، جنابِ نقی سے کوئی کہہ دے
 بلائیں لے لے کے چشم و عارض کی بن گیا میکسار سہرا
 جو مادرِ مہرباں کی آنکھوں میں اس سے خنکی ہے صبح کی سی
 تو ہے سعید الظفر میاں کے لئے بھی وجہ قرار سہرا
 الہی تا دورِ ماہ و انجم رہے مبارک بہ صد تقسم
 یہ مست جامِ شرابِ اُلفت، یہ رند شب زندہ دار سہرا
 جگر سب احباب کی نگاہیں اگر نہ بروقت کام آئیں
 تو کیا یہ شک ہے کہ بن نہ جائے لطافتِ رُخ پہ بار سہرا



شکستِ توبہ

دُستِ بقدرِ جوشِ طلبِ پا کے پی گیا
 اُن مستِ آنکھریوں کی قسم کھا کے پی گیا
 میں مستِ توبہ کرتے ہی پچھتا کے پی گیا
 میں اور ترکِ شاہد و ساغر، خدا گواہ
 ساقی کی لہر دیکھ کے، لہرا کے پی گیا
 جب لہر آگئی کوئی، لہرا کے پی گیا
 بانہوں میں بانہیں ڈال کے اٹھلا کے پی گیا
 جب آگیا خیال ہی، جھٹلا کے پی گیا

اے ساقی ازل! تری رحمت کے میں ثار
میری نگاہ و فکر پہ جب چھا گئی بہار
جب جب جہان ہوش سے فرصت ملی مجھے
افسانہ مختصر یہ مری میکشی کا ہے
میں اور شکستِ توبہ، بس اب اور کیا کہوں
جس جس مقام پر مجھے مشکل کچھ آپڑی
ملتی ہے کس کو خاص ترے دستِ ناز سے
جب جامِ وبادہ بھی میری نظروں سے چھپ گئے

توبہ کے ہر خیال کو ٹھکرا کے پی گیا
رنگینوں میں ڈوب کے لہرا کے پی گیا
اپنی حقیقتوں کی طرف آ کے پی گیا
تو نے پلا دی جب مجھے، لہرا کے پی گیا
کیا جانے کس خیال میں گھبرا کے پی گیا
افسانہ حیات کو دُہرا کے پی گیا
میرے نصیب تھے کہ تجھے پا کے پی گیا
میں عالم خیال میں تیورا کے پی گیا



بادۂ شیراز

روشن جہاں زجلوۂ برقی یک آہ کیست
در حیرتم جگر کہ نگاہم نگاہ کیست

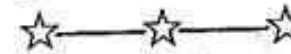


جنسے زجنس اور بہ تماید اگر بہ عشق!
ایں اشک و آہ از اثر اشک و آہ کیست



ہر اشکِ رواں رنگے از خونِ جگر وارد
اے آنکہ دلِ عالم زیرِ قدمتِ اُفتاں

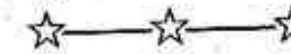
شاید بہ من خستہ او نیز نظر دارد
آخر چہ کند آنکس کو سوختہ پر دارد



ہر نفس را کردہ محوِ حُسنِ دوست
باتن وہم باز جانِ درِ شورِ عشق

ہم چو بوئے گل پریشاں می روم
ہم بانی وہم بانیتاں می روم

مظہرم دراصل خواہم گم شدن
محشرم در محشرستاں می روم



بہ حضورِ خرقہ پوشاں، خبرے وہم زرازے
کہ حقیقت است پنہاں پس پردہ مجازے



اے سر تو ساقی مست من، بہ سرورِ بے طلبی خوشم
اگرم شراب نمی وہمی، بہ خمارِ تشنہ لبی خوشم

چہ خوش است ذوقِ مجسم! چہ بلاست لذتِ فرتم! کہ بہ یادِ زلفِ سیاہ تو، بہ ہجومِ تیر شبِ خوشم
 چہ مقامِ عشق و چہ منزلے کہ دینِ زلمنِ بیدلے نہ بہ شادے، نہ بہ مطربے، نہ بہ حاصلِ غنی خوشم
 زنگاہِ عشوہ طراز تو چہ گذشت بر دلِ من، کہ من نہ بہ نالہِ سحری خوشم، نہ بہ آہِ نیم شبی خوشم
 زجھائے حسنِ تمام تو نہ حکایتے، نہ شکایتے چہ حکایتے، چہ شکایتے کہ بہ ترکِ بے ادبی خوشم!



ہمہ ہوشِ عشقم، ہمہ سوزِ جانم حذر، آئے جواناں! کہ پیرِ جوانم
 نہ اسم، نہ جسم، نہ اینم، نہ آنم چہ رازِ عیانم! چہ سرِ نہانم!
 جہاں ازمن و من زجانِ محبت بجانِ محبت! کہ جانِ جہانم!
 خوشا نسبتِ عشقِ لافانی تو فنا گشتم و زندہ جاودانم



آتشِ گل

عشق مٹا اور مٹا ہی رہا حسنِ بنتا اور سنورتا ہی رہا
 عشق کارِ عشق کرتا ہی رہا گو بظاہر وہ نہ کرتا ہی رہا
 وہ جلاتے ہی جلاتے رہ گئے دل کو مرنا تھا سو مٹتا ہی رہا



۱۔ فتنہ روزگار میں امن ہے کیا، قرار کیا! حاصلِ زیستِ غم سہی، غم کا بھی اعتبار کیا
 فطرتِ شوق کی قسم، غیرتِ عشق کی قسم! دولتِ دو جہاں سہی، دولتِ مستعار کیا
 عشقِ خزاں مزاج سے لطفِ مزاج پوچھے جس کی نظر ہو خود بہار، اُس کے لئے بہار کیا
 سوزِ تمام چاہیے، رنگِ تمام چاہیے شمعِ تہِ مزار ہو، شمعِ سرِ مزار کیا



۲۔ ہائے اُس عاشق و دیوانہ گلشن کی بہار کہ جب آئی ہو، بہ اندازِ خزاں آئی ہو



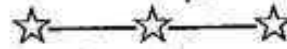
۳۔ بارِ عیادت اٹھ نہ سکا، اُف رے نازکی تکلیفِ چند گام وہ فرما کے رہ گئے
 اب دل سے کیا نکلتے ہیں تیر نگاہِ ناز جو دل میں آ کے رہ گئے، بس آ کے رہ گئے



جس میں پہنائی و رفعت ہی نہیں اور کچھ ہے، وہ محبت ہی نہیں
اس زمانے میں دلائل کے سوا ہر حقیقت اب حقیقت ہی نہیں



کہتے ہیں، نہیں ہم کو تیری مہر و وفا یاد اب دیکھئے، کب تک انہیں رہتا ہے خدا یاد
بندے کی نہیں تاب، کرے یاد خدا کی! بندے کو اگر خود نہ کرے اُس کا خدا یاد



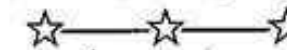
اُس حسن کا شکوہ کیا کیجئے، محدود ہو جس کی اک دنیا اُس سعی طلب کو کیا کیجئے، جو سعی طلب ناکام نہیں



کیا تعجب کہ مری رُوح رواں تک پہنچے پہلے کوئی مرے نغموں کی زباں تک پہنچے
جب ہر اک شورشِ غم ضبطِ فغاں تک پہنچے پھر خدا جانے، یہ ہنگامہ کہاں تک پہنچے
آنکھ تک دل سے نہ آئے، نہ زباں تک پہنچے بات جس کی ہے، اُسی آفتِ جاں تک پہنچے
تُو جہاں پر تھا بہت پہلے، وہیں آج بھی ہے دیکھ، رندانِ خوشِ انفاس کہاں تک پہنچے
جو زمانے کو بُرا کہتے ہیں، خود ہیں وہ بُرے کاش! یہ بات ترے گوشِ گراں تک پہنچے
بڑھ کے رندوں نے قدمِ حضرتِ واعظ کے لئے گرتے پڑتے جو درِ پیرِ مغاں تک پہنچے
تو میرے حالِ پریشاں پہ بہت طنز نہ کر اپنے گیسو بھی ذرا دیکھ، کہاں تک پہنچے
اُن کا جو فرض ہے، وہ اہلِ سیاست جانیں میرا پیغامِ محبت ہے، جہاں تک پہنچے
جلوے بیتاب تھے جو پردہٴ فطرت میں جگر خود تڑپ کر مری چشمِ نگران تک پہنچے



سُن کے نغمے بھی خاموش فغاں تک پہنچے اب ترے حوصلے، اے عشق! کہاں تک پہنچے
عشق کی چوٹ دکھانے میں کہیں آتی ہے کچھ اشارے تھے کہ جو لفظ و بیاں تک پہنچے



غالبِ مرحوم

لا ریب، کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ
اے، وہ کہ تری ذاتِ گرامی بہ ہمہ رنگ قدرت کی جو ہم راز تو فطرت کی ہم آہنگ

اے، وہ کہ تری فکر بہ ہر طرزو بہ ہر صنف
اے، وہ کہ ہر اک نغمہ ترا نغمہ فطرت
اے، وہ کہ ترے معجزہ جمش لب سے
ہر بھول ترے باغ کافردوش بہ دامن
اقلیمِ سخن ہے ترے اعجازِ نفس سے
اک گوشہ دامن میں ترے دجلہ و جیوں
تھے ملکِ سخن میں ترے ہم عصر ہزاروں
تو نظم میں بھی، نثر میں بھی مجہد العصر
تو نے اُسے گنجائش کوئین عطا کی!!
عرقی و نظیری و ظہوری و فغانی!
لاریب، کہ اس رمز سے واقف تھی تری ذات
الحق، کہ تری وسعتِ تخیل کے آگے
ہم شعلہ و ہم شبنم و ہم شیشہ و ہم سنگ
اے، وہ کہ ہر اک نقش ترا روش ارژنگ
اک جنت شاداب ہر اک غنچہ دل تنگ
ہر خار ترے دشت کا انکشتِ شفق رنگ
ہم نغمہ و ہم شیشہ و ہم نکبت و ہم رنگ
اک موجِ نفس میں تری رقصاں جن و گنگ
تہا تھی تری ذات مگر صاحب اورنگ
لیکن وہ ہے معذور کہ جس کی ہے نظر تنگ
ہر چند بہت تھا کبھی دامنِ غزل تنگ
تیرا کوئی ہم سر، نہ ترا کوئی ہم آہنگ
افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ
صحرا کفِ خاکستر و گلشنِ قفسِ رنگ



۱۔ اب غمِ عشق نغمہ بار نہیں اب کوئی شعر شاہکار نہیں



۲۔ اب کہاں حسنِ صداقت کہ بنے نقشِ دوام اب تو لے دے کے بس اک حُسنِ بیاں ہوتا ہے



۳۔ مدتِ گذری، یاد ہے اب تک تیری گلی کی ہیرا پھیری
دشمن سمجھے رحم کے قابل کیا ہوئی، اے دل! غیرت تیری



قطعہ

آپ کے سب اصول جمہوری جیسے کاغذ کے بھول کچھ رنگیں
مختصر یہ کہ آپ خود کیا ہیں؟ آپ کی ذہنیت ہے کتنی حسیں

آپ کہتے ہیں کچھ، عمل کچھ ہے اس کے شاہد ہیں آسمان و زمین
میں بس اتنا ہی عرض کرتا ہوں آپ جمہوریت کے اہل نہیں



نغمہ و صہبا، شعر و ادب تیری نظر کے تشنہ سب
ختم ہوا انعامِ فراق! آ ہی گیا پیغامِ طلب
حسن و محبت، روح و جسد تنہا تنہا، ہائے غضب



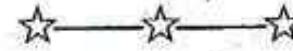
علم ہی ٹھہرا علم کا باغی عقل ہی نکلی عقل کی دشمن



آسمان مرکزِ تخیل و تصور کب تک آسمان جس سے جخل ہو، وہ زمیں پیدا کر
روحِ آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب اُٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر



نگاہوں میں منزل کوئی پھر رہی ہے یونہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں
مجھے کوئی دیکھے، مجھے کوئی سمجھے! یہ کیا سامنے ہوں، یہ کیا جا رہا ہوں
خود اپنی بھی پہنائیاں ختم کر کے خود اپنی نظر میں چھپا جا رہا ہوں



جیسی کرنی ویسی بھرنی ظالمِ فطرت رحم نہ کھائے
آج ہے بے ڈھب دل کی دھڑکن جیسے کوئی پاس بلائے
کوئی بنے یا کوئی روئے فطرت اپنا جی بہلائے



چھپتا ہے کہیں بانیِ بیداد کا عالم ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم
دیکھ، اے نگہ شوق! یہیں تک نہ ٹھہرنا اک اور بھی ہے حسنِ خدا داد کا عالم
اب کیا کوئی سمجھے مری رُوداد کا عالم نغموں میں ہے ڈوبا ہوا فریاد کا عالم

اللہ رے، اک مطرب بے نام کا اعجاز ہر سانس ہے اک نغمہ آزاد کا عالم
ہر نغمہ ہے جس کے لئے فریاد کا عالم! اللہ رے، اس نغمہ آزاد کا عالم!

☆—☆—☆

لُرفتہ رفتہ مرکزِ فکر و توجہ بن گئی!! اپنی بربادی کو حُسنِ رائیگاں سمجھا تھا میں

☆—☆—☆

یادش بخیر! پھر سے اُسی رہ گذر کی یاد گذرے تھے ہم جہاں سے کبھی سر لئے ہوئے
پھر عشقِ سادہ لوح کو دعوائے ضبط ہے ہر نفس میں شورشِ محشر لئے ہوئے
تو خود ہی عینِ ذات ہے، خود جلوۂ صفات پھر تا کہاں ہے شوق کا دفتر لئے ہوئے
جس کی شفا محال ہے، جس کی دوا حرام اے چارہ گر! وہ زخمِ ہوں دل پر لئے ہوئے
یا رب! کہاں گیا وہ زمانہ کہ عشق میں اک دل تھے ہم بھی دل کے برابر لئے ہوئے
جن کو خبر نہیں کہ ہے رنگِ زمانہ کیا بیٹھے رہیں وہ شاہد و ساغر لئے ہوئے

☆—☆—☆

آج سے ترکِ ملاقات بھی تسلیم مجھے توبہ توبہ کر ترے حُسن کی رُسوائی ہو

☆—☆—☆

نظر کو فرصتِ نظارگی نہیں، نہ سہی یقین تو ہے کہ وہ آئے تھے بے حجابانہ

☆—☆—☆

کوئی منزل ہو، کوئی مرحلہ ہو عشق کی دسترس سے دُور نہیں

☆—☆—☆

تیرے جلوے تو بیکراں ہیں، مگر کم نہیں عشق کا بھی ظرفِ نگاہ

☆—☆—☆

نظر جب سے کسی نے پھیر لی ہے بہت برہم مزاجِ زندگی ہے

☆—☆—☆

رندی کے لئے ہے نہ عبادت کے لئے ہے انسانِ محبت ہے، محبت کے لئے ہے

☆—☆—☆

کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر

☆—☆—☆

ناز تھا جس پر بلبل و گل کا سوکھ چلی وہ شاخ نشین



توبہ، زاہد، ہم اور توبہ! مفلسی وجہ پارسائی ہے
بس اسی کی ہے زندگی، جس نے آپ اپنے پہ فتح پائی ہے
اُس نے اک رُوح پھونک دی ہے جگر جب نظر سے نظر ملائی ہے



آتشِ گل کے بعد

غزلیات

الحب تک کہ غمِ انساں سے جگر انسان کا دل معذور نہیں
 جنت ہی سہی دُنیا، لیکن جنت سے جہنم دُور نہیں
 جو ذوقِ طلب، جو شوقِ سفر کچھ اور مجھے منظور نہیں
 اے عشق! بتا اب کیا ہو گا، کہتے ہیں کہ منزل دُور نہیں
 واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ، مگر
 آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں
 میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے یہ کہتا جاتا ہوں
 توہین ہے دست و بازو کی، وہ وار کہ جو بھرپور نہیں
 اربابِ ستم کی خدمت میں بس اتنی گزارش ہے میری
 دُنیاۓ قیامت دُور تو ہے، دُنیا کی قیامت دُور نہیں



کم نہیں ظلمت میں کچھ اہل نظر کے لئے
 لاکھ چمن زارِ حسن پیش نظر ہوں تو کیا
 جس پہ بہت ناز ہے آہ تجھے، بوالہوس!
 جوشِ طلب چاہیئے ہوشِ ادب چاہیئے
 رقص میں سے زندگی ایک تیرے واسطے
 کم نہ ہوئیں ظلمتیں اُف رے شبتانِ غم!
 کون رہے شبِ نشیں نورِ سحر کے لئے
 ہاتھ یہ بڑھتے نہیں ہر گل تر کے لئے
 نگ ہے وہ زندگی اہل نظر کے لئے
 بند نہیں کوئی راہ پائے بشر کے لئے
 وجد میں ہے کائنات اہل نظر کے لئے
 تجھ گئے لاکھوں چراغ ایک سحر کے لئے



محبت کا، بالآخر رقص بے تابانہ کام آیا
 نگاہ شہر گیس اٹھی، سلام آیا، پیام آیا
 ادب، اے گردشِ دوراں! کہ پھر گردش میں جام آیا
 سنبھل اے عہدِ تاریکی! کہ وقتِ انتقام آیا
 نہ جانے آج کس دھن میں زباں پر کس کا نام آیا
 فضا نے پھول برسائے، ستاروں کا سلام آیا
 جہادِ زندگی میں جب کوئی نازک مقام آیا
 جنوں نے ہی قیادت کی، خلوصِ غم ہی کام آیا
 نئی تخریب لازم ہے، نئی تعمیر کی خاطر
 ہوا کیا تو اگر کچھ گرتی دیواروں کو تھام آیا
 سنبھل کر یوں تو ہم گذرے کسی کی راہ میں، لیکن
 کچھ ایسے بھی مقام آئے کہ گر پڑنا ہی کام آیا
 مجھے شکوہ نہیں ساقی سے اپنی تشنہ کامی کا
 میری قسمت میں دل آیا، ترے حصہ میں جام آیا
 اٹھا تعظیم کو ساقی، ٹھکے شیشے، بڑھے ساغر
 نہ جانے آخرِ شب کون رندِ تشنہ کام آیا
 اندھیرے سے اُجالے بھوٹ نکلے، دل یہ کہتا ہے
 مرا افسوں خرام آیا، مرا ماہِ تمام آیا
 نکل آیا جگر جب میکدہ میں شور یہ اٹھا
 وہ رندِ دل بہ یار وے بہ جام و تشنہ کام آیا

☆—☆—☆

۱۔ سرِ محفل جب اُن خاموش نظروں کا پیام آیا زبانِ بے زبانی پر پیام آیا

☆—☆—☆

۲۔ مدت میں جو اُس شوخ کا دیدار ہوا ہے تا درِ سمہلنا مجھے دشوار ہوا ہے
 منصور ہر اک دور میں بیدار ہوا ہے افسانہ کہیں ختم سرِ دار ہوا ہے؟
 اب حُسن سے کچھ کام، نہ جلووں سے سروکار اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے

۱۔ جگر کی بیاض نمبر ۱۱ (بہری جامعہ ملیہ دہلی) ۲۔ حیاتِ جگر (قیس الفاروقی)

جو گھونٹ بھی اُترا ہے، وہ تلوّاز ہوا ہے
تب جا کے یہ دل شعلہٴ بیدار ہوا ہے
کچھ اُن کی نگاہوں کا بھی اصرار ہوا ہے
سیراب ہر اک پھول، ہر اک خار ہوا ہے
ہر سانس حدیثِ لب و رخسار ہوا ہے
ہر شعر مرا شعلہٴ رخسار ہوا ہے

بے شاہد و ساقی بھی کبھی پی تو ہے، لیکن
کیا کیا نہ تپایا ہے اسے آتشِ غم نے
کچھ دل کا تقاضا ہی نہ تھا عرضِ محبت
شبِ غم کی نظر میں نہیں تخصیص کسی کی
فیضانِ غمِ عشق سے حاصل ہے جو نسبت
کیا کہئے جگر! کس گل رعنا کی بدولت



ہر عزم، ہر اک حوصلہ بیکار ہوا ہے
یہ دل جو ابھی فتنہٴ بیدار ہوا ہے
اک حرفِ تسلی بھی گراں بار ہوا ہے
سنتے ہیں کہ واعظ بھی قدحِ خوار ہوا ہے

بے نام و نشان ایسا بھی اک وار ہوا ہے
ڈھانی ہے اسی کو غمِ دوراں یہ قیامت
کچھ دن سے عجب دل کی نزاکت کا ہے عالم
کیا چیز تھی رندانِ خوشِ انفاس کی صحبت



یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے
مجھے اتنا سہارا کم نہیں ہے
اس میں کونسا عالم نہیں ہے
کوئی عالم بہ ہر عالم نہیں ہے
ابھی تک دم بہ دم، پیہم نہیں ہے
مالِ لغزشِ آدم نہیں ہے
حقیقت کیا، اگر مبہم نہیں ہے
یہ فانی زندگی بھی کم نہیں ہے
سرِ تسلیم کس کا خم نہیں ہے
چمنِ شاداب ہے، شبِ غم نہیں ہے
مگر یہ فطرتِ آدم نہیں ہے
مقامِ التجا بھی کم نہیں ہے
مزاجِ عشق ابھی برہم نہیں ہے

یہ میخانہ ہے بزمِ جم نہیں ہے
ہلکتِ دل شکستِ غم نہیں ہے
ذرا سا دل ہے، لیکن کم نہیں ہے
یقینِ عشق اگر محکم نہیں ہے
ابھی ناکام ہے دردِ محبت
تو پھر کیا ہے، اگر یہ حُسنِ فطرت
کہاں کا حسن، اگر اُٹھ جائے پردہ
ارے او شکوہِ سنجِ عمرِ فانی!
زباں سے کوئی کچھ کہہ لے، پر اے دوست!
کہیں ایثارِ غم جاتا ہے ضائع؟
وفا اک جنس ہے معروف و دلکش
نہ جا شانِ تغافل پر کہ، اے دوست!
ستم کچھ اور کر گیس حُسنِ والے!

نگاہ و فکر کو کیا کہئے، ورنہ حقیقت کوئی بھی مبہم نہیں ہے
ابھی کیا لذت دردِ محبت پیامِ دم بہ دم، پیہم نہیں ہے



کیا چیز غمِ عشق کی دیوانہ وشی ہے رونا ہے تو رونا ہے، ہنسی ہے تو ہنسی ہے
ہر چند کہ تکرارِ نظر بے ادبی ہے پر کیجئے کیا، عشق کی فطرت ہی یہی ہے
اک منزل بے نام، حسرت، نہ تماشا اک عالم حیرت کہ نہ غم ہے، نہ خوشی ہے
آسان نہیں جہدِ مسلسل سے گزرنا ہر گام یہاں مرحلہ خود شکنی ہے
اک طرزِ تصور کے کرشمے ہیں بہر رنگ اے دوست! یہ دنیا نہ بری ہے نہ بھلی ہے
بن جاؤں میں بیگانہ آدابِ محبت اتنے نہ قریب آؤ، مناسب بھی یہی ہے
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے
وہ ظلم بھی ڈھاتے ہیں تو فرماتے ہیں احساں میں آہ بھی کرتا ہوں تو خاطر شکنی ہے



پہنچنا زندگی سے زندگی تک نہ پوچھو، خاک! پروانے کے جی سے
بچھ اللہ! جنونِ شوق پہنچا بہت آگے مقامِ آگہی ہے
مرا کفرِ محبت، اللہ اللہ! شعاعیں مٹھوٹ نکلیں تیرگی سے
خزانے بھر لئے ہیں اہلِ دل نے ترے مستوں کے دامنِ تہی سے
وہی دل ہے مگر اے حسنِ جاناں! کسے فرصتِ جہادِ زندگی سے
خبر دار، اپنے میخانے سے ساقی! اٹھے شعلے مرے جامِ تہی ہے



آب کسی شے میں دل کشی نہ رہی رہ گیا سایہ، روشنی نہ رہی!
کہنے سننے کا جب مقام آیا کہنے سننے کی تاب ہی نہ رہی!
رشتک نے ایسے تفرقے ڈالے دیدہ و دل میں روشنی نہ رہی
رہ گیا کیا، اگر محبت میں سر فروشانہ زندگی نہ رہی
عشق ہی درد، عشق ہی درماں اب ضرورت کسی کی بھی نہ رہی
ہم نہ تھے گرچہ مستحقِ کرم اُس طرف سے مگر کمی نہ رہی
لوٹ لے دولتِ فراق، جگر! فرصتِ غم رہی رہی نہ رہی



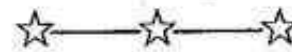
۱ واعظ نہ کیوں ہو طاق حساب و کتاب میں گزری ہے ساری عمر عذاب و ثواب میں
ان زاهدانِ خشک پہ ہو رحمتوں کی مار توڑا کئے دلوں کو حصولِ ثواب میں



۲ سچو تیری یاد سے معمور و نغمہ خواں گذرے وہ لمحے کتنے حسیں، کس قدر جواں گذرے
کہاں وہ جائے تری بزمِ ناز سے اٹھ کر ترے بغیر جسے زندگی گراں گذرے



۳ عشق ہی اس کو جانتا ہے کہ ہے اک نگہ اور بھی ورائے نگاہ



ارمان اگر ہے اور یہی، اے قاتلِ ناداں! یہ بھی سہی
میں سینے پہ لوں ہر وار تیرا، تو تیر چلا، تلوار اٹھا



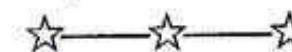
جب یاس سے ہو چلا میں خوگر!! وہ آگئے دفعتاً غزل خواں
لذت ہے تو مصیت میں، لیکن کتنی ارزاں ہے، کتنی آساں



۵ وہ رہے ہم سے دور دور تو کیا ہم نے بوسے ادا ادا کے لئے
گردشیں آسماں کو ہیں کیا کیا اک اسی خاک زیرِ پا کے لئے



۶ اپنی جنت کی فکر کر، واعظ میری جنت تو مجھ سے دور نہیں



۷ لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف چمن میں آتشِ گل کا کبھی دھواں نہ رہا
فراقِ زیست کی شورش، وصالِ موت کے بعد کہاں کا لطف، جو یہ لطف درمیاں نہ رہا



کرم کر رہے ہیں ستم ڈھا رہے ہیں ہمیں ہم وہاں اب نظر آ رہے ہیں



۱ مکتوب جگر بنام حبیب احمد صدیقی ۲ ماہنامہ جگر مئی ۱۹۵۳ء ۳ القلم اپریل تا جون ۱۹۶۲ء

۴ حسبِ روایت نیاز گوٹروی ۵ مکتوب جگر بنام میکش اکبر آبادی ۱۹۵۸ء ۶ شاہراہ مئی ۱۹۵۸ء

۷ شاہراہ جون ۱۹۵۸ء ۸ جگر کی بیاض نمبر ۱ (لابریری جامعہ ملیہ دہلی)

دہر کا پھر وجود کیا، کوئی جو دہریا نہیں پھر یہ خودی ہے کیا بلا، کوئی اگر خدا نہیں



پابند کرم مائل بیداد رہے گی دنیائے محبت یونہی برباد رہے گی
میں لاکھ گرفتارِ تعین سہی، لیکن فطرت میری آزاد ہے، آزاد رہے گی



کچھ اب اور ہی پا کے منشا کسی کا اُلٹنا پڑا مجھ کو رخِ زندگی کا
بہ اس عقل و دانش، بہ اس علم و حکمت بشر پھر بھی پُتلا ہے کم مانگی کا



یوں سبزہ بیگانہ کو روندنا نہ کریں آپ چُھ جائے نہ تلووں میں کوئی خارِ محبت



داغِ دل کیوں کوئی ممنونِ پذیرائی ہو گلِ ویرانہ بنے، لالہِ صحرائی ہو
دلِ درِ دولت اگر ہے، تو بنا، اے واعظ! حرم و دیر میں کیوں مشقِ جبین سائی ہو



طبیعت آکے پھر تاحدِ امکانی نہیں جاتی نہیں جاتی، یہ دیوانی نہیں جاتی



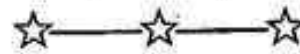
دکھا دے، اے دل بیتاب! عالی ہمتی اپنی دو عالم بن کے پھیلا دے دو عالم میں خودی اپنی
نہ حسن و عشق کی چھیڑیں، نہ امن و آشتی اپنی تری جہت کو اے واعظ! یہیں سے بندگی اپنی
انہیں کو اب نگہبانی بھی کرنی پڑ گئی اپنی زہے دیوانگی اپنی، خوشا فرزانگی اپنی
نثارِ ہمت ساقی ہے مرگ و زیت بھی اپنی معاذ اللہ یہ دریا نوشیاں، یہ تشنگی اپنی
نظر پڑتی ہے عالم پر اسی صورت، یونہی اپنی کسی نے جیسے آئینے میں صورت دیکھ لی اپنی
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دُنیا تھی کبھی اپنی مگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ سرخوشی اپنی
مکمل تو کوئی کر لے حیاتِ عاشق اپنی خدائی چیز ہی کیا ہے، خدا اپنا، خودی اپنی
حقیقت ہی نہیں، جو چھوڑ دے اپنی حقیقت کو وہی حسرت ہے صرف اپنی، جو حسرت رہ گئی اپنی
مری بربادیوں میں کیوں ہو یہ احساس بھی شامل مرے سر ڈال دیجئے خیر سے شرمندگی اپنی
نگاہیں چار ہوتے ہی ظلمِ غیریت ٹوٹا حقیقت نے حقیقت جان لی، پہچان لی اپنی



کی ہے تڑپ تڑپ کے سحرِ یادِ یار نے یہ کیا غضب کیا نفسِ شعلہ بار نے
بدلے ہیں رنگ رنگِ دلِ بیقرار نے رکھا ہے بھینچ بھینچ کے آغوشِ یار نے
ہاں، اے نگاہِ شوق! ذرا تو بھی کام کر آتے نہیں انہیں ابھی گیسو سنوار نے
تصویر کھینچ دی کسی بیکسِ شباب کی بے اختیار آج اک اٹھے غبار نے
اک کشتہ خزاں کو بھی دم بھر سلا دیا دے دے کے تھکیاں سی نسیم بہار نے



بڑھے ہیں تری جستجو میں، بڑھے ہیں کہیں اب قدم یہ ہیں رُک جانے والے
مبارک! تجھے تیری گستاخِ کوشی کھنچے آ رہے ہیں کھنچے جانے والے
محبت سے آویزشیں، توبہ، توبہ! بہک کر رہیں گے یہ بہکانے والے



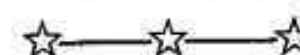
رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط کیا جانے، اُسِ بخون میں کیا کیجئے گا آپ



جو دل کہ تیری جلوہ گہ خاص تھا کبھی کیوں کر یہ اب کہوں، وہ تری رہگذر نہیں
اس عہدِ مغربی میں ہے کس چیز کی کمی کہتے ہیں جس کو دل کی سکینت مگر نہیں



اس زمانے میں دلائل کے سوا! ہر حقیقت اب حقیقت ہی نہیں
آج کل زورِ بیاں، حُسنِ زباں کیا نہیں، لیکن صداقت ہی نہیں



جس کے پردے میں نہ ہوں لاکھوں فریب وہ سیاست اب سیاست ہی نہیں



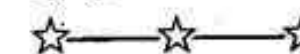
جہاں پاؤں رکھتے ہیں، سر لوٹتے ہیں وہیں سر سے جانے کو جی چاہتا ہے



جگر! میری یہ حسرت ہے کہ خوابِ مرگ سے پہلے مرا ہندوستان، مرا وطن بیدار ہو جائے



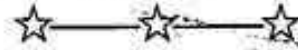
کہنا نہ پھر کہ ہائے مجھے ہو گیا ہے کیا لیجئے، بلند دست دعا کر رہا ہوں میں
جب آگئی ہے ضد مجھے سرکارِ حُسن سے ہر نقشِ آرزو کو مٹا کر رہا ہوں میں



مری عرضِ غم پر وہ فرما رہے ہیں ترے دل کی خاطر ہے، تپا رہے ہیں
ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ حسن و خوشبو وہ کچھ گنگناتے چلے آ رہے ہیں
یہ ہے مشہدِ عشق، یعنی یہاں پر حسینوں کے سر ٹھو کریں کھا رہے ہیں



ترا حریفِ مقابل کہیں نہ بن جائے کہ ہر ادا مرے دل میں سمائی جاتی ہے
یہ آگِ عشق کی ہے، یونہی رہنے دے ہدم! بھڑکتی اور ہے جتنی بجھائی جاتی ہے
اک آستان پہ جوتا حشر جھگ نہیں سکتی ہزار در پہ وہ گردن جھکائی جاتی ہے



بُجھے گی سوزِ غم سے رُوح کی پیاس اسی شعلہ کو بن جانا ہے شبنم
مرا ذوقِ نظر خود پردہ بن جائے نہ ہو گر فرصتِ نظارگی کم



پھر زخمت، اے سکوت! کہ برسوں گزر گئے نعماتِ سردی کو پریشاں کئے ہوئے



یہِ حُسن ہے کیا، یہِ نام ہے کیا، کیونکر یہ معتمہ حل کیجئے ہر حُسن کے ساتھ اک نام تو ہے، ہر حُسن مگر خود نام نہیں



نغمہ و نالہ ساتھ ساتھ، خندہ و گریہ پاس پاس دردِ یہ کس نے بھر دیا سینہٴ آبشار میں



مجھے آ گیا یاد اپنا زمانہ نہ کچھ دل نے سبجھا، نہ آنکھوں نے جانا



سچ ہے کہ بلا کوئی بھی تنہا نہیں آتی کیا موت بھی بے منتِ عیسیٰ نہیں آتی



اس موت میں پوشیدہ حیاتِ ابدی ہے سردے کے تو میدانِ شہادت سے گذر جا
قرآن و احادیث کو جو کھیل بتائے اُس قبلہ دیں کی بھی قیادت سے گذر جا



عمرِ عزیزِ آخر و کارِ جہاں دراز کہہ دے کوئی اجل سے کہ فرصت نہیں ابھی



ہر شامِ غم ہے قاصدِ صبحِ نشاط تو یہ آنکھ کی خطا ہے، اگر دیکھتی نہیں



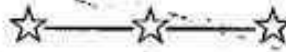
یہ عیش و طرب، یہ رنج و تعب، سب فکر و نظر کے دھوکے ہیں
دھوکے میں نہ آنا ان کے جگر، یہ راہ گزر کے دھوکے ہیں



قحط ہو بنگال میں تیری بدولت، شرم شرم! شرم شرم، اے غیرت احساسِ ملت، شرم شرم!
بھوک کے مارے ہوؤں کی آف یہ ذلت، شرم شرم! اے مروت، اے محبت، اے شرافت، شرم شرم!



آپ ہی اپنی دید سے محروم آپ ہی اپنا مدعا ہوں میں



تو خود ہی عین ذات ہے، خود جلوہ صفات پھرنا کہاں ہے شوق کا دفتر لئے ہوئے



آج سے ترک ملاقات بھی تسلیم مجھے توبہ توبہ! کہ ترے حُسن کی رسوائی ہو
قعرِ دریا میں بھی ہے سطح وہی ساحل کی یہ تو ممکن نہیں گہرائی ہی گہرائی ہو
کوئی اپنا نہیں، عرفاں نہ اگر ہو اپنا سب شناسا ہیں، اگر حق سے شناسائی ہو



بے سبب کب کوئی رسوائے فغاں ہوتا ہے دل سے جب آگ نکلتی ہے، دھواں ہوتا ہے
تو جو ہے پاس، تو اک زندہ حقیقت ہے جہاں تو نہیں جب، تو یہ سب وہم و گماں ہوتا ہے



اس خطہ زر خیز میں یہ قحط، یہ افلاس غیروں کی حکومت کا اثر دیکھ رہا ہوں



جناب شیخ بھی انساں تو خوب ہیں، لیکن حدود و سعتِ انسانیت سے بیگانہ
مرے لئے یہ مری تشنگی ہی کیا کم ہے میں کیوں طلب کروں ساتی سے جام و پیانہ
نظر کو فرصتِ نظارگی نہیں، نہ سہی یقین تو ہے کہ وہ آئے تھے بے حجابانہ



وہ مری غزل سرائی، وہ کسی کا مُسکراتا وہ ذرا ٹھہر کے خود ہی، کوئی شعر گنگنانا
شبِ ماہ و موسمِ گل، وہ کنارِ جو، وہ خلوت وہ ہجومِ کیف و مستی، وہ فسانہ در فسانہ

تجھے یاد اگر نہ ہو، تو تجھے یاد میں دلا دوں
وہ نئے نئے سے جذبے، وہ نئی نئی سی ہر شے
وہ گھٹائیں اُڑی اُڑی، وہ ہوائیں مہکی مہکی
وہ شکستِ عزم و ہمت، وہ غرورِ فتح و نصرت
تجھے یاد ہے وہ سب کچھ، وہ مقام، وہ زمانہ
وہ نئی نئی اُمٹگیں، وہ نیا نیا زمانہ
وہ نگاہیں بہکی بہکی، وہ ادائیں والہانہ
وہ سرورِ دردِ مندی، وہ نشاطِ دلبرانہ
مراد دل تھا توبہ توبہ، کہ ”خداے بے زمانہ“



اُس جگہ آج غمِ عشق کا عالم پایا
حسن کو خود بھی جہاں شوقِ مجسم پایا



اپنی بربادیِ پیہم کا خیال آ ہی گیا
زندگیِ سخت مقامات سے گذری، لیکن
غیرتِ عشق کے چہرہ پہ جلال آ ہی گیا
وقت پر کام مرا جامِ سفال آ ہی گیا



ہر انقلاب ایک پیامِ سحر سہی
ہر روشنی دلیلِ طلوعِ سحر نہیں



ننگِ دستی ہے، فاقہِ مستی ہے
واہ کیا شانِ حق پرستی ہے



تمنا ہے اماں مل جائے، یا رب!
کتابوں میں اہرا ہی کیا ہے، واعظ!
جہنم کو مری تر دامن سے
سبق لے زندگی کا زندگی سے
نہ جانے، کیوں محبت کانپ اٹھی
اٹھا جب کوئی پردہ زندگی سے



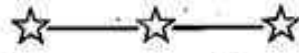
یہ رزمِ گاہِ محبت ہے، اے دلِ ناداں!
سمجھتے رہ گئے لیکن سمجھ میں آ نہ سکے
شکست دے نہ سکے، جو شکست کھانہ سکے
مگر وہ میرے عزائم کا سر جھکا نہ سکے



اس عہد میں کہ جو غمِ دوراں نہیں ہے کچھ
مجھ سے الٹا انہیں شکوہ ہی ستمِ گاری کا
وہ شخص ہے ولی جو محبت سے کام لے
اے جنوں! خواب کا عالم ہے کہ بیداری کا
عشق محدود نہ رہ جائے تو سبحان اللہ!
ورنہ صرف ایک خیسِ شغل ہے بیکاری کا



رگ رگ میں ہے کون یہ خراں دل سے ہے نگاہ تک چراغاں



تری شکل سب دلنشین ہو گئی محبت بھی کتنی حسین ہو گئی!



ان دنوں روزگارِ عشق نہ پوچھ
زندگی کی ہے کوئی منزل بھی
کیوں غمِ عشق کو نہ وسعت دیں
دل کو کیا ہو گیا، خدا جانے
یوں وہ بیگانہ وار ملتے ہیں
دل کی باتوں کو مختصر نہ سمجھ
فتنہ شر کے جانے والے!
ہائے، وہ اک نگاہ خاص، جگر

شام بھی ہے خفا سحر ہی نہیں
زندگی صرف اک سفر ہی نہیں
جب غمِ عشق سے مفر ہی نہیں
کیا گزرتی ہے، کچھ خبر ہی نہیں
جیسے اب تک انہیں خبر ہی نہیں
دل کی ہر بات مختصر ہی نہیں
فتنہ خیر کی خبر ہی نہیں
جو بہت کچھ ہے، مختصر ہی نہیں



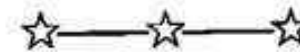
طوفان کو موج، موج کو طوفان نہ کر سکے
ہم شکوہ سنجی غمِ دوراں نہ کر سکے
چپکے سے آج ایک برہمن یہ کہہ گیا
شرمندہ جنوں محبت نہیں، اگر

وہ کونسا ہے کام کہ انسان نہ کر سکے
اپنے سوا کسی کو پشیمان نہ کر سکے
کافر ہے وہ جو کفر کو ایمان نہ کر سکے
ہم احتیاط دست و گریباں نہ کر سکے



غمِ دوراں کی میں تفسیر کبھی نہ سکا
کیا ستمِ عشق کی تقدیر کئے جاتی ہے
کچھ تو نامہ ہی کا اثر ہے مجھ پر

غمِ دوراں مری تفسیر کئے جاتی ہے
ہر بال پاؤں کی زنجیر کئے جاتی ہے
اور کچھ شوخی تحریر کئے جاتی ہے



یہی دل جلوہ گاہِ یار بھی ہے
یہی دردِ دل عطار بھی ہے



دل کی لگی کو خاک بچھاتا آگ لگاتا آیا ساون



حقیقت حسن کی سمجھیں گے کیا خاک وہ ناداں جو بہلتے جا رہے ہیں



مرا عزمِ باغیانہ کبھی کھل گیا جو اُس پر تو نہ پوچھو لطفِ پیہم، بہ گدازِ مخلصانہ



جوانی حاصلِ حسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے نظر بیگانہ حسنِ دو عالم ہوتی جاتی ہے
مذاقِ شعر کا معیار اونچا ہوتا جاتا ہے ارے تو بہ! قیامتِ قدِ آدم ہوتی جاتی ہے



کیسی نظر کہاں کی نظر، کیا نظر میں ہے جب تم نہیں تو خاک مری چشمِ تر میں ہے



چشمِ ساقی! میں تصدقِ ترے پیمانوں کے چند گھونٹ اور بھی، لیکن انہی میخانوں کے
آگ میں پھاند پڑیں، موت سے ٹکرا جائیں واہ! کیا کھیل ہیں ان سوختہ سامانوں کے
کاش! یہ راز ہر انسان سمجھ لے ہم دم! اپنا مقسوم ہے خود ہاتھ میں انسانوں کے
موت کیا آئے گی ہم عشق کے دیوانوں کو موت خود کا پنتی ہے نام سے دیوانوں کے
ہر قدم لاکھ تھپڑے سہی طوفانوں کے حوصلے پست نہ ہوں گے کبھی انسانوں کے
زندگی جس سے عبارت ہے محبت، زندہ وہ سکوں صرف ہے آغوش میں طوفانوں کے



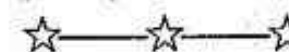
بیمار کا حشر جو ہونا تھا ہو چکا بیٹھے رہیں وہ حسنِ پشیمان لئے ہوئے
دل بھی وہی ہے، غم بھی وہی، پھر یہ کیا کہ آج ہر اشک ہے تبسمِ پنہاں لئے ہوئے



جاتے ہوئے نظر سے نظر یوں ملا گئے اپنے سوا ہر ایک حقیقت چھپا گئے
بجلی سی ایک کوند گئی، مسکرا گئے اب کیا کہیں کسی سے، وہ کیا آئے، کیا گئے



عشق نے لی اک انگڑائی، جاگ اٹھا غیرت کا ضمیر چھوٹ گیا دیوانہ آخر، ٹوٹ گئی زنجیر!
مرنے بھی ندیں، جینے بھی ندیں، کیا فاسوں کیا تاثیر پیاری پیاری نظریں اُس کی، نازک نازک تیر



آخرِ زندگی گھلا یہ راز آپ کتنے قریب رہتے ہیں



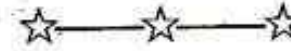
دونوں عالم نہ سہی اک دل دیوانہ سہی جشنِ احساس تو ہے، رقصِ تمنا نہ سہی
وہ بلا نوش ہوں میں بھی کہ الہی توبہ! ہر اداِ حسن کی میخانہ بہ میخانہ سہی



مے کی حاجت ہے نہ اب درکار پیانہ مجھے میرے ساقی نے پلا دی روحِ میخانہ مجھے



کیا رہبر و رفیق، کہاں کا کچھ امتحان یہ بات ہے بخوں کے مذاقِ سفر سے دور
اہلِ جہاں کی ہائے رے یہ کم نگاہیاں آئینہ سے قریب اور آئینہ گر سے دور
رحمت تو خاص کر ہے گنہگار کے لئے رہ سکتی ہے کہیں مرے دامانِ تر سے دور



ہلِ وطن میں مرے فطرت کے مطابق، لے دست! روزِ روشن بھی ہے، تاریک ترسِ رات بھی ہے
حریت بھی ہے، مساوات بھی، جمہوریت بھی ہے تو دستور میں سب کچھ مگر اک بات بھی ہے



مرے ہوتے پہ کرم ہونہ کسی پر، یارب! ہر بلا کے لئے میرا ہی سیہ خانہ سہی
میری دنیا بھی نہیں کم کسی دنیا سے جگر میری تقدیر میں یہ آپ کی دنیا نہ سہی



یہ فلک، یہ ماہ و انجم، یہ زمیں، یہ رنگ و بو جب وہ ہوتے ہیں تو کچھ اُن کے سوا ہوتا نہیں
یہ حقیقت بھی بخوں نے فاش کر دی بارہا ماسوا کہتے ہیں جس کو، ماسوا ہوتا نہیں



چارہ گر اب مجھے معاف کریں اب سکوں درد ہی سے ملتا ہے
سختِ ناداں سہی، مگر ناصح کتنی شائستگی سے ملتا ہے!
موت کچھ رازِ غیب کھولتی ہے بھید کچھ زندگی سے ملتا ہے



مری طرف سے کوئی یہ کہہ دے، مجاہد بے خبر سے پہلے
صفائے قلب و نظر ہے لازم، جہادِ تیغ و تبر سے پہلے
سفر تو اک شرطِ جستجو ہے، مگر جو ہے شرطِ ہمر ہی بھی
مرے بیکٹنے میں ساتھ دے گا، یہ پوچھ لوں راہِ بر سے پہلے

خود اپنی ہی جستجو تھی یعنی، خود اپنی ہی جستجو کی حد تک
وہیں یہ آکر قدم رکے ہیں، چلے تھے جس رہ گزر سے پہلے
شباب میں اے جگر! غزل تو حقیقتاً ہی غزل تھی، لیکن
غزل میں یہ وسعتیں کہاں تھیں، شعور فکر و نظر سے پہلے



غیب کی طاقت اللہ اللہ! جیسا چاہے، ناچ نچائے
☆—☆—☆

جب حسن و محبت مل کے بہم، سرشار و غزل خواں ہوتے ہیں
فطرت کو بھی جال آ جاتا ہے، نظارے بھی رقصاں ہوتے ہیں
باطل کی ہو کتنی ہی طاقت، باطل کی اطاعت کیا معنی
ایمان پہ فدا ہو جاتے ہیں، جو صاحب ایمان ہوتے ہیں
اپنوں سے بھی نفرت رکھتے ہیں، ایسے تو ہزاروں لاکھوں ہیں
دشمن کے بھی کام آ جاتے ہیں، ایسے بھی کچھ انساں ہوتے ہیں
وہ عشق کی وسعت کیا جانیں، محدود ہے جن کی فکر و نظر
وہ درد کی عظمت کیا سمجھیں، بیدرد جو انساں ہوتے ہیں
یہ فیصلہ اپنے دل سے کر، ہونا ہے تجھے کس صفت میں شریک
ہمدرد بھی انساں ملتے ہیں، بے درد بھی انساں ہوتے ہیں



حسن پر جب بڑی گھڑی آئی عشق کانپا، حیات تھرائی
☆—☆—☆

اک عشق ہے کہ جس سے عبارت ہے زندگی یہ درد جس کے دل میں نہیں، آدمی نہیں
☆—☆—☆

محبت سخت کوش آئی، جنوں تیشہ بدوش آیا سنبھل، اے گردشِ دوراں! کہ دیوانوں کو ہوش آیا
☆—☆—☆

وہ حسن ہی نہیں ہے جو ہو جائے مطمئن وہ عشق ہی نہیں ہے جو ثابت قدم نہیں
☆—☆—☆

نظر آتے ہیں ہم سب آدھی سے مگر کہئے تو کیا کہئے کسی سے
نہ بدلے بحر کو بھی تشنگی سے تعجب کیا مزاج عاشقی سے

مجھے ہر ایک شک ہے خضر منزل! نشانِ راہ پاتا ہوں اسی سے



لب ترستے ہیں التجا کے لئے ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے
ہم نے تنہائیوں میں کیا کیا لطف ایک آواز بے صدا کے لئے
عشق کی وسعتیں، خدا کی پناہ حوصلہ چاہیے وفا کے لئے
مُحلول کو رنگ و رامش و نکبت اور آوارگی صبا کے لئے
مجھ کو جو چاہو، ناصحو! کہہ لو کچھ نہ کہنا اُسے خدا کے لئے



قتدپاری

بہ سر تو ساقی مست من، بہ سرور بے جلی خوشم
اگرم شراب نمی دہی، بہ خمارِ تشنہ لبی خوشم
چہ خوش است ذوقِ محبت! چہ بلاست لذتِ فرقت
کہ بہ یادِ زلفِ سیاہ تو، بہ ہجومِ تیرہ شی خوشم
چہ مقامِ عشق و چہ منزلی کہ دریں زماں من بے دلی
نہ بہ شاہدے، نہ بہ مطربے، نہ بہ حاصلِ غمی خوشم
زنگاہِ عشوہ طراز تو، چہ گزشت بر دلِ من کہ من
نہ بہ نالہٗ سحری خوشم، نہ بہ آہِ نیم شی خوشم
زجفائے حُسنِ تمام تو نہ حکایت نہ شکایت
چہ حکایت چہ شکایت کہ بہ ترکِ بے ادلی خوشم



ہمہ ہوشِ عشقم، ہمہ سوزِ جانم حذر اے جواناں! کہ پیرِ جوانم
نہ اُسم نہ جسم نہ انیم نہ آنم چہ رازِ عیانم! چہ سرِ نہانم
جہاں از من و من بہ جانِ محبت بہ جانِ محبت! کہ جانِ جہانم
خوشا نسبتِ عشقِ لافانی تو
فنا گشتم و زندہ جاودانم



نعت شریف

اے از لب صداقت شنیدہ نا دیدہ خدا، خداے دیدہ

خصوصیات محمدیہ

اے مثل تو در جہاں نگارے یزداں دگرے نہ آفریدہ
اے آں کہ بہ "امتزاج کامل" در جملہ صفات برگزیدہ
تو پر تو حُسن ذات و از تو یک شتمہ بہ دیگران رسیدہ
اے بے ہمہ خلق و باہمہ خلق اے از ہمہ خلق برگزیدہ



عہد رسالت تا خلافت راشدہ

آں خیر کہ بود در زمانت بعد از تو زمانہ ہم نہ دیدہ
در عشق و وفا دگر مثالے نے دیدہ دے ز کس شنیدہ



عہد حاضر

امروز بہ ہیں کہ مرد ماں را کارے بہ ہلاکتے رسیدہ
مشرق ہمہ پر زقنہ و شر مغرب ہمہ مست و سرکشیدہ



معراج

اے آں کہ ز شوق بے نہایت حق راہمہ آشکار دیدہ
طے کردہ مراحل و منازل تابد رہے باساختے رسیدہ
وز سدرہ بہ منتہائے قوسین باعظمت خاص رہے بریدہ

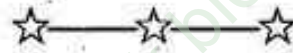


شمہ از حقیقت معراج

اے آل کہ درون پردہ راز از خویش بہ خویشتن رسیدہ

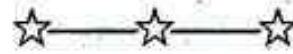


کے عقل تو اں رسد بہ پایاں ہم عشق ہنوز نا رسیدہ
 ”لَوْ لَاک لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلاک“ در مدح تو جان ہر قصیدہ
 اے ام تو حزر جانِ عشاق اے ذکر تو نورِ قلب و دیدہ
 اے بر تو ثار ”شرم عصیاں“ اے بر تو فدا ”دل پتیدہ“
 یک گوشہ چشم التفاتے بر امتیانِ غم رسیدہ
 رحمت بہ اشارہ تو جوشاں جنت بہ نگاہت آر میدہ



قطع و مقطع

استادہ بہ پیش بارگاہت پیرے بہ رخ آستیں کشیدہ
 شاید جگرے حزیں ہمیں است از بارِ گنہ کمر خمیدہ



حقیقت و مجاز

اے عین تو ہیج کس ندیدہ افسانہ بہ ہر زباں رسیدہ
 دیدن نتواں واز رہ شوق خارے بہ دلے جہاں خلیدہ
 عالم ہمہ پُرز جلوہ دوست اے دالے نگاہ نارسیدہ
 گہہ گہہ نگہ بہ پائمالاں اے سرو روان سرکشیدہ
 داریم دلے بہ سینہ عشق نازک ”زگل بہار چیدہ“
 جائے زبے کشیدہ ساقی کیف ز شراب ناکشیدہ



قطعه (مجاز و محاکات)

دی شب بہ کنار آمد آں شوخ دامن حیا بہ رخ کشیدہ
 یک میگر حسن و شعر و نغمہ یک صنعت قدرت آفریدہ
 یک حسن نگار و صد بہاراں یک شوق من و ہزار دیدہ
 گل تمکنے رخ فروزاں خوش معذرتے بہ لب رسیدہ
 آں دیدہ شریکیں کہ گوئی مے خانہ بہ ساغرے کشیدہ
 پنہاں نظرے بہ شوق گستاخ پیدا اثر دل تپیدہ
 مرثگان دراز صف بہ بستہ ابروے سپہ کماں کشیدہ
 جنبش بہ نگاہ ناتماے لرزش "بے لبے سخن رسیدہ"
 ہم سطوت حسن بے تادیب ہم ناز، نیاز آفریدہ
 از جوش خلوص، مہر برب وز کیف نشاط، آبدیدہ
 گفتم کہ چساں گزشت بے من گفتا، بہ خیالت آرمیدہ



قطعه

اے آں کہ ز عشق پُری از من عشق است نہال برگزیدہ
 بخش بہ دل ازل نہفتہ شاخس بہ سر ابد رسیدہ



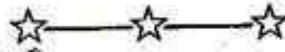
کلام تازہ

(یہ غزلیں "آتش گل کی اشاعت کے بعد کہی گئی ہیں)

کم نہیں ظلمت بھی کچھ، اہل نظر کے لیے
 کون رہے شب نشیں نورِ سحر کے لیے
 لاکھ چمن زارِ حسن پیش نظر ہوں تو کیا
 ہاتھ یہ بڑھتے نہیں ہر گل تر کے لیے

جس پہ بہت ناز ہے آہ، تجھے بوالہوس
 نگ ہے وہ زندگی اہل نظر کے لیے
 جوشِ طلب چاہیے ہوشِ ادب چاہیے
 بند نہیں کوئی راہ پائے بشر کے لیے
 رقص میں ہے زندگی ایک ترے واسطے
 وجد میں ہے کائنات اہل نظر کے لیے
 کم نہ ہوئیں ظلمتیں اُف رے شبتانِ غم
 بچھ گئے لاکھوں چراغ، ایک سحر کے لیے

گوئدہ، جون ۱۹۵۸ء



محبت کا بالآخر رقصِ بیتابانہ کام آیا
 نہ جانے آج کس دھن میں زباں پر کس کا نام آیا
 ادب اے گردشِ گردوں کہ پھر گردش میں جام آیا
 جہادِ زندگی میں جب کوئی نازک مقام آیا
 نئی تخریب لازم ہے نئی تعمیر کی خاطر
 مجھے شکوہ نہیں ساقی سے اپنی تشنہ کامی کا
 اندھیروں سے اُجالے پھوٹ نکلے، دل یہ کہتا ہے
 سنبھل کر یوں تو ہم گزرے کسی کی واہ میں لیکن
 اٹھا تعظیم کو ساقی، جھکے شیشے، بڑھے ساغر
 نہ جانے آخر شب کون رندِ تشنہ کام آیا
 نکل آیا جگر جب میکدے میں شور یہ اٹھا
 وہ رندِ دل بہ یاروے بجام و تشنہ کام آیا

گوئدہ، جولائی ۱۹۵۸ء



منصور ہر اک دور میں بیدار ہوا ہے
 مدت میں جو اس شوخ کا دیدار ہوا ہے
 بے نام و نشان ایسا بھی اک وار ہوا ہے
 کیا کیا نہ تپایا ہے اسے آتشِ غم نے
 اب حسن سے کچھ کام نہ جلوؤں سے سروکار
 افسانہ کہیں ختم سر ہوا ہے
 تا دیر سنبھلنا مجھے دُشوار ہوا ہے
 ہر عزم، ہر اک حوصلہ بریکار ہوا ہے
 تب جا کے یہ دل شعلہٴ بیدار ہوا ہے
 اب عشق ہی خود عشق کا معیار ہوا ہے

فیضانِ غمِ دوست سے حاصل ہے وہ نسبت
کچھ دل کا تقاضا ہی نہ تھا ”عرضِ محبت“
بے شاہد و ساقی بھی کبھی پی تو ہے لیکن
ڈھانی ہے اسی کو غمِ دوراں پہ قیامت
کچھ دن سے عجب دل کی نزاکت کا ہے عالم
شبِ نیم کی نظر میں نہیں تخصیص کسی کی
کیا چیز تھی رندانِ خوشِ انفاس کی صحبت
کیا کہیے جگر کس گلِ رعنا کی بدولت
ہر شعر مرا شعلہٴ زُخار ہوا ہے

گوئدہ، اگست ۱۹۵۸ء



یہ مے خانہ ہے، بزمِ جم نہیں ہے
شکستِ دل شکستِ غم نہیں ہے
ذرا سا دل ہے لیکن کم نہیں ہے
یقینِ عشق اگر محکم نہیں ہے
نہ جاشانِ تغافل پر کہ اے دوست
تو پھر کیا ہے اگر یہ خُسنِ فطرت
کہاں کا خُسن اگر اٹھ جائے پردہ
بستم کچھ اور کر لیں خُسنِ والے
ارے او شکوہِ سنجِ عمرِ فانی
وفا اک جنس ہے معروف و دلکش
نگاہ و فکر کو کیا کہیے ورنہ
زباں سے کوئی کچھ کہہ لے پر اے دوست
کہیں ایثارِ غم جاتا ہے ضائع
چمنِ شاداب ہے، شبِ نیم نہیں ہے

گوئدہ، مارچ ۱۹۶۵ء





اُردو کتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

شہزاد آفاق عظیم شہزاد کے شعری مجموعے

میر تقی میر	گلیات میر
نظیر اکبر آبادی	گلیات نظیر
مرزا محمد رفیع سودا	گلیات سودا
خواجہ حیدر علی آتش	گلیات آتش
شیخ امام بخش ناسخ	گلیات ناسخ
شیخ ابراہیم ذوق	گلیات ذوق
موسن خان موسن	گلیات موسن
داغ دہلوی	گلیات داغ
اکبر الہ آبادی	گلیات اکبر
حسرت موہانی	گلیات حسرت
فانی بدایونی	گلیات فانی
اصغر گوئدوی	گلیات اصغر
جگر مراد آبادی	گلیات جگر